لفظی اشتقاق اور توسیع زبان: اردو میں لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں کا مطالعہ
بحوالہ خصوصی ظفر اقبال اور سمیع آہوجا

(Derivation and Development of Language: A Study of the cases / use of Derivation in Urdu with special Reference to Zafar Iqbal and Sami Ahuja)

مقالہ برائے پی ایچ ڈی (اُردو)

مقالہ نگار:

سعدیہ کنول

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

© مئی 2024ء

لفظی اشتقاق اور توسیع زبان: اردو میں لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں کا مطالعہ
بحوالہ خصوصی ظفر اقبال اور سمیع آہوجا

(Derivation and Development of Language: A Study of the cases /use of Derivation in Urdu with special Reference to Zafar Iqbal and Sami Ahuja)

مقالہ نگار:

سعدیہ کنول

یہ مقالہ

پی ایچ ڈی (اُردو)

کی ڈگری کی جزوی تکمیل کے لیے پیش کیا گیا

فیکلٹی آف لینگویجز

(اُردو زبان و ادب)

فیکلٹی آف لینگویجز

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

© مئی 2024ء

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم

زیرِ دستخطی تصدیق کرتے ہیں کہ انہوں نے مندرجہ ذیل مقالہ پڑھا اور مقالے کے دفاع کو جانچا ہے، وہ مجموعی طور پر امتحانی کارکردگی سے مطمئن ہیں اور فیکلٹی آف لینگویجز کو اس مقالے کی منظوری کی سفارش کرتے ہیں۔

مقالے کا عنوان: لفظی اشتقاق اور توسیع زبان: اردو میں لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں کا مطالعہ بحوالہ خصوصی ظفر اقبال اور سمیع آہوجا

پیش کار: سعدیہ کنول رجسٹریشن نمبر: PhD/URD/S20

ڈاکٹر آف فلاسفی

شعبہ: شعبۂ اردو زبان و ادب

ڈاکٹر عابد حسین سیال ____________________

نگران مقالہ

پروفیسر ڈاکٹر جمیل اصغر جامی ____________________

ڈین فیکلٹی آف لینگویجز

میجر جنرل **شاہد محمود کیانی**، ہلال امتیاز (ملٹری) (ر) ____________________

ریکٹر

تاریخ: ____________

اقرار نامہ

میں، سعدیہ کنول حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ اس مقالے میں پیش کیا گیا کام میرا ذاتی ہے اور نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد کے پی ایچ ڈی اسکالر کی حیثیت سے ڈاکٹر عابد حسین سیال کی نگرانی میں مکمل کیا گیا ہے۔ میں نے یہ کام کسی اور یونیورسٹی یا ادارے میں ڈگری کے حصول کے لیے پیش نہیں کیا ہے اور نہ آئندہ کروں گی۔

____

سعدیہ کنول

مقالہ نگار

نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

فہرست ابواب

صفحہ نمبر	عنوان

عنوان — صفحہ نمبر

مقالے کے دفاع اور منظوری کا فارم iii

اقرار نامہ iv

فہرست ابواب v

Abstract viii

اظہارِ تشکر ix

باب اول: موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف: تمہید 1

i۔ موضوع کا تعارف 1

ii۔ بیان مسئلہ 4

iii۔ مقاصد تحقیق 4

iv۔ تحقیقی سوالات 5

v۔ نظری دائرہ کار 5

vi۔ تحقیقی طریقہ کار 7

vii۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق 7

viii۔ تحدید 8

ix۔ پس منظری مطالعہ 9

x۔ تحقیق کی اہمیت 10

ب۔ لفظ سازی اور اس کے ماٰخذ 11

i. تصریف نگاری (Inflection) 12

ii. مرکب سازی(Compounding) 18

ج۔ لفظی اشتقاق: مفہوم اور صورتیں 25
i. لفظی اشتقاق کا مفہوم 25
ii. لفظی اشتقاق کی صورتیں 29

د۔ اُردو میں لسانی تشکیلات اور توسیع زبان 32
حوالہ جات 49

باب دوم: ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کے متون میں لفظی اشتقاق کا مطالعہ اشتقاقی الحاقیت کے تناظر میں 52
الف۔ اشتقاقی الحاقیت اور اس کی صورتیں 52
i. سابقہ (Prefix) 54
ii. لاحقہ (Suffix) 55
iii. وسطیہ (Infix) 56
iv. ابتدائیہ انتہائیہ (Circumfix) 57
ب۔ ظفر اقبال کے شعری متون میں الحاقیت کی مثالوں کا تجزیہ 58
ج۔ سمیع آہو جا کے افسانوی متون میں الحاقیت کی مثالوں کا تجزیہ 94
حوالہ جات 110

باب سوم: ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کے متون میں لفظی اشتقاق کا مطالعہ اشتقاقی صفر الحاقیت اور لفظ سازی کے تناظر میں 114
الف۔ اشتقاقی صفر الحاقیت اور لفظ سازی کی صورتیں 114
i. تحویل(Conversion) 115
ii. منہائی(Back Formtion) 116
iii. نولفظیت (Coinage) 117

iv. مختصرات (Acronym) 118

v. مخففات (Abbreviations) 119

vi. ترکیب اختصار(Clipping) 121

vii. آمیختہ / ترکیب ملاوٹ (Blending) 122

viii. مستعاریت (Borrowing) 124

ب۔ ظفر اقبال کے شعری متون میں صفر الحاقیت اور لفظ سازی کی مثالوں کا تجزیہ 129

ج۔ سمیع آہو جا کے افسانوی متون میں صفر الحاقیت اور لفظ سازی کی مثالوں کا تجزیہ 155

حوالہ جات 176

باب چہارم: لفظی اشتقاق بطور توسیع زبان: رد و قبول کے امکانات کی صورتیں

الف۔ نئے الفاظ میں قبولیت کے امکانات کی صورتیں

180

i. لغات 182

ii. علمی مقالہ جات 184

iii. نئے لفظ کا کثرت سے استعمال 184

iv. میڈیا 185

v. گلوبلائزیشن 186

vi. اصطلاحات 189

vii. ثقافت 189

viii. ادبی زبان میں قبولیت 190

ix. مخففات 190

ب۔ نئے الفاظ میں استرداد کے امکانات کی صورتیں 191

i. لسانی مطابقت 191

.ii	معنوی وضاحت	192
.iii	قدامت پسندی	193
.iv	عوامی توقعات	193
.v	ادبی روایت	193
.vi	تنقید	193
.vii	استعمال میں کمی	194
.viii	نسلی اختلافات	195
.ix	مستقل مزاجی	195
.x	ترجمہ کی مشکلات	195
.xi	ثقافتی مطابقت	197
.xii	مزاحمت	198
.xiii	تکنیکی ترقی	198
.xiv	میڈیا	199
.xv	سوشل میڈیا	200
.xvi	مخففات	200
.xvii	سماجی و اقتصادی عوامل	201
.xviii	نمائشی / مصنوعی پن	202
حوالہ جات		204
باب پنجم: مجموعی جائزہ، نتائج و سفارشات		205
	سفارشات	215
	کتابیات	216
ضمیمہ جات		221

Abstract

Language development is an eternal journey, continually evolving through cycles of acceptance and rejection. Yet, languages that fail to adapt ultimately fade into obscurity, casualties of diminishing speakers. Urdu stands as a testament to the power of acceptance, its resilience ensuring its survival amidst linguistic shifts. The process of language expansion unfolds across public, literary, and translation domains. This study focuses on the literary sphere, dissecting the works of Zafar Iqbal and Sami Ahuja to unravel the intricacies of derivation. Derivational processes, whether through affixation or zero affixation, shape the lexicon and contribute to language growth. Moreover, the role of vocabulary and word-building emerges as a cornerstone of this expansion. Words undergo derivational or inflectional transformations, while some acquire new meanings sans morphological additions. These linguistic phenomena are exemplified in the literary oeuvres of Zafar Iqbal and Sami Ahuja, showcasing the dynamic nature of language evolution. Borrowing emerges as a primary mechanism for lexical enrichment, with adjectives often sprouting from nouns and new verbs emerging from the creative depths of Iqbal's literary canvas. Employing a qualitative methodology, this thesis delves into the nuanced process of language expansion, offering insights into the formation of novel linguistic constructs.

اظہارِ تشکر

اس تحقیق کے سفر میں سب سے پہلے میں بارگاہ خداوندی میں سجدہ شکر ادا کرتی ہوں کہ اس سفر میں اس نے جس طرح میرا ہاتھ تھاما اور تحقیق کے اس صبر آزما اور کٹھن سفر میں کئی شجر ہائے سایہ دار سے نوازا جنہوں نے میری تحقیق کے لیے سہولت اور آسانیاں فراہم کیں۔ آج اس مقالے کی تکمیل پر ان کا شکریہ ادا کرنا مجھ پر قرض ہے۔ تحقیق کا یہ سفر ڈاکٹر عابد حسین سیال کے بغیر ناممکن تھا۔ زبان کے ساتھ ان کی جذباتی اور پیشہ وارانہ وابستگی نے میرے مقالے کے کئی مشکل مراحل آسان کر دیے۔میرے شکریے کے پہلے حق دار ڈاکٹر صاحب تھے اس کے بعد میں ڈاکٹر افتخار بیگ کا شکریہ ادا کرنا چاہتی ہوں جنہوں نے گوناگوں مصروفیات سے وقت نکال کر میرے رونے سنے اور تسلی و تشفی دی اور اس موضوع کی طرف لانے والے بھی وہی تھے۔ لسانیات میں میری دلچسپی ڈاکٹر فوزیہ اسلم کی وجہ سے ہوئی جنہوں نے مجھے یہ راہ سجھائی ان کا شکریہ واجب ہے۔ میں تہہ دل سے اپنی دوست فرح سعید کی مشکور ہوں جس نے اس مقالے کی تکمیل میں میری ہر طرح سے مدد کی اس کی محبتوں کی میں ہمیشہ قرض دار رہوں گی۔ اس کے ساتھ ساتھ امجد کلو، فاخرہ منور، طیب عزیز ناسک، عمر سیال، وحید احمد شاہوانی اور حسنین سیالوی (ساقی برقی بکس) کی انتہائی شکر گزار ہوں جنہوں نے مواد کی فراہمی اور ترجمہ میں میری بے حد مدد کی۔ سب سے آخر میں اپنے والد محترم اور بہن بھائیوں کی شکر گزار ہوں جن کے ساتھ کی بدولت میں یہاں تک پہنچی۔

سعدیہ کنول

باب اول

موضوع کا تعارف اور بنیادی مباحث

الف: تمہید

1۔ موضوع کا تعارف (INTRODUCTION)

زبان کی توسیع کا عمل ہمیشہ سے جاری ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ زندہ زبانیں اخذ و قبول کے مراحل سے گزر کر ہی زندہ رہتی ہیں۔ جن زبانوں میں ترک و قبول کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، وہ وقت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں۔ دنیا میں بہت سی زبانیں اسی لیے مردہ ہو گئیں کہ اس کے بولنے والے کم سے کم ہوتے گئے۔ ایک وقت آیا کہ وہ نیست و نابود ہو گئیں۔ اردو زبان کی سب سے بڑی خصوصیت اس میں اخذ و قبول کی صلاحیت ہے۔ زبان کی توسیع کا عمل تین طرح سے ہوتا ہے۔ پہلا عوامی سطح پر جو زبان کے عالم، لکھاری، ادیب اور شاعر خاص الفاظ کو اظہار کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ عام طور پر بہت سے الفاظ عوامی سطح پر بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں مگر جب عوامی الفاظ کو زبان کے عالم اپنے اظہارات میں استعمال کرنے لگیں تو پھر ان کو بھی لغت میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اس طرح سے لفظ عوامی سطح سے علمی سطح پر آ جاتا ہے اور اس طرح توسیع زبان کا عمل وقوع پذیر ہوتا ہے۔ زبان کا تعلق اپنے بولنے والوں سے ہوتا ہے۔ عوامی سطح پر زبان ضرورت کے تحت بنائی جاتی ہے۔ اس عمل میں زبان کے عالم اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ پہلے سے موجود الفاظ میں سے عمدہ الفاظ کو چن کر اپنے فن پارے میں استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح نئے الفاظ سامنے آتے ہیں۔

زبان کی توسیع میں دوسرا اہم عمل ترجمے کا ہے۔ جب مترجم دوسری زبان کے فن پارے کو Source Language سے Target Language میں تبدیل کرتا ہے تو اسے بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تو ایسے بہت سے الفاظ، محاورات، تراکیب اور اصطلاحات کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ ایسے میں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے وہ دو کاموں میں سے ایک کام کرتا ہے اور کبھی دونوں کا استعمال بوقت ضرورت کرتا ہے۔ ایک (Loan words) یعنی جس زبان سے وہ ترجمہ کر رہا ہے اس کے لفظ کو بالکل ویسے ہی اپنی زبان میں لکھ کر شامل کرے ورنہ دوسرا طریقہ استعمال کرتا ہے جو Loan Translation کا ہے، اس لفظ کا ترجمہ اپنی زبان میں کرے۔ ان دونوں طریقہ ہائے کار کو Borrowing یعنی مستعاریت کہا جاتا ہے۔

الفاظ کا لین دین ہی زبانوں کے لفظی ذخیرے کو تقویت دیتا ہے اور زبانوں کی لفظیات کو وسعت بخشتا ہے۔ توسیعِ زبان کا تیسرا عمل تخلیقی ادب کی سطح ہے جس میں جب تخلیق کار کو موجودہ سانچے اپنے ابلاغ کے اظہار کی ضرورت پوری کرتے دکھائی نہیں دیتے تو وہ اپنے اسلوب کو تازہ کرنے کے لیے نئے الفاظ گھڑتا ہے جیسے ہمارے ہاں ظفر اقبال، سمیع آہوجا، شیر افضل جعفری اور جون ایلیا وغیرہ نے اپنے اپنے شہ پاروں میں نئے نئے الفاظ گھڑے۔ اس عمل کو لسانی تشکیلات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ لفظوں کے بننے کا عمل تین طرح سے ہوتا ہے۔

1۔ تصریف نگاری

2۔ لفظی اشتقاق

3۔ مرکب سازی

روایتی تصور یہ ہے کہ تصریف نگاری اور اشتقاقیات مارفیمیات کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ لسانیات کی ایک ذیلی شاخ ہے جو الفاظ کی مختلف حالتوں اور اندرونی ساخت سے بحث کرتی ہے۔ تصریف نگاری میں ایک ہی مادہ (Root word) سے مختلف الفاظ بنائے جاتے ہیں چاہے انھیں جمع کا صیغہ لگا کر بنایا جائے یا مذکر / مؤنث میں تبدیلی کر کے۔ ایک ہی مادہ سے بنائے جانے والے نئے الفاظ ایک ہی لفظیہ (Lexeme) کے تحت درج کیے جاتے ہیں، مثلاً خبر ایک مادہ لفظ ہے اس سے بننے والے الفاظ خبروں، خبریں، اخبار، اخبارات وغیرہ ایک ہی انٹری کے تحت بننے والے الفاظ ہیں۔ مادہ لفظ سے نت نئے الفاظ تصریف نگاری کے اشتقاقی عمل سے بنتے ہیں۔ یہ عمل لفظی اشتقاق میں بھی پایا جاتا ہے۔

مرکب الفاظ کے ذریعے لفظ سازی کا طریقہ بے حد مقبول ہے۔ اس طریقہ کے تحت دو یا دو سے زائد آزاد مارفیم کی مدد سے نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ مرکب الفاظ کو اگر قواعدی اعتبار سے دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ علم الصرف میں لفظ کی ساخت پر بحث کی جاتی ہے اور علم النحو میں فقری سطح پر، کیونکہ مرکب الفاظ کو علم النحو کے تناظر میں رکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ مرکب دو یا دو سے زائد الفاظ کا مجموعہ ہوتا ہے اس لیے یہ ساخت اور عمل دونوں کے اعتبار سے مختلف ہے۔ اردو شاعری میں ہمیں نئے نئے مرکبات بنتے دکھائی دیتے ہیں ان میں شعلہ بر شگال، عکس ناب، غبارتہ نشیں، موجۂ پایاب، روشِ برق وباد، شبِ بر شگال، موجۂ باریاب اور نشۂ ناکست وغیرہ شامل ہیں۔

توسیع زبان کا ایک طریقہ لفظی اشتقاق ہے۔لسانیات کی اصطلاح اشتقاق انگریزی لفظ Derivation کے مترادف ہے۔ اس کا اصل فعل ہے Derive جس کے معنی ہیں حاصل کرنا، نکلنا، کھول کر نکالنا، مشتق ہونا۔ بطور اصطلاح Derivation کا معنی ہے اصل لفظ سے تبدیل ہو کر دوسرا لفظ کیسے بنتا ہے۔ اردو میں اس کیلئے اشتقاق کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے لیکن ہم اس مقالے میں لفظی اشتقاق کی اصطلاح استعمال کریں گے تاکہ فرق واضح ہو سکے۔ یہ اصطلاح لفظ مشتق سے اخذ شدہ ہے شق ہونا یا شق کرنا کے معنی ہیں۔ یہ اصطلاح اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ کوئی ایک لفظ تحریر یا تقریر میں کس کس طرح استعمال ہوتا ہے اور ایک لفظ کے ساتھ بطور الحاقیہ (Affix) دوسرا مارفیم آتا ہے تو لفظ کا معنی / مفہوم نئی صورت کیونکر اختیار کرلیتاہے۔ یہ الحاقیہ کبھی لاحقہ (Suffix) کے طور پر استعمال ہوتے ہیں اور کبھی سابقہ (Prefix) کے طور پر۔ مثلا اگر ہم لفظ کام یاب کو دیکھتے ہیں تو یہ لفظ دو مارفیموں پر مشتمل ہے۔ "کام" مادہ(Root word) لفظ ہے جس کے ساتھ "یاب" کا لاحقہ لگا کر ایک نیا مادہ(Root word) لفظ بنا۔"کام " کے لفظ کو لسانیات میں مارفیم کہاجاتاہے جس کو مزید ٹکڑوں میں تقسیم کریں تو اس کا مفہوم نابود ہو جاتاہے۔ "کا" اور "م" بے معنی لفظ ہیں۔

ظفر اقبال ہمارے عہد کے وہ اہم شاعر اور نقاد ہیں جن کے کلام اور تنقیدی نظریات کو جہاں برصغیر پاک وہند میں بڑے پیمانے پر پذیرائی ملی وہاں ان پر زبان بگاڑنے کے الزامات لگائے گئے۔ اس کا جواب وہ بجا طور پر خود دیتے ہیں کہ یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ انھوں نے زبان کو بگاڑا یا اس میں ایسی گنجائشیں پیدا کی ہیں کہ جس کی وجہ سے زبان اظہار کے نئے خزینوں سے آشنا ہوئی۔ ظفر اقبال کی اب تک شاعری کے پانچ کلیات شائع ہو چکے ہیں۔ان کی کتاب "گلافتاب" اور "رطب و یابس" جو ان کے کلیات (جلد اوّل) میں شامل ہے، نے اردو زبان کے ٹھہرے ہوئے پانیوں میں ہلچل مچانے کا کام کیا۔ اردو غزل میں لسانی تشکیلات کا عمل ساٹھ کی دہائی میں شروع ہوا۔ لسانی تشکیلات کے مبلغ گنتی کے لوگ تھے۔ ظفر اقبال کی شاعری نے تاریخ میں الگ شناخت بنائی۔ان کے اب تک تیس غزلیہ مجموعے سامنے آچکے ہیں۔

"بلراج مین را کے بے مثال افسانے" میں خالد فتح محمد لکھتے ہیں کہ اردو فکشن میں لسانی تشکیل کو حتمی شکل دینے کا سہرا سمیع آہوجا کے سر ہے۔ سمیع آہوجا ستر کی دہائی کے زمانے سے افسانے لکھ رہے ہیں اور اب تک ان کے دس افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ سمیع آہوجا نے اپنے افسانوں میں مختلف زبانوں کے ایسے الفاظ اردو میں شامل کیے جو عام بول چال کا حصہ ہیں۔ اس عمل سے اردو زبان میں لسانی تشکیل کا عمل آگے

بڑھتا ہے۔ سمیع آہو جا نے اپنے لیے ایسی زبان قلم بند کی کہ جس لفظ کو گھڑنے کی ضرورت جب پیش آئی گھڑ لیا اور ایسا گھڑا کہ وہ زبان کا حصہ معلوم ہوا۔

۲۔ بیان مسئلہ (THESIS STATEMENT)

لفظ زبان کی اہم ترین ساختیاتی اکائی ہے۔ اہل زبان اپنی زبان کے لفظی سرمائے سے لاشعوری طور پر واقف ہونے کے ساتھ بر محل استعمال پر قادر ہوتے ہیں۔ لسانیات میں لفظ کی ساخت کے علم کو مارفیمیات کہا جاتا ہے۔ یہ علم الاشتقاق (Etymology) کی ایک شاخ ہے جو قواعد کی روشنی میں لفظ کی بناوٹ کو معلوم کرتی ہے۔ علم الاشتقاق میں صرفی، نحوی، معنوی اور تاریخی حوالے سے بحثیں ملتی ہیں جبکہ مارفیمیات میں لفظوں کے بننے کا عمل ملتا ہے۔ یہ عمل دو طرح سے ہوتا ہے ایک تصریف نگاری اور دوسرا لفظی اشتقاق۔ اردو کے ماہرین لسانیات لفظ Derivation کا ترجمہ اشتقاق کرتے ہیں اور لفظ Etymology کا علم الاشتقاق۔ اس وجہ سے کنفیوژن پیدا ہوتی ہے۔ میں نے اپنے اس مقالے میں لفظی اشتقاق کا لفظ فرق کو واضح کرنے کے لیے شامل کیا ہے۔ اس تحقیق میں دو اہم لکھاری ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کی تصنیفات کو شامل کیا۔ ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کے ہاں نئ لفظیات کے بننے کا عمل ملتا ہے یعنی دونوں نے اردو ادب کو نیا ڈکشن دیا۔ نئے قافیے اور ردیف بنانے کا کام شعراء اور ادیب اپنی شاعری اور نثر میں ضرورت کے تحت کرتے ہیں۔ لفظ سازی کا یہ عمل محدود پیمانے پر ہوتا ہے۔ مگر ظفر اقبال نے اپنی کتاب گلافتاب اور "رطب و یابس" میں بہت سے لسانی اصولوں سے انحراف کیا اور اضافت کے رائج طریقے اور مصادر کی بناوٹ کی صورتوں سے مکمل بائیکاٹ کیا اور لفظ سازی کی اردو شاعری میں سعی کی۔ یہ تجربہ کامیاب ہوا یا ناکام یہ تو آنے والا وقت ثابت کرے گا۔

لفظی اشتقاق دراصل قواعد کی رو سے لفظوں کے بننے کے عمل کی صورت ہے۔ ہمارا بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ لفظ کس طرح بنتے ہیں۔ ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کے ہاں بننے والے نئے لفظوں کو لفظی اشتقاق کے قواعد کی عملی صورتوں کے تحت جانچا اور پرکھا گیا اور ان نئے الفاظ سے اردو زبان پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ اور اس کے مثبت اور منفی رجحانات کا جائزہ لیا گیا ہے اور توسیعِ زبان کے عوامل اور زبان پر پڑنے والے اثرات کا جائزہ لیا گیا۔

۳۔ مقاصد تحقیق (RESEARCH OBJECTIVES)

مجوزہ مقالے کے مقاصد تحقیق درج ذیل ہیں۔

۱۔ اردو میں لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں اور نوعیتوں کو اجاگر کرنا۔

۲۔ ظفر اقبال کے حوالے سے شعری زبان میں نئی لفظیات کے کام کو لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں کے تحت جانچنا، پرکھنا اور رد و قبول کے اثرات کا جائزہ لینا۔

۳۔ سمیع آہوجا کے حوالے سے افسانوی زبان میں نئی لفظیات کے کام کو لفظی اشتقاق کی صورتوں کے رد و قبول کے امکانات کا جائزہ لینا۔

۴۔ تحقیقی سوالات (RESEARCH QUESTION)

1) اردو کے حوالے سے لفظی اشتقاق کا مفہوم، اس کی عملی صورتیں اور توسیع زبان میں ان کی کار فرمائی کیا ہے؟

2) ظفر اقبال کی شاعری اور سمیع آہوجا کے فکشن میں لفظی اشتقاق کی صورتوں کی نوعیتیں کیا ہیں؟ ان کے متون کے لسانی پیکر میں کیا خوش گوار اور ناہموار پہلو اجاگر ہوئے ہیں؟

3) زیر مطالعہ شعری اور نثری زبان میں لفظی اشتقاق کی زیر بحث صورتوں کے رد و قبول کے امکانات اور مظاہر کیا ہیں؟

۵۔ نظری دائرہ کار (THEORETICAL FRAMEWORK)

لفظ کی تشکیل کے پیچھے بہت سے محرکات اور عوامل ہیں جو اس کی تشکیل میں معاون ہوتے ہیں۔ یہ محرکات سماجی، تہذیبی اور تاریخی ہیں۔ انگریزی میں لفظوں کی ساخت کا مطالعہ Morphology کے تحت کیا جاتا ہے۔ اردو میں اس کے لیے صرفیات، تشکیلات اور مارفیمیات کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ لفظ کی سب سے چھوٹی اکائی کو مارفیم Morpheme کہا جاتا ہے اور اردو میں کلمہ۔ مارفیم سب سے چھوٹی اکائی، جسے مزید ٹکڑوں میں تقسیم کیا جائے تو بے معنی ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے۔ مثلاً صوفہ، کمرہ۔ ان کو مزید تقسیم کریں تو صو – فہ بے معنی الفاظ ہیں۔ مارفیم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ایک آزاد مارفیم (Free Morpheme) اور دوسرا پابند مارفیم (Bound Morpheme)۔

آزاد مارفیم وہ مارفیم ہے جو آزادانہ اور اکیلے استعمال ہو سکے، الگ پہچان رکھ سکے مثلاً تکیہ، چادر، پین وغیرہ۔

پابند مارفیم وہ مارفیم ہے جو بغیر کسی دوسرے مارفیم کے استعمال نہ ہو مثلاً روز گار = روز + گار۔ یہ مارفیم دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ لفظی اشتقاق کا عمل عام طور پر دو طریقوں سے ہوتا ہے، اشتقاقی الحاقیت (Derivational Affixation) اور دوسرا اشتقاقی صفر الحاقیت (Derivational Zero-Affixation)۔

اشتقاقی الحاقیت کے اصولوں میں لفظوں کا اشتقاق بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ لفظی اشتقاق میں کسی لفظ کے ساتھ سابقے اور لاحقے لگا کر کوئی نیا لفظ یا ترکیب بنائی جاتی ہے جن کی مدد سے زبان کے ذخیرہ الفاظ کو تقویت ملتی ہے۔ اشتقاقی الحاقیت کے چار طریقے ہیں، سابقہ، لاحقہ، وسطیہ اور ابتدائیہ انتہائیہ۔

لفظی اشتقاق کا دوسرا اہم طریقہ اشتقاقی صفر الحاقیت ہے۔ صفر الحاقیت میں لفظ کے آگے، پیچھے یا درمیان میں کسی بھی لفظ کا اضافہ نہیں کیا جاتا۔ اس طریقہ ترکیب کے ذریعے لفظ سازی کے عمل کو تقویت ملتی ہے۔

صفر الحاقیت کا عمل تحویل میں ہوتا ہے اور لفظ سازی کے مختلف طریقہ کار رائج ہیں۔ ان میں آمیختہ / ترکیبِ ملاوٹ (Blending)، ترکیبِ اختصار (Clipping) ، مخففات (Abbreviation)، مختصرات (Acronym)، منہائی (Back Formation) اور نولفظیت (Coinage) یا اختراع کرنا شامل ہے۔ زبان چونکہ خلا میں نشوونما نہیں پاتی بلکہ یہ معاشرتی تجربے سے ارتقاء پذیر ہوتی ہے۔ زبان کا ڈھانچہ خلا میں نہیں بلکہ اسی معاشرے میں جنم لیتا ہے۔ تبدیلیوں کا ملاپ زبان کی ترویج میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس میل جول میں سب سے اہم عمل مستعاریت (Borrowing) ہوتی ہے۔ الفاظ کا لین دین ہی زبانوں کے لفظی ذخیرے کو تقویت دیتا ہے اور زبان کی لفظیات کو وسعت بخشتا ہے۔ مخلوط روّیہ اردو زبان کا شروع سے ہی خاصہ رہا۔ اردو نے انگریزی، سنسکرت، فارسی، عربی اور مقامی زبانوں کے بہت سے الفاظ کا انجذاب کیا۔ اس عمل سے اردو پر منفی کی بجائے مثبت اثرات پڑے اور یوں اردو کا دامن وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ لفظی اشتقاقی الحاقیت اور صفر الحاقیت کے زاویے سے ظفر اقبال کی شاعری اور سمیع آہوجا کے افسانوں میں نئے تشکیل کردہ الفاظ کا جائزہ لیا گیا۔ نئے الفاظ کے بننے کا عمل ہمیشہ سے جاری ہے۔ اس عمل میں لکھاری اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ظفر اقبال اور سمیع آہوجا کے ہاں ہمیں نئ لفظیات کا استعمال ملتا ہے۔ نئ لفظیات کو لفظی اشتقاق کے پیمانوں اور اصولوں پر جانچا اور پرکھا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو زبان پر ان کے اثرات کا جائزہ لیا گیا۔ اس ضمن میں نظری دائرہ کار کے حوالے سے بنیادی رہنمائی گیان چند کی کتاب "عام لسانیات"، سہیل

بخاری کی کتاب "تشریحی لسانیات"، ڈاکٹر افتخار بیگ کی کتاب "لسان اور لسانیاتی مسائل و مباحث" اور جرمن ماہر لسانیات Juergen Handki کے یوٹیوب لیکچرز سے حاصل کی گئی۔

۶۔ تحقیقی طریقہ کار (RESEARCH METHODOLOGY)

توسیع زبان کا عمل تین سطحوں پر ہوتا ہے جس میں ایک عوامی سطح، دوسرا ترجمے کی سطح اور تیسرا تخلیقی ادب۔ زیر نظر تحقیق تخلیقی ادب پر توجہ کرتی ہے۔ اس لیے اس حوالے سے یہ لسانی تشکیلات کا عمل دکھاتا ہے۔ اس ضمن میں ابتدائی مطالعات کیے گئے جس کے نتیجے میں یہ معلوم ہوا کہ شاعری میں ظفر اقبال اور افسانوی نثر میں سمیع آہوجا لسانی تشکیلات کے حوالے سے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔ ظفر اقبال کی کتاب "گلافتاب" اور "رطب و یابس" سمیع آہوجا کی "متن گمشدہ" اور کشکول بدن" ابتدائی مطالعے میں پیش نظر رہیں۔ ان سے نئے الفاظ منتخب کر کے ان کی زمرہ بندی لفظی اشتقاق (Derivation) کی مختلف صورتوں کے پیش نظر کی گئی جن میں اشتقاقی الحاقیت اور اشتقاقی صفر الحاقیت شامل ہیں۔ اس کے لیے تاریخی اور دستاویزی طریقہ کار اختیار کیا گیا۔

۷۔ مجوزہ موضوع پر ما قبل تحقیق (WORKS ALREADY DONE)

مجوزہ موضوع میں ظفر اقبال کی شاعری اور سمیع آہوجا کے افسانوی مجموعے شامل ہیں۔ ان کے کام کو لفظی اشتقاق کی روشنی میں جانچا اور پرکھا گیا۔ اس سے پہلے اس کام سے قریب تر جو کام کیا گیا ہے اس کی تفصیلات نیچے دی گئی ہیں۔ ظفر اقبال کی شاعری پر بہت سے مقالہ جات لکھے گئے مگر لفظی اشتقاق کے موضوع کے تحت ان کے کام کا جائزہ نہیں لیا گیا۔ لفظی اشتقاق کے موضوع کے بارے میں ہمیں گیان چند کی کتاب "عام لسانیات"، خلیل صدیقی کی کتاب "زبان کیا ہے"، سہیل بخاری کی کتاب "لسانی مقالات" اور ڈاکٹر افتخار بیگ کی کتاب "لسان اور لسانیاتی مسائل و مباحث" بے حد اہم ہیں۔ اس موضوع میں لفظ کی ساخت کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس لیے علم الصرف کے اندر اسم، فعل، حرف اور ان کی اقسام کے تحت لفظوں میں آنے والی تبدیلیوں کا جائزہ لیا جائے گا۔ اس لیے ما قبل تحقیق میں صرف و نحو کے مقالہ جات بھی شامل کیے گئے ہیں۔

- اسماعیل گوہر، "پشتو، پنجابی اور اردو کے لسانی اشتراکات"، پی۔ ایچ۔ ڈی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۱۳ء

- قمر عباس، "اردو لسانیات میں مولوی عبد الحق کا مقام"، پی۔ ایچ۔ ڈی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۲۰۰۴ء
- نعمت الحق، "اردو لسانیات (تاریخ و تنقید کی روشنی میں)"، پی۔ ایچ۔ ڈی، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۱۹۹۵ء
- لیاقت علی چوہدری، "اقبال کی لغوی اور لسانی بحثیں"، پی۔ ایچ۔ ڈی، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، س ن
- نسیم آرا سعید، "اردو صرف و نحو کے تغیرات"، پی۔ ایچ۔ ڈی، سندھ یونیورسٹی، جامشورو، ۱۹۸۵ء
- ربانی شبیر، "اردو الفاظ کی تشکیل اصول و نظریات"، ایم۔ فل، اسکول آف لینگویجز، سنٹرل یونیورسٹی آف کشمیر، ۲۰۱۹ء
- زاہدہ سعید، "اردو مصادر کا لسانی مطالعہ"، ایم۔ فل، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، س ن
- سروش نگار ہاشمی، "اردو کی لسانی تشکیلات"، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، س ن
- منیبہ زہرا نقوی، "ظفر اقبال کی شاعری میں لسانی تجربات کا تحقیقی مطالعہ"، یونیورسٹی آف سرگودھا، س ن
- سید فضل حسین فرتاش، "بیسویں صدی میں اردو غزل، فنی وسائل کا مطالعہ"، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، س ن

۸۔ تحدید (DELIMITATION)

مجوزہ موضوع کے تحت لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں کا جائزہ ظفر اقبال کی شاعری اور سمیع آہوجا کے افسانوں میں لیا گیا۔ ظفر اقبال کی شاعری کے مجموعے "گلافتاب" اور "رطب و یابس" اس حوالے سے اہم ہیں کیونکہ ان کتابوں میں لسانی تشکیلات کا عمل ملتا ہے۔ ہمارے موضوع کے احاطہ مطالعہ میں ظفر اقبال کی کلیات "اب تک" کی پانچ جلدیں شامل ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ سمیع آہوجا کے افسانوں کی دس کتابیں شامل ہیں۔ ظفر اقبال اور سمیع آہوجا دونوں کے ہاں نئی لفظیات ملتی ہیں۔ ان دونوں کے ہاں پائی جانے والی نئی لفظیات کو لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں کے حوالے سے جانچا گیا اور توسیع زبان کے اس عمل کو اس ریسرچ کے ذریعے سامنے لایا گیا۔ زیر تشریح شعری اور افسانوی متن کے دیگر لسانی اور ادبی خصائص کا تجزیہ اس مطالعے میں شامل نہیں تھا۔ توسیع زبان کے دیگر طریقوں کو زیر تحقیق شعری اور افسانوی متون کا تجزیہ اس مطالعے میں شامل نہیں کیا گیا۔

۹۔ پس منظری مطالعہ (LITRATURE REVIEW)

زیر نظر تحقیق کا بنیادی مسئلہ توسیع زبان کے تجزیے کا ہے اس حوالے سے درج ذیل کتب پس منظری مطالعے کے لیے اہمیت کی حامل ہیں۔

- سب سے اہم کتاب گیان چند کی "عام لسانیات" ہے۔ جس میں الحاقیت (Affixation) کے حوالے سے ذکر ملتا ہے جب کہ صفر الحاقیت (Zero Affixation) کا تذکرہ اس کتاب میں نہیں پایا جاتا۔
- خلیل صدیقی کی کتاب "زبان کیا ہے؟" میں الحاقیت کے ساتھ ساتھ صفر الحاقیت کے طریقہ کار بیک فارمیشن کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔
- ڈاکٹر افتخار بیگ کی کتاب "لسان اور لسانیاتی مسائل و مباحث" میں اشتقاق کے موضوع پر ایک مضمون ملتا ہے جس میں اشتقاق اور اس کی عملی صورتوں پر بحث ملتی ہے کہ کیسے اشتقاقی عمل سے اسم کو فعل اور صفت میں تبدیل کر کے نئے الفاظ بنائے جاسکتے ہیں۔
- سہیل بخاری کی کتب، "لسانی مقالات"، "اردو کا روپ" اور "تشریحی لسانیات" میں توسیع زبان کے مختلف طریقوں پر بحث ملتی ہے۔
- لفظی اشتقاق کے موضوع کا فریم ورک جرمنی کے ماہر لسانیات Juergen Handki کے ویڈیو لیکچرز کو مدِ نظر رکھ کر بنایا گیا ہے۔ اس حوالے سے ان کا یوٹیوب چینل The Virtual Linguistics Campus اہم ہے۔
- خلیل صدیقی کی کتاب "لسانی مباحث" میں اشتقاقی طریقہ کار پر مباحث ملتے ہیں۔
- وحید الدین سلیم کی کتاب "افاداتِ سلیم" میں اشتقاقی الحاقیت کے حوالے سے سابقہ اور لاحقہ کہ بناوٹ کے طریقے ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ زبان میں وسعت کے مباحث بھی پائے جاتے ہیں۔ وحید الدین سلیم کے مطابق زبان کی حدوں کو توڑ کر باہر نکلنے سے ہی توسیعِ زبان ممکن ہے۔
- Booij G (2006), Inflection and Derivation, In : Keith Brown, (Editor in chief) Encyclopedia of Language & Linguistic , 2nd Ed. , Volume 5, page 654 - 661 , Oxford Elsevier
- علی رفاد فتیحی کی کتابیں "لفظ سازی" اور اردو لسانیات نظریاتی مباحث" میں لفظی اشتقاق، تصریف نگاری اور لفظ سازی کے مباحث کے حوالے سے اہم ہیں۔

- عصمت جاوید کی کتاب "نئی اردو قواعد" میں تصریف کے حوالے سے مباحث ملتے ہیں۔
- ابو اللیث صدیقی کی کتاب "جامع القواعد" حصہ صرف میں لفظی اشتقاق کے طریقوں پر بحث ملتی ہے۔

۱۰۔ تحقیق کی اہمیت(SIGNIFICANCE OF STUDY)

اشتقاق لفظی کا یہ عمل زبانوں کے قواعد میں معاون ہوتا ہے اور کسی بھی اسم، فعل اور جنس کی نوعیت و کیفیت کو واضح کرنے میں اشتقاق کا عمل اہم کردار ادا کرتا ہے یعنی کسی مادہ کے ساتھ اشتقاقی مارفیم کا استعمال ایک نیا لفظ تخلیق کرنے کا باعث بنتا ہے جو معنی کے اعتبار سے مادہ کو معنوی وسعت دیتا ہے۔ دنیا تغیر پذیر ہے۔ دنیا کی کوئی شے نہیں جس میں تغیر واقع نہ ہوا ہو۔ ہر زبان کی قدیم و جدید صورتیں اس بات کی شاہد ہیں۔ اردو ایک زندہ زبان ہے اور زندہ زبان کا خاصہ ہے کہ وہ بدلتی رہتی ہے اس میں نئے خیالات کے اظہار کے لیے نئے الفاظ داخل ہوتے رہتے ہیں۔ پرانے الفاظ کی جگہ نئے الفاظ لیتے جاتے ہیں۔ حالات اور ماحول کی تبدیلی سے الفاظ و تراکیب از خود بدل جاتے ہیں۔ اگر اردوئے قدیم کا زمانہ حاضرہ کی اردو سے مقابلہ اور موازنہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے۔ فارسی، عربی، سنسکرت، بھاشا اور ہندی کے بہت قدیم الفاظ اب بالکل متروک ہیں۔ دقیق لفظ، پیچیدہ ترکیبیں اور نامانوس الفاظ اب سرے سے ٹکسال سے باہر سمجھے جاتے ہیں کیونکہ اس دور جدید میں سلاست اور اختصار کی جانب لوگوں کی طبائع مائل ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد علاقائی زبانوں کے بہت سے الفاظ اردو میں داخل ہوئے جن میں زیادہ تر پنجابی، سرائیکی، سندھی اور بلوچی وغیرہ کے الفاظ شامل ہیں۔ زبان اپنے بولنے والوں سے ہے۔ اس لیے جب کسی بھی لسانی گروہ کے افراد زبان کے ذریعے اپنے مافی الضمیر کو مظہر کرتے ہیں تو زبان کا سب سے بڑا میڈیم صوتی ہوتا ہے۔ کلموں کی سطح پر ترک و قبول کا سلسلہ جاری رہتا ہے یوں زبان میں تغیرات جنم لیتے ہیں اور لسانی ارتقاء کا عمل اور تلفظ کی سطح پر وارد ہونے والی یہ تبدیلیاں زمانے کی ضرورتوں کے ساتھ زبان کو ہم آہنگ کرنے کا باعث بھی بنتی ہیں۔ اکثر ماہرین لسانیات، لسانی تغیر کو لسانی تخریب کے نام سے یاد کرتے ہیں اور لسانی ارتقاء کو لسانی انحطاط۔ ماضی کی زبانیں زیادہ پیچیدہ اور پر شکوہ تھیں۔ جدید دور میں تسہیل اللسان کا تصور اور رجحان موجود ہے۔ مگر زبان آج بھی انسان کے سماجی ارتباط کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ زیادہ بہتر ترسیل مفہوم کے لیے رائج زبان کے بجائے کسی دوسری زبان کے الفاظ مستعار لے لیے جاتے ہیں۔ نئی ایجادات کے ساتھ ایک نیا کھانچا بھی وارد ہوتا

ہے۔ نتیجتاً زبان میں ایک غیر محسوس تبدیلی واقع ہوتی ہے اوریوں زبان حیات جاوداں کے سفر کو جاری رکھتی ہے۔

ب۔ لفظ سازی اور اس کے مآخذ:

زبان کی توسیع میں لفظ نے بنیادی کردار ادا کیا ہے لفظ چاہے بولا ہوا ہو یا لکھا ہوا، ایک نسل سے دوسری نسل تک علم کی منتقلی اس ذریعے سے ہوتی رہی ہے۔ زبان کی عمارت لفظ کے ذریعے ہی وجود میں آتی ہے۔ کسی بھی زبان کو اس کے اصولوں کے اندر جکڑا نہیں جاتا ہے کیوں کہ زبان کا تعلق بولنے سے ہے اور یہ بولنے والے پر منحصر ہے کہ وہ اس کو کس طرح ادا کرتے ہیں لیکن ہر زمانے میں زبان میں نئے الفاظ شامل ہوئے ہیں۔ یہ عمل ارادتاً اور غیر ارادتاً دونوں طرح سے ہوتا ہے۔ الفاظ قوموں کے زوال ہونے کے ساتھ ساتھ متروک ہو جاتے ہیں اور نئے دور اور نئی تہذیب کے ساتھ نئے الفاظ جنم لیتے ہیں اور پرانے الفاظ تاریخ کی گرد میں گم ہو کر ایک اہم تاریخی ورثہ کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے ہیں۔ انسانوں کی طرح الفاظ پر بھی جوانی، بڑھاپا اور موت کا عمل ہوتا ہے زبانیں اکثر تہذیبی اختلاط سے پیدا ہوتی ہیں، اخذ و قبول کے ذریعے دوسری زبانوں سے اپنا رشتہ استوار کرتی ہیں اور اس طرح اپنے دامن کو وسیع سے وسیع تر بناتی ہیں۔ انگریزی ایک عالمی زبان ہے جو آج کل کے دور میں ہر زبان پر گہرے اثرات مرتب کر رہی ہے۔اسی طرح اردو پر بھی انگریزی کے گہرے اثرات ملتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان کے مختلف صوبوں کی زبانوں کے مختلف الفاظ لاشعوری طور پر اردو زبان میں داخل ہو رہے ہیں۔ جس سے چاروں صوبوں کی عوام اور زبانیں ایک دوسرے کے قریب آ رہی ہیں۔ اس طرح بولنے والوں کا پھیلاؤ، وسعتیں اور کشادگیاں لاتا ہے ضرورت زندگی، اختراعات اور استعمالات کی موجب بن جایا کرتی ہیں۔ رسم و رواج میں تبدیلیوں سے نئے نئے اندازِ فکر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ادبی تخلیقی سرگرمیاں نئے پیرائے اور نئے سلیقے پیش کرتی ہیں۔ اس طرح علمی و فنی، سماجی و تہذیبی اختلاط اور ارتباط سے ذخیرہ الفاظ میں مسلسل اضافہ ملتا ہے۔ اسی طرح کچھ حصہ معیار بندی کی نظر ہو جاتا ہے اور کچھ حصہ متروک ہو جاتا ہے۔ لفظوں کے بننے کا عمل کئی طرح سے ہوتا ہے اور اس کے مآخذ درج ذیل ہیں۔

1۔ تصریف نگاری (Inflection)

2۔ مرکب سازی (Compounding)

3۔ لفظی اشتقاق (Derivation)

تصریف نگاری (inflection)

لفظ سازی کا عمل مختلف طریقوں سے ہوتا ہے تصریف ان میں سے ایک ہے تصریفی مارفیم وہ مارفیم ہیں جس میں نئے الفاظ مادہ وسیاق سے ہی نہیں بنتے بلکہ لفظ قواعدی عمل میں اس کی مختلف شکلوں اور پہلوؤں کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں اس عمل میں لفظ کی اندرونی ساخت میں تبدیلی آتی ہے قواعدی زمرے میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کے معنوں میں فرق آتا۔ اسم اسم رہتا ہے اور فعل فعل۔ تصریفی الحاقیت کے اس عمل میں مادہ الفاظ (root words) کے ساتھ الحاقیے لگانے سے لفظ کی نئ شکلیں سامنے آتی ہیں تصریف مارفولوجی اور صرفیات کا ایک اہم حصہ ہے جس میں تصریفی الحاقیے شامل ہیں تصریفی الحاقیے پابند مارفیم (bound morpheme)سے مل کر بنتے ہیں پابند مارفیم وہ مارفیم ہیں جو اپنا کوئی با معنی وجود نہیں رکھتے۔ اور ان کو کسی بھی فقرے یا جملے میں علیحدہ استعمال نہیں کرسکتے۔ لفظ سازی کے عمل میں یہ مارفیم لغوی مارفیموں کے ساتھ مل کر اس کے معنوں میں اضافہ یا کمی کرتے ہیں۔ مادہ الفاظ کے ساتھ پابند مارفیم کے اضافے سے تصریفی الفاظ بنتے ہیں مثلاً بچہ، بچی، بچوں، بچو وغیرہ۔ یہ سب تصریفی مارفیم ہیں۔ اسے لفظ کی بیرونی پرت کہا جاتا ہے۔[1] تصریفی الحاقیے، لفظ کا مقام اور اس کی حیثیت کا تعین کرتے ہیں ڈیوڈ کرسٹل(David Crytel) تصریف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "لفظ حالت سے عام طور پر قواعد دان اسم کی اصل فارموں میں سے ایک خاص تبدیلی مراد لیتے ہیں جو جملے میں دوسرے اجزائے کلام سے اپنا رشتہ یا عمل ظاہر کرتی یہ تبدیلی تصریف(inflection) کہلاتی ہے اور جن زبانوں میں ایسا عمل ہوتا ہے اسے تصریفی زبان(inflected language)کہتے ہیں"[2]

اس ضمن میں روشل لیبر (Rochelle lieber) لکھتی ہیں:

> "Inflection refers to word formation that does not change category and does not create new lexemes, but rather changes the form of lexemes, so that they fit into grammatical contexts."3

ترجمہ: تصریف سے مراد ایسے الفاظ کی تشکیل ہے جو قواعدی زمرہ تبدیل نہیں کرتے اور نہ ہی نئے الفاظ تخلیق کرتے۔ بلکہ لغویہ کی شکل حالت کو بدل دیتے تا کہ وہ مختلف قواعدی سیاق وسباق کے لیے موزوں ہوں"

تصریف کسی لغویہ (lexeme) کی مارفیمیاتی خصوصیات کی نشاندہی کرتا ہے جس کے نتیجے میں اس لغویہ کی مختلف شکلیں بنتی ہیں تصریف صرف مارفولوجی اور صرفیات کا حصہ نہیں بلکہ نحو (syntax) میں اپنا کردار ادا کرتا ہے اس لیے اس عمل کو (morphosyntactic) کہا جاتا ہے اس بارے میں گیان چند "عام لسانیات" میں لکھتے ہیں :" حالت کی ساخت کا تعلق مارفیمیات سے ہے اور اس کی تشکیل کرنے والے چسپیے (affixes) کے ذیل میں آتے ہیں لیکن اس کی غرض وغایت کا تعلق نحو سے ہے"[4] اردو زبان میں مادہ لفظ کے ساتھ لاحقے جوڑ کر نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں یہ الحاقیت کا عمل تصریفی اور اشتقاقی دونوں صورتوں میں سے ہوتا ہے تصریفی عمل سے لفظ کی جو شکلیں بنتی ہیں اسے ایک جدول میں پیش کیا ہے۔ جو HaspelMath & Sims نے "understanding morphology" میں بیان کیا ہے۔[5]

اسم، ضمیر	فعل	صفت
تعداد (واحد / جمع)	تعداد (واحد / جمع)	تعداد (واحد / جمع)
حالت (فاعلی، مفعولی، ندائی)	ضمیر (متکلم، غائب، حاضر)	حالت (فاعلی، مفعولی، ندائی)
جنس (مذکر، مونث)	زمانہ (حال ، ماضی مستقبل)صورت (mode)	جنس (مذکر، مونث)
ضمیر (متکلم، مخاطب، غائب)	طور (Voice) (معروف، مجہول)	(تفصیل نفسی ، تفصیل بعض ، تفصیل کل)
	کیفیت (aspect) تکمیلی، ناتمامی	

تصریفی اسم (noun inflection)

اردو اسماء مصوتوں اور مصمتوں دونوں پر ختم ہوتے ہیں ان کی خصوصیات یہ ہے کہ تعداد اور حالت کے لیے تصریفی عمل دہراتے ہیں تصریفی اختتا میے تعداد کے لیے واحد جمع اور حالت کے لیے فاعلی

(direct)، غیر فاعلی (oblique) اور سمعیت / ندائی (vocative) کو ظاہر کرتے ہیں اردو زبان میں اسم عام یا تو ایک ہو گا یا ایک سے زیادہ، ایک کو واحد اور ایک سے زیادہ کو جمع کہتے ہیں تعداد کے لحاظ سے اردو میں دو طرح کے الفاظ کی جمع بنتی ہے ایک ہندی طریقہ کار کے تحت دوسرے عربی و فارسی طریقے کے تحت۔

ایسے ہندی الفاظ جن کے آخر میں الف آتا ہے وہاں لفظ کے آخر سے الف کو ہٹا کر 'ے' کا اضافہ کر دیا جاتا ہے مثلاً گھوڑا سے گھوڑے۔

اسی طرح ہندی الفاظ میں غیر فاعلی حالت میں جمع بناتے ہوئے الف کو ہٹا کر 'وں' کا اضافہ کیا جاتا ہے مثلاً لڑکا سے لڑکوں وغیرہ۔

وہ الفاظ جن کے آخر میں مصمتہ (consonant) آئے تو وہ الفاظ فاعلی حالت میں بطور جمع صیغہ استعمال نہیں ہوتے ہیں مثلاً سال بطور جمع بھی سال ہی استعمال ہوتا ہے۔

وہ الفاظ جن کے آخر میں مصمتہ آئے تو وہ الفاظ غیر فاعلی حالت میں بطور جمع کے صیغے کے طور پر استعمال ہوتے ہیں مثلاً عورت سے عورتیں۔

اردو زبان نے عربی اور فارسی زبان سے جمع کے کئی اصول مستعار لیے جو بعد میں اردو زبان کا حصہ بنے۔

اردو زبان میں لفظ کی جمع لاحقوں کی مدد سے بنانے کے بہت سے طریقے رائج ہیں اسی طرح لاحقوں کی مدد سے بہت سے الفاظ اور ان کی مختلف حالتوں کو ظاہر کیا جاتا ہے

جنس (gender)

گیان چند جنس کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں قواعدی جنس اور فطری جنس۔ فطری جنس تین طرح سے ہوتی ہے مذکر، مونث اور تیسری وہ جو نہ مذکر نہ مونث (neuter)۔ گیان چند اس لفظ کا ترجمہ نامتعلق کرتے ہیں قواعدی جنس میں جنس من مانی ہوتی ہے جیسے لفظ بلبل کو کوئی مذکر اور کوئی مونث استعمال کرتا ہے۔

اردو زبان میں فطری جنس میں جب کسی اسم کے آخر میں الف آئے تو وہ مذکر ہو گا مثلاً بکرا، لڑکا، چچا، وغیرہ۔ وہ اسم جن کے آخر میں 'ی' کا لاحقہ آتا ہے اسے مونث کہیں گے کیونکہ آخری ی (معروف) عام طور پر تانیث کی علامت ہے مثلاً بکری، لڑکی، بہری، لنگڑی وغیرہ۔

وہ مذکر مونث جو جاندار یا بے جان کے لیے استعمال ہو۔ ان اسما کی تذکرو تانیث سماعی ہوتی ہے۔ اہل زبان نے جس اسم کو مذکر باندھا وہ مذکر ہے اور جس کو مونث استعمال کیا وہ مونث سمجھا جائے گا۔

دنوں اور مہینوں کے نام مذکر ہوتے ہیں سوائے جمعرات کے فارسی زبان کے بہت سے الفاظ اردو میں داخل ہوئے جب یہ الفاظ اردو زبان میں آئے تو ان کی تذکیر و تانیث اردو ہم معنی الفاظ کے مطابق قرار دی گئی۔ شاخ کو مونث اس لیے کہا کہ ٹہنی یا ڈالی مونث بولی جاتی ہے۔

حالت (case)

یہ زمرہ صرف اسم اور اسم ضمیر پر اپلائی کیا جاتا ہے اسم صفت، متعلق فعل بھی واحد کی غیر فاعلی حالت کے طور پر نشان گر کیا جاتا ہے یہ زمرہ تعداد سے سختی سے جڑا ہوا ہے حالت (case) بہت سی زبانوں میں پائی جاتی ہے اردو میں تین حالتیں پائی جاتی ہیں۔[6]

(1) فاعلی حالت (direct)

(2) غیر فاعلی حالت (oblique)

(3) ندائی حالت (vocative)

جنس کی طرح اردو زبان میں حالتوں (cases) کی تصریفی صورتیں بھی پائی جاتی ہیں اگر کسی مذکر اسم الفاظ کے آخر میں مصمتے آئیں تو غیر فاعلی حالت میں '' وں'' کا اضافہ اور ندائی حالت میں '' و'' کا اضافہ کیا جاتا ہے مثلاً جناتوں، جناتو! وغیرہ اگر کسی مذکر اسم الفاظ کے آخر میں ''ی'' آئے تو اس کی غیر فاعلی حالت میں ''وں'' کا اضافہ اور ندائی حالت میں ''و'' کا اضافہ کیا جاتا ہے مثلاً بہشتی سے بہشتیوں، بہشتیو! وغیرہ

ضمائر (pronouns)

اسم کی طرح ضمیر بھی تصریفی کلاس میں شامل کیے جاسکتے ہیں انھیں زمروں کی بنیاد پر الگ کیا جاسکتا ہے اردو کے ضمائر تعداد، جنس اور حالت جیسے زمروں کے لیے اپنی شکلیں بدلتے ہیں اردو ضمیر میں جنس نہیں ہوتی۔ کیونکہ he,she,it کے لیے ایک ہی لفظ 'وہ' استعمال کیا جاتا ہے اس میں فرق جملے میں فعل اور صفت کے استعمال سے پتا چلتا ہے ضمیر وہ الفاظ ہیں جو اسم کی جگہ استعمال کرتے ہیں ضمیر کا فائدہ یہ کہ انہیں اسم جو پہلے آچکا ہے انہیں دہرانا نہیں پڑتا۔ ضمیر کی پانچ اقسام ہیں ضمیر شخصی، ضمیر موصولہ، ضمیر استفہامیہ، ضمیر اشارہ اور ضمیر تنکیر۔ جو ضمیر اشخاص کے لیے استعمال کی جائیں ضمیر شخصی کہلاتی ہے اس کی تین صورتیں ہیں ضمائر متکلم، ضمائر مخاطب، ضمائر غائب۔ اردو میں تعداد اور شخص کے لیے ضمائر استعمال ہوتی ہے۔ اردو میں ''تو''

کا لفظی بے تکلفی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ "تو" کا لفظ بے تکلفی اور آپ کا لفظ عزت، ادب واحترام کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

صفت (adjective)

صفت وہ الفاظ ہیں جو کسی اسم کی حالت یا کیفیت کو ظاہر کریں صفت اجزائے کلام (parts of speech) کا حصہ ہے۔ اردو میں تصریفی صفتوں کے آخر میں "الف" آتا ہے جو اس کی تعداد اور جنس کو ظاہر کرتا ہے مثلاً بڑھیا، چھوٹا، بڑا، اچھا، لمبا وغیرہ اردو میں اسماء کی طرح صفتوں کی بھی دو ہی حالتیں ہوتی ہیں فاعلی اور غیر فاعلی۔ جو اسے پراکرت سے اسی طرح ورثے میں ملی ہیں جس طرح اور زبانوں میں پہنچی ہیں۔

فعل (verb)

اردو میں افعال لفظوں کی وہ قسم ہے جس کو تصریفی زمروں یعنی تعداد (number)، جنس (gender) حالت (case)، زمانہ (tense)، کیفیت (mood) اور طور (voice) وغیرہ کے اعتبار سے الگ پہچانا جاسکتا ہے۔[7]

فعل وہ قسم ہے جس میں کسی شے کا ہونا یا کرنا ظاہر ہوتا ہے۔ ساخت کے اعتبار سے فعل کے صوت ارکان مختلف ہوتے ہیں۔ ہر فعل کی کوئی نہ کوئی صورت ہوتی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ فعل (کام) کس ڈھنگ سے ہوا۔ مثلاً بولتا، بولتی، بولتے، بولی، بولے، وغیرہ فعل میں زمانہ وقت کا اظہار یہ ہے جس میں ماضی حال اور مستقبل سے پتا چلتا ہے کہ فعل کی تکمیل ہوئی یا نہیں۔

طور (voice)

طور (voice) فعل کا رشتہ فاعل سے اور مفعول سے بناتا ہے یہ عموماً دو طرح کے ہوتے ہیں طور معروف (Active) طور مجہول (passive)۔ یہ بھی اردو انگریزی میں نحوی زمرے میں آتے ہیں۔[8]

طور معروف، میں فعل کا رشتہ فاعل کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً وہ کام کرتا ہے اس میں فاعل کے کام کا ذکر ہے. فاعل "وہ" ہے اور "کرتا" فعل ہے۔ طور مجہول میں فعل کا رشتہ مفعول کے ساتھ ہوتا ہے مثلاً کام کیا جاتا ہے۔ اس میں فاعل نہیں ہوتا اور کام کا (action) کا تعلق مفعول کے ساتھ ہوتا ہے۔

کیفیت (aspect)

اس میں کسی فعل کے مکمل ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ مکمل فعل کو تکمیلی اور نامکمل فعل کو "ناتمامی" کہا جاتا ہے۔ اردو میں جب بھی رہا، رہی، رہے وغیرہ آئیں تو فعل کا کام ابھی جاری

ہے یعنی نامکمل / ناتمامی ہے کہلائے گا اور اگر چکا، چکے، چکی ہے الفاظ آئی تو وہ فعل مکمل "تکمیلی" کہلائے گا یہ عمل تصریفی زمرے کے تحت آئے گا

صورت (mood)

فعل کی مختلف شکلوں کی قواعدی حیثیت جو بولنے والوں کے رویے کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کس خیال سے کہہ رہاہے وہ اس کا(mood) کہلاتا ہے یہ عام طور پر چار طرح کے ہوتے ہیں۔

بیانی صورت (indicative mood)

یہ ایک سادہ صورت ہے۔ اس میں فعل کی بیانی حالت کو بیان کیا جاتا ہے۔ بیان یا تو مثبت ہوتا ہے یا منفی۔ مثلاً

وہ کام کر رہا ہے	مثبت بیان
وہ کام نہیں کر رہا	منفی بیان

حکمیہ صورت(Imperative mood)

یہ حکمیہ صورت ہوتی ہے جس میں حکم، درخواست اور التجا کو ظاہر کیا جاتا ہے، اس میں فعل کے صرف بنیادی الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ کھا، جا، کر وغیرہ

دعائیہ صورت (optative mood)

دعائیہ حالت میں کسی خواہش، دعا یا بد دعا کا ذکر ہو۔ مثلاً کاش کا لفظ خواہش کو ظاہر کرتا ہے۔ اللہ کرے کا لفظ دعائیہ اور نفرت کی حالت کو ظاہر کرتا ہے۔

مصدری صورت (infinative mood)

مصدر کی پہچان یہ ہے کہ اس کے آخر میں "نا" آتا ہے۔ یہ فعل کے بنیادی الفاظ سے مل کر بنتا ہے۔ اس کا تعلق تعداد یا جنس سے نہیں ہوتا۔ مصدر فعل کے مطابق جملے میں اپنی حالت تبدیل کرتا ہے۔

زمانہ (Tense)

اردو میں قواعدی حوالے سے تین زمانے ملتے ہیں حال، ماضی اور مستقبل۔ حال میں رہا ہے رہی، رہے ہیں وغیرہ مارفیم استعمال ہوتے ہیں۔ ماضی کے لیے تھا، تھی، تھے وغیرہ کا استعمال ہوتا ہے۔ مستقبل کے لیے گا، گی، گے وغیرہ مارفیم کا استعمال ہوتا ہے۔

تصریف کا عمل اشتقاق کے عمل سے بالکل مختلف ہے اشتقاق میں نئے الفاظ بنتے ہیں اور ان کی قواعدی زمرہ بھی تبدیل ہوتا ہے اشتقاق کے عمل سے بے شمار الفاظ بنتے ہیں تصریف کے عمل میں لفظ اپنی مختلف شکلیں تبدیل کرتا ہے مگر بنیادی لفظ سے جڑا رہتا ہے نہ اس کا قواعدی زمرہ تبدیل ہوتا ہے اور نہ ہی اس کے معنوں میں کوئی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ تصریف لفظ سازی کا ایک اہم عمل ہے جو جملے کی ساخت اور بناوٹ میں اہم کردار ادا کرتے ہے اس لئے تصریف کا تعلق نحو ہے کیونکہ اس سے بننے والے الفاظ جملے کی ساخت وبناوٹ میں تبدیلیوں کا باعث بنتے ہیں تصریف کے بے شمار روپ ہیں جس کا مطالعہ ہم تصریف نگاری کے زمرے میں کرتے ہیں کیونکہ تصریف میں معنی ہمیشہ تجریدی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں اور بناوٹ کے مطابق معنی دیتا ہے اور جس ساخت میں ڈھال دو اسی معنوں میں استعمال ہوتا ہے

مرکب سازی (compounding)

لفظ صرف اشتقاق اور تصریف کے ذریعے ہی نہیں بنتے بلکہ لفظوں کی تشکیل کے اور بھی کئی طریقے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ مرکب سازی ہے۔ مرکب سازی مارفولوجی کا اہم حصّہ ہے جو لفظ سازی سے تعلق رکھتا ہے۔ لفظ سازی کا یہ عمل زبان کے پھلنے پھولنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس سے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے۔ جو لغویوں (lexemes) کو موجودہ معنوں کے ساتھ ساتھ نئے معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ ڈاکٹر نذیر احمد مرکبات کے حوالے سے رقمطراز ہیں: "مرکبات زبان کی لفظیات کا ایک ناگزیر حصہ ہوتے ہیں اس لیے کہ خیالات کی پیچیدگی اور پھیلاؤ کے موثر اظہار کے لیے مرکبات ایک اہم ترین وسیلہ ہے۔"[9] جب زبان اس قابل ہو جاتی ہے کہ اس میں سیاسی، معاشی، سائنسی و مشینی، زراعت اور میڈیا کے موضوعات کو جگہ دے دی جائے۔ تو ایسے موضوعات کے استعمال کی خاطر مرکبات کا استعمال ناگزیر ہو جاتا ہے۔ آج کل سے دور میں جب سائنس اور ٹیکنالوجی نے اتنی تیزی سے ترقی کر لی ہے کہ ہمیں مختلف زبانوں سے در آنے والے الفاظ و مرکبات استعمال کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً cheese burger, plastic card, wi-fi router وغیرہ اس کے ساتھ ساتھ ہندی، عربی اور فارسی کے الفاظ کے ساتھ مرکبات بنائے گئے جیسے دھوبی گھاٹ، شیش محل، آتش مزاج، جامع مسجد، وغیرہ۔ زبان میں مرکبات کی کوئی قید نہیں ہوتی، مرکبات کی تشکیل کا اور اس کی ضرورت کا احساس ہمیشہ رہتا ہے۔

ایک زبان اپنے وسائل کو بروئے کار لانے کے ساتھ دوسری زندہ زبانوں سے مرکبات مستعار لینے میں عار محسوس نہیں کرتی۔ نئے امور کے اظہار کے لیے اس ضرورت کو مستعاریت پوری کرتی ہے۔ تو دوسری

جانب اشتقاقیات و ترکیبات سے مدد لی جاتی ہے۔ مرکب الفاظ کے لیے نذیر احمد ملک اور علی رفاد فتیحی مرکب الفاظ کے ساتھ تراکیب لفظی کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ لفظ سازی کے عمل میں مرکب الفاظ کا استعمال بہت زیادہ کیا جاتا ہے۔ یہ ہند یورپی خاندان السنہ کی بڑی خصوصیت ہے۔ اس طریقہ کار کے تحت دو یا دو سے زائد آزاد مارفیم کی مدد سے نئے الفاظ بنتے ہیں جن میں ہر آزاد مارفیم اس مرکب کا حصّہ ہوتا ہے۔ ان آزاد مارفیموں کے ملاپ سے نیا لفظ بنتا ہے جو نئے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ سہیل بخاری مرکب کے بارے میں لکھتے ہیں: "دو مختلف الفاظ کے مجموعے کو مرکب کہتے ہیں جیسے کام چور، منھ بولا، کن کٹا، وغیرہ لیکن کبھی مرکب کے دونوں الفاظ معنی دار ہوتے ہیں اور کبھی ایک معنی دار اور دوسرا بے معنی یا مہمل ہوتا ہے۔"[10] مرکب سازی کے ضمن میں روشل لیبر (Rochelle Lieber) لکھتی ہیں:

> "Derivation is not the only way of forming new words, of course. Many Languages also form words by a process called compounding. Compounds are the words that are composed of two (or more) bases, roots or stem."[11]

> ترجمہ: "اشتقاق ہی نئے الفاظ کے بنانے کا عمل نہیں بلکہ بہت سی دوسری زبانوں میں بھی لفظوں کے بننے کا ایک طریقہ کار اور بھی ہے جو مرکب سازی یا ترکیب لفظی کہلاتا ہے۔ مرکب وہ الفاظ ہیں جو دو یا دو سے زیادہ اساس، مادہ اور ساق کے ملنے سے بنتے ہیں۔"

ڈاکٹر نذیر احمد ملک "مرکب" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "زبان میں جب دو مفرد الفاظ یا آزاد مارفیم کسی خیال کے اظہار کے لیے ایک ساتھ استعمال ہوتے ہوں تو اس کو مرکب یا مرکب لفظ کا نام دیا جاتا ہے۔ مرکب لفظ دو الفاظ پر مشتمل ہونے کے باوجود محض ایک لفظ تصور کیا جاتا ہے اور لغت میں اس کا اندراج محض ایک لفظ کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔"[12]

مرکب الفاظ دو یا دو سے زیادہ آزاد مارفیموں کا مجموعہ ہوتا ہے۔ آزاد مارفیموں کے ملاپ سے بننے والا لفظ اسم، فعل اور صفت ہو سکتا ہے۔ اس کی بناوٹ میں الفاظ کی ترتیب بے حد اہمیت کی حامل ہے۔ ترتیب کے بدلنے سے لفظ اپنا معانی کھو دیتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ لفظ پر بل (stress) دینے سے بھی لفظ کے معانی میں

تبدیلی آتی ہے۔ مثال کے طور پر green house کا مطلب ہے وہ جگہ جہاں پودے اگائے جاتے ہوں۔ اگر لفظ house اور green کو الگ کر کے لکھیں greenhouse تو اس سے مراد ایسا گھر لیا جائے گا جس پر سبز رنگ کا پینٹ کیا گیا ہے۔ ایک کا مرکب سمجھنا اور دوسرے کو مرکب نہ سمجھنا غیر منطقی بات ہے۔ عام طور پر انگریزی میں مرکبات کے دو دوسرے لفظ ، سر لفظ (headword) کہا جاتا ہے۔ اور پہلا لفظ معنی کو محدود کرنے والا (modifier) ہوتا ہے۔

مرکبات میں چاہے پہلے لفظ پر بَل (stress) دیا جائے یا دوسرے پر۔ اس بَل کی وجہ معانی میں تبدیلی سے لفظ مرکب سے فقرہ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسے لفظ ''کمزور'' کو جب ملا کر لکھا جائے تو وہ مرکب کہلائے گا اور دوسرا، کم +زور فقرہ کہلائے گا۔ سارا مسئلہ لفظ کے تلفظ کی ادائیگی کا ہے۔

لفظ مرکب کی املا کے مسائل میں عبد الستار صدیقی لکھتے ہیں:

> ''مرکب لفظ دو یا دو سے زیادہ لفظوں سے بنے ہوں۔ آپس میں ملا کر نہ لکھے جاویں۔ مرکبات میں استعمال ہونے والے الفاظ آزاد صرفیے (free morpheme) ہوتے ہیں۔ مثلاً خوب صورت، خوش مذاق، گل بدن ، دل لگی ،وغیرہ ان میں سے ہر لفظ آزادانہ استعمال ہو سکتا ہے اور الگ سے اپنے معنی رکھتا ہے۔ چنانچہ اصولی طور پر مرکبات میں لفظوں کو الگ الگ لکھنا چاہیے۔''[13]

مرکب سازی کی یہ بحث ہمیشہ متنازع رہی ہے۔ کہ لفظوں کو ملا کر لکھا جائے یا علیحدہ علیحدہ۔ عبد الستار صدیقی مرکبات کو الگ الگ لکھنے کے قائل ہیں مگر آگے جا کر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ جن الفاظ کو ملا کر لکھنے کا چلن ہے انہیں اکٹھا ہی لکھیں۔ اس کے علاوہ کہ مرکب لفظ اور فقرے کا حصّہ ہے یا صرف کا حصّہ ہے یا نحو کا۔ اکثر اوقات ان کے درمیان تمیز کرنا مشکل نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی دشواری ہو بھی جاتی ہے گیان چند ''عام لسانیات'' میں مرکب کو صرف اور نحو کی سرحد پر واقع قرار دیتے ہیں۔ انگریزی میں یہ مارفولوجی میں شامل ہوتے ہیں۔ مگر جملے یا فقرے کو الفاظ سے الگ قرار دیا جاتا ہے۔ مرکب ساخت کا جائزہ اسی طرح لے سکتے ہیں جیسے نئے اشتقاق کردہ الفاظ کا شجرہ بنا کر لیتے ہیں۔ ایسے ہی دو مارفیموں کو ملا کر نیا لفظ بنایا جا سکتا ہے۔ اگر دو لفظ اسم ہیں تو اس سے بننے والا لفظ بھی اسم ہی ہو گا۔ جیسے

چڑیا(اسم) + گھر(اسم) = چڑیا گھر(اسم)

چڑیا اور گھر دونوں اسم ہیں ان سے بننے والا لفظ چڑیا گھر بھی اسم ہے۔ لیکن ان دونوں لفظوں کے ملنے سے جو تیسرا لفظ بنا وہ معانی میں مختلف ہے۔ مرکب لفظ عام طور پر دو مادہ الفاظ سے مل کر بنتا ہے۔ مرکب سازی کو ایک تکراری عمل کہا جاتا ہے۔ اس میں دو یا دو سے زیادہ آزاد مارفیم / مادوں کا استعمال ملتا ہے۔ ایسے مرکب کو پیچیدہ مرکب کہا جاتا ہے جس میں معنوی تشریحات زیادہ سے زیادہ ہوں۔

لسانیات میں مرکب سازی کو چار خانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1) اینڈوسینٹرک مرکبات (endocentric compound)
2) ایکسوسینٹرک مرکبات (exocentric compound)
3) کوپولیٹیو مرکبات (copulative compound)
4) اپوزیشنل مرکبات (appositional compound)

اینڈوسینٹرک مرکبات

ایسا مرکب جس کا بنیادی لفظ مرکب کے اندر ہی موجود ہو۔Endoکا مطلب ہے Inside (اندر) ان مرکبات میں دوسرا لفظ سر لفظ (headword) ہوتا ہے۔ جسے خاص لفظ کا نام ڈاکٹر نذیر احمد نے دیا۔ کیونکہ سر لفظ پر ہی معانی کا انحصار ہوتا ہے۔ اور پہلا لفظ (modifier) ہوتا ہے یعنی وہ لفظ جو لفظ کے معنوی دائرے کو محدود کرے۔ اس مرکب میں پہلا لفظ صفت اور دوسرا لفظ موصوف ہے ہوتا ہے۔ یعنی صفت اور موصوف سے مل کر جو مرکب بنتا ہے وہ اینڈوسینٹرک کہلاتا ہے۔ اردو میں اس طرح کے مرکبات کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔

i. سنگ دل
ii. آزردہ دل
iii. پتھر دل
iv. نرم دل
v. فراخ دل
vi. گرم چائے
vii. شرارتی لڑکا

ان ترکیبات اور مرکبات پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ آزردہ، پتھر، سنگ، نرم، فراخ صفتوں کے ساتھ دل بطور موصوف آئے اور اس سے ان مرکبات میں واضح فرق نظر آیا۔ جیسے گرم چائے اور شرارتی لڑکا وغیرہ ان سے پتا چلا کہ دوسرا لفظ معنوی اعتبار سے پہلے لفظ سے زیادہ اہم ہے پہلا لفظ جو صفت ہے وہ دوسرے لفظ کے معانی کو محدود کر رہا ہے۔ اس طرح دل، لڑکا، چائے سر الفاظ (headwords) ہیں اور نرم، آزردہ،سنگ، فراخ،وغیرہ modifier ہیں یعنی معانی کو محدود کرنے والے۔

ایکسو سینٹرک مرکبات

ایسا مرکب جس سر لفظ (headwords) مرکب کے اندر موجود نہ ہو۔exo کے معنی ہے باہر۔ اس مرکب میں معنوی پیچیدگی پائی جاتی ہے۔ ان مرکبات میں سر لفظ (headword) نہیں پایا جاتا۔ اس لیے ان کا مرکبات کا معنوی دائرہ کار مرکب کے دونوں لفظوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اس سے لفظ کی قواعدی حیثیت میں تبدیلی آئے یا نہ آئے۔ اس کا ان مرکبات میں آنے والی تبدیلی سے کوئی تعلق نہیں ان مرکبات میں اہم چیز معنوی تبدیلی کا واقع ہونا تھا۔ جیسے مرکب لفظ ''اندھا قانون'' ہے اس کو دیکھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ صفت اور موصوف ہیں ایسا نہیں ہے اس میں دونوں لفظ مل کر ایک نیا مفہوم دیتا ہے۔ ''اندھا قانون'' کو ''لاقانونیت'' کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔

	ترکیب لفظی / مرکبات	معنی
i.	چڑیا گھر	وہ جگہ جہاں مختلف قسم کے جانور اور پرندے رہتے ہیں۔
ii.	مونگ پھلی	ایک میوے کا نام۔
iii.	اندھا کنواں	وہ کنواں جس میں پانی نہ ہو۔
iv.	آب آتش رنگ	سرخ شراب۔
v.	آسمانی گولہ	ناگہانی آفت۔

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس مرکب میں آزاد مارفیم اپنے لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوتے بلکہ ان مارفیموں کے ملاپ سے جو لفظ بنتا ہے وہ نئے امکان کو ظاہر کرتا ہے۔

کوپولیٹیو مرکبات

ان مرکبات کے دونوں اجزا نحوی اعتبار سے ہم پلہ اور مساوی ہیں۔ ان میں کوئی بھی چیز دود سرے جز کے معنوی دائرے کو محدود نہیں کرتا۔ دونوں لفظ / مارفیم یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ اس میں کوئی سر لفظ (headword) نہیں ہوتا۔

i. جب دونوں مارفیم اسماء ہوں تو ان کے مرکبات کچھ یوں ہوں گے۔

چاند سورج۔ ماں باپ۔ دن رات۔

ii. جب دونوں مارفیم افعال ہوں۔

ہنستا کھیلتا۔ اٹھنا بیٹھنا۔ ناچنا کودنا۔

iii. دونوں مارفیم صفات ہوں۔

اونچا نیچا۔ بھوکا پیاسا۔ چھوٹا بڑا۔

ان مرکبات میں دونوں لفظوں کو برابر اہمیت حاصل ہے مگر معنی کے تعین میں یہ دونوں الفاظ اپنے لغوی معانی سے قریب تر ہوتے ہیں۔ گریت بواج (Greet Booij) ان مرکبات کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "A special of compound is formed by copulative compounds. In these compounds, there is no semantic head and the relation between the constituent is a relation of coordination."[14]
>
> ترجمہ: "ایک خاص قسم کا مرکب جو کوپولیٹیو مرکب سے بنتا ہے ان مرکبات میں کوئی معنوی ہیڈ (semantic head) نہیں ہوتا۔ ان کے اجزاء کے درمیان جو تعلق ہے وہ ہم آہنگی کا ہے۔"

اس مرکب میں کوئی بھی لفظ معنوی اعتبار سے ایک دوسرے پر کوئی برتری نہیں رکھتا۔ بلکہ دونوں اجزاء یکساں اہمیت کے حامل ہیں اس لیے اس مرکب میں نہ کوئی سر لفظ (headword) ہے اور نہ ہی کوئی معنی کو محدود کرنے والا (modifier)۔"

اپوزیشنل مرکبات

مرکبات کی اس قسم میں دو متضاد صفتیں کسی موصوف کی خوبی یا خامی کو بیان کرتے ہیں جیسے پڑھا لکھا جاہل۔ اس میں پڑھا لکھا پہلا صفت اور جاہل دوسرے صفت کی متضاد خوبی کو بیان کر رہا ہے۔ اس میں سر لفظ (headword) کوئی نہیں کیونکہ دونوں لفظ یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ مثلاً

i. پڑھا لکھا جاہل

ii. سیاہ سفید

iii. اوپر تلے

iv. زندہ لاش

v. اونچ نیچ

مرکب کی ایک اور اہم قسم مصنوعی مرکب ہے۔

توضیحی / مصنوعی مرکب (synthetic compounds)

مرکبات دو لغویوں (lexemes) کی مدد سے بنتے ہیں جہاں ایک لغویہ فعل سے اخذ کیا جاتا ہے جبکہ دوسرا لغویہ اس فعل کے ہونے کی دلیل دیتا ہے۔ اس میں خاص لفظ (headword) یا تو فعل ہوتا ہے یا فعل سے لیا جاتا ہے۔ اس میں لفظی اشتقاق (derivation) کے عمل سے فعل سے جو لفظ الحاقیت کے ذریعے بنایا جاتا ہے کو استعمال کرتے ہیں جیسے 'ٹرک ڈرائیور'۔ اس میں ڈرائیور کو الحاقیت کے ذریعے بنایا گیا ہے جبکہ اس کا مادہ لفظ drive ہے جو کہ فعل ہے۔ مثالیں دیکھیے

i. روزہ کشائی

ii. پھل فروشی

iii. مردم شماری

iv. خاکہ نگاری

v. گھڑسواری

vi. تیر اندازی

vii. کتب بینی

viii. منصوبہ بندی

ix. بردہ فروشی

x. ذخیرہ اندوزی

اردو زبان میں مرکب بہت سے طریقوں سے بنائے جاتے ہیں جو عربی زبان کی گرامر سے لیے گئے ہیں۔ جدید لسانیات میں ان مرکبات سے کوئی مفید مطلب نہیں کیونکہ جدید لسانیات میں ساخت اور ہیت

کے اعتبار سے قسمیں پائی جاتی ہیں۔ جبکہ ہمارے ہاں معنی کے اعتبار سے الگ کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ ہمارے موضوع سے باہر ہے۔ انگریزی زبان میں بَل (stress) کی بہت اہمیت ہے۔ بَل کی بنیاد پر لفظ کو مرکب اور فقرہ سے الگ کیا جاتا ہے۔ جیسے پیچھے گرین ہاؤس اور کمزور کی مثالیں دی گئیں ہیں۔ مرکب کے اجزاء تصریفی (inflectional)اور اشتقاقی (derivational) دونوں ہوتے ہیں۔ مگر مرکب میں تصریفی اجزا اشتقاقی اجزا کی نسبت کم پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح مرکب کے اجزاء ناقابل تقسیم ہوتے ہیں۔ ان کے اجزاء کی ترتیب کو آگے پیچھے نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی اس میں کسی جز کا اضافہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی کوئی جز الگ کیا جاسکتا ہے۔ مرکبات میں شامل دو الفاظ کے دومیان قواعد یا گرامر کے لحاظ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہ مرکبات کبھی اسم فاعل، کبھی اسم مفعول اور کبھی اسم صفت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ مرکب سازی اشتقاق کا ایک طریقہ ہے جس کے ذریعے زبان میں توسیع ہوتی ہے۔

ج۔ لفظی اشتقاق: مفہوم اور صورتیں

مارفیمیات، توضیحی لسانیات کی ایک ذیلی شاخ ہے جس میں کسی بھی زبان کے بننے کے عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ اس عمل میں الفاظ کی تشکیل کیسے ہوتی ہے اور نئے بننے والے الفاظ کی ساخت و بناوٹ کا جائزہ قواعدی تبدیلیوں کی روشنی میں لیا جاتا ہے۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ مارفولوجی میں چھوٹی سے چھوٹی بامعنی لسانی اکائیوں کا مطالعہ ہوتا ہے۔ ان بامعنی اکائیوں کا مطالعہ ''لفظ'' کی سطح پر کیا جاتا ہے۔[15] مارفولوجی کی اصطلاح ایک جرمن شاعر، ناول نگار، ڈراما نگار اور فلاسفر جان وولف گنگ گویتھ (Johann Wolfgang Von Goethe) نے (1749-1832) میں دی۔ morph کا مطلب (form) شکل و صورت کے ہیں۔ اور مارفولوجی کا مطلب کسی نوعیت یا کیفیت یا صورت کا مطالعہ کرنا ہے۔ یہ اصطلاح بائیولوجی سے لی گئی ہے۔ لسانیات میں مارفولوجی وہ ذہنی نظام ہے جو لفظ کے بننے کے عمل میں شامل ہوتا ہے۔ لسانیات کی یہ شاخ لفظ کی بیرونی اور اندرونی ساخت کا مطالعہ کرتی ہے یعنی لفظ کی بناوٹ اور اس کے ساتھ لفظ کی معنوی نوعیت اور اس معنوی نوعیت میں وارد ہونے والی ہلکی سی تبدیلی کا مطالعہ مارفالوجی کا منتہا ہے۔ اس لحاظ سے یہ لفظ کو سائنسی طور پر جانچنے اور پرکھنے کا علم ہے۔ اصطلاحاً مارفولوجی کے لئے بنیادی لفظ مارفیم ہے۔ مارفیم کو لفظ کی سب سے چھوٹی اکائی کہا جاتا ہے۔ جس میں ہیت اور موضوع کے بیچ ایک رشتہ ہو۔ مارفیم چھوٹے سے چھوٹا بامعنی جزو ہے[16] لفظ مارفیم سے مل کر بنتے ہیں۔ اس حوالے سے Donna Lardiere لکھتے ہیں:

"Morphemes are the smallest units of language that combine both a form (the way they sound) and a meaning (what they mean)."[17]

ترجمہ: "مارفیم زبان کی اقل اکائی ہے جو شکل (تلفظ ادائیگی کے انداز) اور معنی کو جوڑتی ہے۔"

Haspelmath & Sims کے مطابق: " ایسا لفظ جو با معنی ہو اور شناخت رکھتا ہو اس کی اقل اکائی مارفیم کہلاتی ہے۔"[18] ماہرین لسانیات نے مارفیم کو لفظ کہا جو با معنی ہو، چھوٹا ہو اور اپنی پہچان بھی رکھتا ہو۔ اس لیے ایسے تمام الفاظ جو مزید تقسیم نہ ہو سکیں مارفیم کہلاتے ہیں کیونکہ لفظ کی ساخت کی بنیادی اکائی مارفیم ہے۔ مارفیم کو دو گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1) آزاد مارفیم (free morpheme)

2) پابند مارفیم (bound morpheme)

آزاد مارفیم سے مراد وہ مارفیم ہیں جو با معنی ہوں اور اپنی پہچان رکھتے ہوں ۔ آزادانہ اور اکیلے استعمال ہو سکیں مثلاً قلم، میز، کتاب، کرسی، وغیرہ۔ ان کو اگر مزید حصوں میں تقسیم کیا جائے تو ان کے معنی نابود ہو جائیں گے۔ پابند مارفیم وہ مارفیم ہیں جس کے اپنے تو کوئی معانی نہ ہوں۔ مگر آزاد مارفیم کے ساتھ مل کر معانی دے۔ جیسے لفظ "وراث" ایک آزاد اور با معنی لفظ ہے اس کے ساتھ اگر "لا" کا اضافہ کیا جائے تو "لا" پابند مارفیم ہے اس کے اضافے سے لفظ وارث اپنے منفی معنوں میں استعمال ہو گا۔ پابند مارفیم کو لغوی مارفیموں کے ملاپ سے بنیادی طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1) لفظی اشتقاق

2) تصریف نگاری

لسانیات کی اصطلاح میں لفظ (derivation) اردو لفظ اشتقاق کے مترادف استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا اصل مادہ فعل ہے derivation کا معنی ہے حاصل کرنا، نکلنا، کھول کر نکالنا، وغیرہ۔ بطور اصطلاح لفظی اشتقاق کا مطلب ہے کہ اصل لفظ سے تبدیل ہو کر دوسرا لفظ کیسے بنتا ہے۔ اردو میں اس کے لیے اشتقاق کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مجوزہ مقالہ میں اس کے لیے لفظی اشتقاق کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس میں لفظوں کی ساخت اور اس میں ہونے والی تبدیلیوں کے حوالے سے بحث کی جاتی ہے۔ علم

الاشتقاق کا لفظ (etymology) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس اصطلاح کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس حوالے سے ڈاکٹر افتخار بیگ لکھتے ہیں:

> "اشتقاق کا لفظ مشتق سے اخذ شدہ ہے۔ شق کرنا یا شق ہونا کے معنی ہیں۔ کھولنا، پھاڑنا، چیرنا، یعنی اشتقاق کی اصطلاح اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ کوئی ایک لفظ تحریر یا تقریر میں کس کس طرح استعمال ہوتا ہے اور ایک لفظ کے ساتھ بطور الحاقیہ (affix) دوسرا حرف / مارفیم آتا ہے۔ تو لفظ کا معنی و مفہوم نئی صورت کیونکر اختیار کرلیتا ہے۔"[19]

ڈاکٹر عبدالسّلام عمومی لسانیات' میں لفظی اشتقاق (derivation) کے بارے میں لکھتے ہیں:"
اشتقاق (derivation) اس عمل کو کہتے ہیں جس کی بنا پر وجود میں آنے والے لفظ کا تعلق اس بات سے ہوتا ہے کہ وہ کس لفظی گروہ (word class) میں شامل ہوگا۔"[20]

ایروناف اور فیوڈمین (Aronoff & Fudeman) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

"A process in word formation through affixation which result new Lexeme is called derivation"[21]

ترجمہ: "الحاقیت کے ذریعے لفظوں کے بننے کا عمل ہے جس کے نتیجے میں نئے لغویے بنیں اشتقاق (derivation) کہلاتا ہے۔"

ان تعریفوں کی روشنی میں دیکھیں تو یہ بات سامنے آتی ہے۔ کہ یہ عمل جدید لسانیات کا اہم حصّہ ہے۔ لفظی اشتقاق میں پرانے اور موجود الفاظ سے نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ لفظی اشتقاق کا بنیادی عمل زبان کے استعمال کرنے والوں کو نئے لغویے (lexemes) بنانے کے قابل بناتا ہے۔ لغویے کا تعلق لغوی زمرہ سے ہوتا ہے۔ ایک ساق اور مادہ لفظ سے دوسرا ساق اور مادہ لفظ وجود میں آتا ہے۔ اس عمل میں بنیادی / مادہ الفاظ کے ساتھ سابقے لاحقے اور وسطیے کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں عام طور پر نہ صرف لفظ کا قواعدی زمرہ تبدیل ہو جاتا ہے بلکہ لفظ میں معنوی تبدیلی بھی رونما ہوتی ہے۔ عموماً ایسے بھی ہوتا ہے کہ لفظ میں معنوں کے ساتھ ساتھ قواعدی تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی قواعدی زمرہ تبدیل نہیں ہوتا تاہم معنی میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے اس حوالے سے ڈاکٹر عبدالسلام اس اشتقاق عمل کے دو زمرے بناتے ہیں۔

1) نوع بر قرار (class-maintaining)

2) نوع بدل (class-changing)

جب اشتقاقی الحاقیے کے اضافہ کے بعد اگر لفظ اپنا قواعدی زمرہ تبدیل نہ کرے تو اسے نوع بر قرار کہیں گے اور اگر الحاقیے کے اضافے کے بعد اپنا قواعدی زمرہ تبدیل کرے تو اسے نوع بدل کہیں گے۔ خلیل صدیقی "لسانی مباحث" میں لکھتے ہیں:

> "مشتق کلمہ، اصل کلمے سے بھی ہو سکتا ہے اور زمرہ تبدیل بھی کر سکتا ہے مثلاً اشتقاقی لاحقہ "یت" مشتق کلمے کا زمرہ تبدیل نہیں کرتا۔ قوم سے قومیت، انسان سے انسانیت مشتق ہیں۔ ان کا زمرہ وہی ہے جو "قوم" یا "انسان" کا ہے یعنی اسم۔ اشتقاقی لاحقہ بھی مشتق کلمے کا زمرہ بدل دیتا ہے۔ بھلائی، برائی، بڑائی، لمبائی، وغیرہ اسم بن گئے ہیں جبکہ مادے صفت تھے۔"[22]

اسی طرح لفظ "بو" جو کہ اسم ہے اس کے ساتھ خوش کا سابقہ لگانے سے خوشبو بنا جو کہ اسم ہے اور جب 'خوشبو' کے ساتھ دار کا لاحقہ لگانے سے اسم صفت میں تبدیل ہو گیا۔ اس طرح "بو" سے 'خوشبو' اسم سے اسم بنا جس میں اس کی نوع بر قرار رہی اور خوش بودار میں اسم سے صفت میں تبدیلی واقع ہوئی۔ اس طرح لفظ کے قواعدی زمرہ میں تبدیلی واقع ہوئی اسے ہم "نوع بدل" کہیں گے۔ اس سے یہ بات سامنے آئی کہ ایک ہی لفظ میں دونوں طرح کا اشتقاق بھی موجود ہو سکتا ہے۔ یعنی بیک وقت "نوع بدل" بھی اور "نوع بر قرار" بھی، تاہم ایسا کم پایا جاتا ہے۔ زیادہ تر اس عمل کے ذریعے بننے والے عمل میں قواعدی زمرہ اور معنی دونوں میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔

لفظی اشتقاق کے عمل میں لغویے کا تعلق لغوی زمرہ سے ہوتا ہے جو کہ اسم، فعل، صفت اور متعلق فعل ہوتے ہیں۔ انگریزی میں اسے (NAVA) لفظ کہتے ہیں یعنی Noun, Adjective, Verb, Adverb۔ لفظ کو عام طور پر دو لغوی گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1) آزاد کلاس (open class)

2) بند کلاس (closed class)

عام طور پر زبانون میں اسم، صفت، متعلق فعل اور فعل کا تعلق آزاد کلاس (open class) میں ہوتا ہے۔ اس میں نئے لفظ بنتے ہیں۔ قواعدی زمرے میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ کہ لغویے ہوتے ہیں۔ اس

کے برعکس (closed class) میں نئے الفاظ نہیں بنتے اور نہ ہی قواعدی زمرہ میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اس میں امدادی فعل، جنس، حالت، زمانہ، وغیرہ شامل ہوتے ہیں۔ آزاد کلاس میں اشتقاقی اور بند کلاس میں تصریفی عمل پایا جاتا ہے۔

جب اشتقاق کے عمل سے نیا لفظ بنتا ہے تو اس کے ساتھ تصریفی لاحقہ لگا کر ایک اور لفظ بنایا جاتا ہے۔ مثلاً لفظ "کام یاب" میں "یاب" ایک اشتقاقی لاحقہ ہے اس میں ایک اور لاحقے کی گنجائش باقی ہے مثلاً "اں" کا لاحقہ لگا کر "کامیابیاں" بنالیا گیا۔ اب اس لفظ میں کسی مزید لفظ بنانے کی گنجائش نہیں۔ "اں" جمع کا لاحقہ ہے۔ جو تصریف کی مثال ہے۔ اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ایک مادہ لفظ "کام" سے نیا لفظ "کامیاب" بنا۔ مادہ لفظ سے نیا مادہ لفظ جو کہ ایک اشتقاقی عمل ہے "کامیاب" سے "کامیابیاں" لفظ بنا جو کہ ایک تصریفی عمل ہے اس سے نیا مادہ لفظ نہیں بنا۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ اشتقاقی مارفیم غیر قواعدی (non-grammatical) ہوتے اور تصریفی مارفیم قواعدی (grammatical) ہوتے ہیں۔ اردو زبان کی ساخت کے حوالے سے ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں:

> "اردو اپنی ساخت کے اعتبار سے دنیا کی زبانوں کے اس خاندان سے تعلق رکھتی ہے جس کو ترکیبی یا (amalgamative) قسم کہا جاتا ہے۔ اس قسم کی زبانوں میں سب سے نمایاں خصوصیت اشتقاق ہے یعنی ایک لفظ سے دوسرا لفظ بننا۔"[23]

اشتقاق کے عمل میں ایک لفظ سے دوسرا لفظ نہیں ایک مادہ لفظ سے دوسرا مادہ لفظ تخلیق پاتا ہے اور پھر تصریف کے ذریعے لفظ کی مختلف حالتوں کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ جو کہ نحو کا حصّہ ہے۔ تصریف کے ذریعے بننے والی حالتیں جملے کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اشتقاق اور تصریف مارفولوجی کا حصّہ ہیں۔ کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں اور یہ لفظوں کے بننے کا ایک عمل ہے۔ اشتقاق کا عمل اختیاری ہے جبکہ تصریف کا عمل لازمی کیفیت (obligatory) ہے لازمی کیفیت جس میں لفظ کی جنس، عدد، حالت، زمانہ کو واضح کرنا ہوتا ہے اس لیے تصریف کے روپ لامحدود اور اشتقاق کا عمل محدود ہوتا ہے۔ مثلاً اگر لفظ "اچھا" سے نیا اشتقاقی لفظ "اچھائی" بنتا ہے تو اس طرح یہ ایک نیا لفظ بنا جب کہ تصریف کے عمل میں اچھائیوں، اچھائیاں بنے۔ اس لیے اشتقاق کی نسبت تصریف میں زیادہ الفاظ بنتے ہیں۔

اشتقاق کا عمل دو طرح سے ہوتا ہے ایک اس کی خصوصیات کا عمل دوسرا اس عمل کا جائزہ لینا جس کے ذریعے لفظ میں قواعدی اور معنوی تبدیلی کا واقع ہوتی ہے۔ یہ عمل مختلف طریقوں (patterns) سے ہوتا ہے کبھی اسم سے صفت کا بننا اور کبھی فعل کا بننا وغیرہ۔

اسم بننے کا اشتقاقی عمل (derived nouns)

اس زمرے میں صفت سے اسم میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ عربی و فارسی کے اصولوں کے تحت صفت کو اسم میں تبدیلی "گی" کا اضافہ کر کے آتی ہے۔

دیوان + گی = دیوانگی

"ہٹ" کا لاحقہ لگا کر صفت سے اسم بنائے جاتے ہیں۔

پیلا + ہٹ = پیلاہٹ

"س" کا لاحقہ لگا کر بھی اسم بنائے جاتے ہیں۔

کٹھا + س = کٹھاس

فعل کے ساتھ 'ائی' کا لاحقہ لگا کر اسم بنائے جاتے ہیں۔

سلا + ائی = سلائی

"وا" کا لاحقہ فعل کے ساتھ لگا کر اسم بنتا ہے۔

پہنا + وا = پہناوا

صفت کے ساتھ "ی" لگانے سے اسم بن جاتا ہے۔

سرد + ی = سردی

اسم سے اسم بنانے کا عمل آزاد مارفیم کے ساتھ مختلف لاحقے لگانے سے بنتا ہے۔

اسم کے ساتھ "بند" لگانے سے اسم بنتا ہے۔

گلو + بند = گلوبند

اسم سے صفت میں بدلنے کا اشتقاقی عمل (derived Adjectives)

اسم صفت میں تبدیلی "ی" کا اضافہ کرنے سے ہوتی ہے۔

پاکستان + ی = پاکستانی

کسی بھی آزاد مارفیم اسم کے ساتھ جب 'ا' کا اضافہ کیا جائے تو وہ صفت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

سوکھ + ا = سوکھا

اسی طرح اسم کی صفت میں تبدیلی "ناک" اور "اک" کا لاحقہ لگانے سے ہوتی ہے۔

افسوس + ناک = افسوسناک

تیر + اک = تیراک

اسم سے اسم فاعل بنانا

چی، بان، باز، فروش، وغیرہ کسی اسم کے ساتھ لگانے کے اسم فاعل بن جاتے ہیں۔

خزان + چی = خزانچی

سبزی + فروش = سبزی فروش

دغا + باز = دغاباز

متعلق فعل سے صفت میں تبدیلی

جب کسی متعلق فعل کے ساتھ "لا"، "لی" کا لاحقہ لگایا جائے تو وہ صفت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

شرمی + لا = شرمیلا

شرمی + لی = شرمیلی

اوّل الذکر لفظ مذکر اور آخر الذکر لفظ مونث کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

فعل سے صفت میں تبدیلی

فعل الفاظ کے ساتھ "اونا" اور "اونی" کا لاحقہ لگانے سے صفت میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

ڈر + اونا = ڈراونا

ڈر + اونی = ڈراونی

اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں اشتقاقی اور تصریفی الفاظ دونوں مادہ الفاظ سے بنتے ہیں۔ اشتقاق کا عمل ہمیشہ مادہ الفاظ اور تصریف کے درمیان آتا ہے۔ لفظی اشتقاق کی عام طور پر دو صورتیں سامنے آتی ہیں۔

1) اشتقاقی الحاقیت(Derivational Affixation)

2) اشتقاقی صفر الحاقیت(Derivational Zero-Affixation)

اشتقاق الحاقیت کے اصولوں میں لفظوں کا اشتقاق بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ لفظی اشتقاق میں کسی لفظ کے آگے، پیچھے اور درمیان میں کوئی لفظ یا حرف لگا کر نیا لغویہ بنایا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار کے تحت زبان کے ذخیرہ الفاظ کو تقویت ملتی ہے۔ اشتقاقی الحاقیت کے چار طریقے ہیں۔

1) سابقہ (prefix)

2) لاحقہ (suffix)

3) وسطیہ (infix)

4) ابتدائیہ انتہائیہ (circumfix)

لفظی اشتقاق کا دوسرا اہم طریقہ اشتقاقی صفر الحاقیت ہے۔ صفر الحاقیت میں لفظ کے آگے، پیچھے اور درمیان میں کسی لفظ کا اضافہ نہیں کیا جاتا۔ صفر الحاقیت کا عمل تحویل (Conversion) میں ہوتا ہے اس کے ساتھ ساتھ لفظ سازی کا عمل درج ذیل طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

1) آمیختہ / ترکیب ملاوٹ (blending)

2) ترکیب اختصار (clipping)

3) مخففات (acronym)

4) مختصرات (abbreviation)

5) منہائی (back formation)

6) نولفظیت (coinage)

ان تمام صورتوں کی تفصیل آئندہ آنے والے ابواب میں لکھی جائے گی۔

د۔ اردو میں لسانی تشکیلات اور توسیع زبان

زبان ایک سماجی ورثہ ہے۔ اس میں توسیع کا عمل اس کی پیدائش کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ زبان میں آنے والی تبدیلی وقت اور جگہ کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی جاتی ہے۔ زبان میں تبدیلی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسے انسان استعمال کرتا ہے نہ کہ مشین۔ اس میں اخذ و قبول کی صلاحیت پائی جاتی ہے۔ زبان میں پائے جانے والے تغیرات خواہ وہ کسی بھی نوعیت کے کیوں نہ ہوں کسی نہ کسی طرح فرد کی بدولت ہی رونما ہوتے ہیں۔ زبان میں اخذ و قبول کی صلاحیت پائی جاتی ہے وہیں اس کے ترک ہونے کا سلسلہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ جن

زبانوں میں یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے وہ زبانیں وقت کے ساتھ ختم ہو جاتی ہیں۔ زبان میں ہونے والی تبدیلیاں غیر شعوری اور غیر محسوس طریقے سے ہوتی ہیں کیوں کہ بولنے والوں کو اس میں در آنے والی تبدیلیوں کا اندازہ نہیں ہوتا۔ آج سے سو سال قبل کی اردو کا اگر ہم جائزہ لیں تو اس میں عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت، ہندی کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کے الفاظ کی شمولیت کا سلسلہ شروع ہوتا نظر آئے گا۔ چاہے کسی نے ان کو طنزیہ انداز میں اختیار کیا یا کسی نے انگریزوں کی محبت میں۔ اسی طرح مزید سو سال پیچھے جائیں تو ہمیں فارسی الفاظ کی بہتات اردو میں نظر آئے گی اس سے مزید پیچھے جائیں تو عربی اور دکنی الفاظ کی بھرمار اردو میں ملے گی۔ اس سب سے یہ بات تو کھل کر سامنے آگئی ہے کہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ دنیا میں ہمیشہ جو طاقت ور ہو گا اس کی زبان زیادہ ترقی کرے گی۔ اس لیے ہمارے دور میں انگریزی طاقت ور طبقے کی زبان ہے۔ اس لیے اردو پر انگریزی کے اثرات وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ بہت سے علمائے لسان اس بحث میں پڑے ہیں کہ اردو کا لب و لہجہ تبدیل ہو کر رہ گیا ہے۔ اردو زبان کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہی ہے کہ اس میں قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اس عمل کے تحت نت نئے الفاظ زبان میں شامل ہو رہے ہیں۔ زبان میں توسیع کا یہ عمل تین طرح سے ہوتا ہے۔ پہلا عوامی سطح پر دوسرا ترجمے کی سطح پر اور تیسرا اعلی سطح پر۔

عوامی سطح پر بنائے جانے والے الفاظ کے بنانے والے کا پتا نہیں چلتا کہ سب سے پہلے اس کو کس نے استعمال کیا۔ عام طور پر بہت سے الفاظ عوامی سطح پر بنتے اور بگڑتے رہتے ہیں۔ کوئی بھی شخص شعوری طور پر یہ کوشش نہیں کرتا کہ وہ زبان میں اضافہ کر رہا ہے وہ تو سب ہنگامی صورت حال یا ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زبان کے مطلوبہ سرمائے میں کمی کو محسوس کر رہا ہوتا ہے کیونکہ موجودہ لفظی سرمائے سے اس کی غرض پوری نہیں ہو رہی ہوتی۔ اس لیے وہ ضرورت کے مطابق نئے لفظ بنائے یا کسی دوسری زبان کا لفظ استعمال کرے ورنہ اسے ترجمے کی ضرورت پیش آئے گی۔ جب وہ لفظ گھڑ لیتا ہے تو سامع بھی اس کا وہی مفہوم مراد لیتا ہے جو مقصود ہو۔ اور حسب ضرورت اسے استعمال کرتا ہے اسی طرح آہستہ آہستہ اس لفظ کا چلن عام ہو جاتا ہے اور پھر نہ یاد ہی نہیں رہتا کہ اس لفظ کو کس نے پہلی بار استعمال کیا۔ اگر جنم لیا ہوا نیا لفظ ابلاغ کا حق ادا نہیں کرتا تو پیدا ہوتے ہی اس لفظ کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ زبان کسی کی انفرادی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک تہذیبی ورثہ ہے زبان اپنے ارتقا کے ہر دور میں انسانی مقصد و ارادہ سے آزاد رہی ہے۔ زبان جامد نہیں رہ سکتی، بدلتے ہوئے حالات، نئے تقاضوں، ذہنی و ثقافتی ارتقا کے ساتھ ساتھ اس میں تبدیلیاں بھی ناگزیر ہیں۔ یہ تبدیلیاں لسانی سرمائے میں اضافہ کرتی ہیں اور زبان کو ارتقا کی منزلیں طے کرواتی ہیں۔ مثلاً مختلف علاقوں کے

رہنے والے جب کسی بڑے شہر منتقل ہوتے ہیں تو ان کی زبان اور کلچر مختلف ہوتے ہیں ایسے میں قومی زبان ان کے درمیان رابطے کی زبان ہوتی ہے۔ ایسے میں وہ قومی کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کے کچھ الفاظ اپنے بولنے میں استعمال کرتے ہیں۔ بعد میں ان الفاظ کو ہمارے ادیب و شاعر اپنی تخلیقات میں استعمال کرتے ہیں۔ یوں لفظ عوامی سطح سے علمی سطح کا سفر طے کرتا ہے۔ محی الدین قادری زور "ہندوستانی لسانیات" میں لکھتے ہیں:

"زبانوں کی ارادی تشکیل عموماً دو ذریعوں سے عمل میں آتی ہے۔ ایک ذریعہ عوام کا ہے اور دوسرا عالموں اور انشاپردازوں کا۔ عوام زبان کی تخلیق یا تشکیل میں در اصل اپنی مرضی یا ارادہ سے حصّہ نہیں لیتے حالات و واقعات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں۔"[24]

محمد باقر حسین "اردو زبان کی توسیع" کے مذاکرے میں کہتے ہیں کہ: "اگر ہم تاریخ عالم پر نظر ڈالیں تو معلوم ہو گا کہ تمدن اور زبان کا ارتقا ہمیشہ ساتھ ساتھ ہوتا رہا ہے ادھر تمدن میں کوئی ترقی ہوئی۔ ادھر زبان میں اضافہ ہوا۔"[25] زبان تغیر پذیر شے ہے اس میں دوسری زبانوں سے لفظوں کو اپنانے کا عمل شعوری اور غیر شعوری طور پر چلتا رہتا ہے۔ اس عمل کو مستعاریت (Borrowing) کا عمل کہتے ہیں۔ چاہے یہ عالمی سطح پر ہو یا علاقائی سطح پر۔ آج سے پچاس سال پہلے انٹرنیٹ کے ذریعے گلوبل ویلیج بننے کے کسی امکان کے بارے میں سوچا بھی نہیں جاسکتا ہے۔

سائنس کی ترقی کی بدولت بھی نئے نئے الفاظ دنیا کی لغات میں شامل ہورہے ہیں۔ دوسری زبانوں سے ان لفظوں کو اپنانے کا عمل شعوری اور غیر شعوری طور پر چلا جارہا ہے۔ مستعاریت کا عمل معاشی اور معاشرتی عوامل کی بدولت وقوع پذیر ہوتا ہے۔ نئی نئی ایجادات کی بدولت الفاظ وتراکیب وجود میں آتے ہیں۔ ان ایجادات کی بدولت مختلف زبانوں کے الفاظ زبان میں خود بخود چلے آتے ہیں۔ اگر کوئی چیز امریکہ یا جاپان میں ایجاد ہوتی ہے۔ تو اس شے کا نام بھی انہی زبانوں کا کوئی لفظ ہو گا۔ اس لیے اس زبان کا لفظ تمام زبانوں میں شامل ہو جائے گا۔ اس طرح تصرفات کا عمل تیز سے تیز تر ہوتا جارہا ہے۔ بقول مولوی عبدالحق:

"زبان نہ کسی کی ایجاد ہوتی ہے اور نہ اسے کوئی ایجاد کر سکتا ہے۔ جس اصول پر بیج سے کونپل پھوٹتی، پتے نکلتے، شاخیں پھیلتی اور پھل پھول لگتے ہیں۔ اور ایک دن ننھا سا پودا تناور درخت بن جاتا ہے۔ اسی اصول کے مطابق زبان پیدا ہوتی ہے۔ بڑھتی اور پھلتی پھولتی ہے۔"[26]

لفظ سازی میں زیادہ تر لفظ کو پرانے مادے کی بنا پر بنایا جاتا ہے۔ زبانوں کی تاریخ میں ایسی مثالیں کم ہیں جب بالکل نئے سرے سے الفاظ گھڑ لیے گئے ہوں۔

جو زبانیں ان مراحل سے گزرنا بند کر دیتی ہیں ان میں اخذ و قبول کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہیں تو مردہ کہلاتی ہیں۔ جیسے عبرانی اور سنسکرت وغیرہ زبانیں جو بڑی اور اہم زبانیں تھیں اور علمی سطح پر رائج تھیں۔ آج بولی نہیں جاتی۔ علمی سطح پر بعض ادباء و شعراء کے ہاں متروک الفاظ کا استعمال ہوتا ہے۔ کہ دراصل علمی سطح پر لفظوں کا استعمال ان الفاظ کو زندگی بخشتا ہے۔ اس طرح علمی ذخیرے میں اضافے کا باعث بنتا ہے۔ علمی سطح پر جہاں لفظ کو ان کے امکانی اور استعاراتی معنوں میں استعمال کر کے نئے نئے مفاہیم بخشا جاتا ہے۔ وہیں علمی ذخائر میں اضافہ ہوتا ہے۔

زبان کی توسیع کا تیسرا اور اہم عمل ترجمے کا ہے جب مترجم دوسری زبان کے فن پارے کو سورس لینگویج (source language) سے ٹارگٹ لینگویج (target language) میں تبدیل کرتا ہے۔ تو اسے بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسے اپنی زبان میں بہت سے الفاظ، محاورات، تراکیب اور اصطلاحات کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے میں اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے وہ دو کاموں میں سے ایک کام کرتا ہے اور کبھی بوقت ضرورت دونوں کا استعمال کرتا ہے۔ ایک لون ورڈز (loan words) یعنی جس زبان سے وہ ترجمہ کر رہا ہے اس کے لفظ کو ہوبہو اپنی زبان میں لکھ کر شامل کر دے اور دوسرا طریقہ لون ٹرانسلیشن (loan translation) کا ہے۔ اس لفظ کا اپنی زبان میں ترجمہ کر دے۔ ترجمہ کے ذریعے زبان کی اعتبار سے پھلتی پھولتی ہے۔ نئے الفاظ اور استعارے جنم لیتے ہیں، نئے محاورے اور نئے محاکات کے جنم سے نئے علوم و فنون سے آشنائی ہوتی ہے۔ اردو میں لفظ کی شمولیت کے حوالے سے انشا اللہ خان "دریائے لطافت" میں لکھتے ہیں:

> "جاننا چاہتے کہ جو لفظ اردو میں آیا وہ اردو ہو گیا۔ خواہ وہ لفظ عربی ہو یا فارسی، ترکی ہو یا سریانی، پنجابی ہو یا یورپی۔ اصل کی رو سے غلط ہو یا صحیح۔ وہ لفظ اردو کا لفظ ہے اگر اصل کے مطابق مستعمل ہے تو بھی صحیح اور اگر اصل کے خلاف ہے تو بھی صحیح۔ اس کی صحت اور غلطی اس کے اردو میں رواج پکڑنے پر منحصر ہے۔ کیوں کہ جو چیز اردو کے خلاف ہے وہ غلط ہے گو اصل میں صحیح ہو اور جو اردو کے موافق ہو وہی صحیح ہے خواہ اصل میں صحیح نہ بھی ہو۔"[27]

اردو زبان کی کچھ اپنی خصوصیات ہیں جن میں اس کا بنیادی ڈھانچہ ، آب و ہوا، علاقائی اثرات اور زبانوں میں لفظوں کے بننے بگڑنے کے ان اصولوں کو نظر انداز کرنا ناممکن ہے۔ ولیؔ دکنی نے جہاں اردو غزل کو ایک دلکش لب و لہجہ بخشا۔ یہی لہجہ اردو غزل کی پہچان بن گیا۔ ولی دکنی نے نہ صرف فارسی کی زمینیں اپنائیں بلکہ فارسی کے بہت سے اشعار کا اردو ترجمہ کیا۔ متعدد فارسی تراکیب اور محاورات کو اردو کے قالب میں ڈھال کر زبان کو شستہ کیا۔ مثلاً

اے ولیؔ دل کو آب کرتی ہے

لیتا ہے اس کے ناز و ادا کا حساب آج

اوّل الذکر مصرع میں آب کردن کا ترجمہ آب کرنا اور موخر الذکر میں حساب گرفتن کا ترجمہ حساب لینا کیا۔ اسی طرح فارسی تراکیب مثلاً لذت وشام، حصار خاموشی، سکوت بے معنی، گوہر کان حیا، داغ عاشق، وغیرہ کا استعمال ہمیں ولیؔ کی غزلوں میں ملتا ہے۔ اس طرح بے شمار الفاظ و محاورات کے ترجمے اور اردو انے سے اردو زبان کے پیمانے بھرنے کی کوشش نظر آتی ہے۔

فارسی زبان سے استفادہ کے ذریعے اردو کو سنوارنے اور اس کا دامن مالامال کرنے میں ولی کے ساتھ ساتھ ایہام گو شعراء نے اہم کردار ادا کیا۔ ایہام کو خان آرزو اور ان کے شاگردوں نے اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔ ان کو لگتا تھا کہ مستقبل میں فارسی کی بجائے ریختہ اس ملک کی زبان بننے والی ہے۔ اس لیے انہوں نے فارسی سے توجہ ہٹا کر اردو کو متمول بنانے پر توجہ دینا شروع کی۔ ایہام گوئی ایک تحریک کی شکل اختیار کر گئی۔ اس طرح لفظ کا ذو معنی استعمال ہونے لگا۔ اس طرح ایک لفظ کئی کئی معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ اس طرح الفاظ مجازی اور حقیقی معنوں میں استعمال ہونے لگے۔ بظاہر ایہام کی تحریک معنی کی بجائے الفاظ کی تحریک تھی کہ لفظوں کی صوری اور معنوی صورتوں میں کتنا تنوع پیدا ہو سکتا ہے۔ ان الفاظ کی کتنی جہتیں ہو سکتی ہیں نہ سب ایہام کی دین ہے۔ اسی دور میں زبان کی ہیت کو درست کرنے کے لیے حاتم نے نامانوس الفاظ نکالنے کا کام شروع کیا اور زبان کو اس قابل بنایا جس میں اسالیب کے کئی تجربات کیے جاسکتے ہیں۔ ایہام گو شعراء کے ہاں نئے لفظ کی تلاش کی وجہ سے زبان میں الفاظ و مرکبات کی تعداد بڑھی بلکہ شاعری میں جو لہجہ بنا وہ سب سے جداگانہ تھا۔ سینکڑوں مقامی الفاظ اردو زبان کا جزو بن گئے۔ ایہام گو شعراء میں شاہ حاتم کا کردار سب سے اہم تھا۔ دیگر شعراء میں آبروؔ، ناجیؔ اور مضمونؔ وغیرہ شامل ہیں۔

لسانی تشکیلات کے اس دور کے بعد میر تقی میرؔ اور مرزا رفیع الدین سوداؔ کا دور آتا ہے۔ اس دور میں بے شمار لسانی تجربات کیے گئے اور زبان کی بہتری کے لیے بہت سے اقدامات اٹھائے گئے۔ فارسی محاورات، تراکیب اور اصطلاحات کا ترجمہ کیا۔ سادہ، سہل اور آسان عربی و فارسی کے الفاظ کا استعمال کیا گیا۔ ٹھیٹھ ہندی الفاظ کا استعمال کم کیے گئے۔ فارسی و عربی مصادر اور مرکب مصادر کا اردو ترجمہ کر کے اشعار میں برتے گئے۔

مصادر	ترجمہ
بر آمدن	بر آنا
بسر آمدن	بسر آنا
آب آب شنیدن	پانی پانی ہونا
دل خوش شنیدن	دل خوش ہونا
خوش آمدن	خوش آنا
حرف آمدن	حرف آنا
زنجیر کردن	زنجیر آنا
باخاک برابر شدن	خاک سے برابر ہونا
سر بہ دیوار آمدن	دیوار سر پر آنا
نمود کردن	نمود کرنا

بغیر مصادر اور مرکب مصادر وضع کیے بغیر زبان میں فصاحت اور بلاغت کا تصور ناممکن ہے۔ چنانچہ بہت سے مرکب مصادر بنائے گئے۔ مثلاً شمار کرنا، باور کرنا، راہ کرنا، حامی بھرنا، تلاش کرنا، شور کرنا، راہ کھونا، وغیرہ۔ اسی طرح میر تقی میرؔ کے ہاں نت نئے الفاظ بنائے گئے۔ میرؔ کی غزل میں عربی اور فارسی اسماء کے آخر میں ''ی'' لگا کر اسم، فاعل اور صفت بنائے گئے۔

ے اسباب لٹا راہ میں یاں ہر سفری کا

ے نازکی اس کے لب کی کیا کہیے

بعض مصرعوں میں لفظوں کی جمع 'واں'، 'اں' اور 'یاں' لگا کر بھی ملتی ہے۔

ے جفائیں دیکھ لیں، بے وفائیاں دیکھیں

مدت رہیں گی یاد یہ باتیں ہماریاں

میر تقی میرؔ نے اپنی زبان کو دلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں میں بولی جانے والی زبان کہا ہے۔

ناصر کاظمی اس حوالے سے لکھتے ہیں:" میرؔ اردو کا پہلا شاعر ہے جس نے زبان کو شاعری بنایا۔"[28] سوداؔ نے بھی فارسی محاوروں کا بھی ترجمہ اور نت نئے اردو مصادر بنائے۔ اس حوالے سے طارق ہاشمی اپنے مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''فارسی محاوروں کو اردو میں ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ سودا نے فارسی طرز پر نئے اردو مصادر بنائے۔ مثلاً لاج سے لجانا۔ پتھر سے پتھرانا۔ اسی طرح فارسی اور عربی سے بھی نئے مصادر بنائے مثلاً داغ سے داغنا، قبول سے قبولنا اور شرمانا، وغیرہ۔''[29]

زبان سازی کے عمل میں میر و مرزا کا کردار نہایت اہم ہے۔ میر و مرزا کے دور کے بعد انشا، مصحفی اور جرات کا دور آتا ہے۔ اس دور میں قدیم الفاظ اور محاورات ترک کر دیے۔ قواعد کے حوالے سے انشا کی کتاب ''دریائے لطافت'' اہم ہے۔

زبان کے حوالے سے ناسخ اور ان کے شاگردوں کا کام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ دلی کے محاورات کی بجائے لکھنو کے الفاظ و محاورات کو اہمیت دی۔ فارسی، عربی اور ہندی زبان کے جو الفاظ استعمال میں آتے تھے ان کی تانیث و تذکیر کے کوئی قاعدہ مقرر نہ تھا۔ ناسخ نے تذکیر و تانیث کے قاعدے مقرر کیے اور زبان کے بہت سے الفاظ و محاورات کو متروک قرار دیا اس سے زبان میں خوبصورتی پیدا ہوئی۔

الفاظ	تبدیلی
جن نے	جس نے
پھرے ہے	پھرتا ہے
لاگا	لگا
اونے	اوس نے
سجن	صنم
کرے ہے	کرتا ہے
جائے ہے	جاتے ہیں
یون بھی	ہوا بھی

تیئں	تو
آگو	آگے

ناسخؔ نے اس طرح کے بے شمار الفاظ تبدیل کیے۔ جو ہم آج بھی استعمال کرتے ہیں۔ زبان کو سنوارنے میں ناسخ کا کردار فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

1857ء کی جنگ آزادی کے بعد سرسید احمد خان اور ان کے رفقاء نے اردو میں انگریزی زبان کا استعمال شروع کیا۔ اس عمل سے علامات میں تبدیلی آئی الفاظ کے معانی تبدیل ہوئے۔ پرانی کلاسیکی لفظیات ختم ہوئیں جو لفظیات محبوب کے جوروستم کے لیے استعمال ہوتی تھیں۔ان کو ظالم حکمرانوں کے لیے علامت کے طور پر استعمال ہوئیں۔ ہر دور شاعری میں نئ علامات اور نئ لفظیات لے کر آتا ہے۔ اس دور میں موضوعی اور معروضی امکانات میں تبدیلی واقع ہوئی۔ سرسید کے بعد حالی، آزاد اور اقبال کا دور شروع ہوا۔ جو اردو شاعری کا 'دورِ جدید' کہلاتا ہے۔ اس دور میں روایتی موضوعات سے ہٹ کر نئے موضوعات پر نظمیں لکھی گئیں ۔ نیا اسلوب ، نئے الفاظ و تراکیب اور نئ رمزیت ، نئ علامات اور نئے استعارے سامنے آئے۔ ہر بڑا شاعر اپنے ساتھ نئے استعارے، الفاظ، معنوی وسعت اور نیا پن لے کر آتا ہے محمود و ایاز کا تصور، شاہیں اور خودی کا تصور اگرچہ قدیم ہے لیکن اقبال نے اس کو نئے مفاہیم میں استعمال کیا۔

اقبالؔ کی غزل میں علامتی نظام قابل توجہ ہے۔ انہوں نے مروجہ علامات کو نیا مفہوم عطا کیا اسی طرح ترقی پسند تحرک اور رومانوی تحریک کے تحت بھی نئ لفظیات اور علامتیں اردو زبان میں شامل ہوئی، ساٹھ کی دہائی بدلتے ہوئے منظر نامے میں سیاسی اور سماجی سطح پر نئے لسانی سانچوں کی ضرورت کو محسوس کیا گیا جو تبدیل ہوتے منظر نامے کا ساتھ دے سکیں۔ نئ زبان، نئ لغت اور زبان کی تبدیلی کی بات بہت زور شور سے کی گئ۔ سب سے پہلے جیلانی کامران نے "استانزے" کے دیباچے میں نئ شاعری اور نئ زبان کے حوالے سے بات کی۔

> 1۔ کہ ہم اپنی نظموں میں جو زبان استعمال کرتے ہیں اس کا ایک مخصوص طرز بیان ہے۔ یہ طرز بیان مختلف ترکیبوں، استعاروں، محاوروں، الفاظ کی بندشوں اور دوسری لسانی جزئیات سے پیدا ہوتا ہے۔ ایسی زبان کو پڑھ پڑھ کر کان پک چکے ہیں۔ شاعر اور شاعری کا مردہ تابوت اٹھائے پھر رہے اور نہ تو مردہ لفظوں میں زندگی جاگتی ہے اور نہ ہی شاعروں کے رستہ بدلنے سے کوئی خوشگوار صورت پیدا ہوتی ہے۔

2۔ ہماری شعری زبان کے پیچھے قواعد کی حکمرانی ہے۔ اور ہماری ثقافتی دنیا میں ایسے بے شمار رجحانات بھی ہیں۔ جو شاعری کی زبان کو بولنے والوں کے قریب لانے کی بجائے مصنوعی بنا دیتے ہیں۔

3۔ ہماری شعری زبان جس میں پچھلی نسل کی شاعری بھی شامل ہے، اپنے معانی کھو چکی ہے۔ مفہوم کی غیر موجودگی میں اس کا اپنا سانچہ محض لفظوں کی ایک شکل بن کر رہ گیا ہے۔ کھوکھلے الفاظ شاعری پھیلا نہیں سکتے۔

4۔ جن الفاظ کو فصیح کہا گیا وہ عربی، فارسی اور ترکی کے الفاظ تھے اور ایسا کرتے وقت الفاظ کی ایک بہت بڑی تعداد فصیح کہلانے کی اہل نہ بن سکی۔ اس عمل کا ایک نقصان یہ ہوا کہ فصیح الفاظ کے مسلسل استعمال سے ان الفاظ کی فصاحت ختم ہو گئی۔

5۔ ہر دور اپنے لیے نئی شعری زبان تلاش کرتا ہے اور جب تک یہ نئی شعری زبان نمودار نہیں ہوتی۔ شاعری کا نیا باب بھی شروع نہیں ہو سکتا۔[30]

جیلانی کامران نے پرانے الفاظ و تراکیب کو پرانی شعریت قرار دیا۔ کیونکہ پرانی شعریت لفظ کی اہمیت پر تو زور دیتی ہے مگر شاعر کے تخلیقی عمل کا تذکرہ بہت کم کرتی ہے۔ اس لیے وہ نئی زبان، نئی لغت اور نئے محاورات و استعارات کے بنانے کا مشورہ دیتے ہیں۔ لسانی تشکیلات کی تحریک میں ہر کچھ عرصے بعد زبان کی کوئی نہ کوئی تحریک نے زبان کو نئے رخ دیے اس سے زبان کی خوبصورتی اور معانی و مفاہیم کو نیا انداز دیا۔ ناسخ کے بعد زبان پر اس طرح سے کام نہیں ہوا جیسا ہونا چاہیے۔ اس کے بعد موضوعات تو بہت بدلے بلکہ زبان میں کوئی تبدیلی آئی۔ کلاسیکی شعریت کے سہارے شاعری چلتی رہی۔

جیلانی کامران اور افتخار جالب نے نئی زبان، نئے استعاروں اور زبان کی توڑ پھوڑ سے نئی زبان بنانے پر زور دیا۔ افتخار جالب نے "ماخذ" کے دیباچے میں روایت سے انحراف کرکے نئے زمانے کے نئے مسائل اور ان کے حل کی بات کی ہے۔ ان کے خیال کے تحت آنے والی تکنیکی چیزیں اپنی حیثیت کھو چکی ہیں۔ جیسے لفظوں کے مستقل استعمال کے بعد وہ اپنے معانی کھو جاتے ہیں۔ ویسے ہی ہر نئے دور میں نئی اشیا، تکنیکوں کا استعمال کیا جاتا ہے۔ پرانی تکنیکیں متروک ہو جاتی ہیں۔ زبان اپنے بولنے والوں سے ہوتی ہے جب سماج میں زبان تبدیل ہو چکی ہے تو شعر و ادب کیوں پرانی روش پر چل رہا ہے؟

"زبان روزمرہ کی زندگی میں ہماری آج کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے ایک گونہ تشدد سے دو چار ہو گئی ہے۔ ایک طرف ملٹی لنگول ذرائع سے پیدا ہونے والا لسانی ملغوبہ مستعمل ہے تو دوسری جانب پرانے لسانی رابطوں کو توڑ پھوڑ کر نئے مزاج کی ضروریات کو ممکنہ حد تک پورا کیا جارہا ہے۔ زبان سماجی افعال کی کارکردگی میں ایک تشدد برداشت کر رہی ہے۔ جو ہمارے ہاتھوں چند اینٹیں اور اکھڑ گئیں تو قیامت نہیں آجائے گی۔"[31]

افتخار جالب کی یہ بات کسی حد تک درست ہے۔ اگر روزمرہ تجارتی و سماجی زندگی میں زبان بدل چکی ہے تو شعر و ادب میں ان کی تبدیلی گناہ کیوں۔ زبان میں نہ صرف علاقائی زبانوں اور انگریزی کے الفاظ کا استعمال بڑھ گیا۔ اب صرف زبان بائی لنگول ہی نہیں ملٹی لنگول ہو گئی ہے۔ تو شعر و ادب کی زبان کو خالص روایتی کلاسیکی شاعری تک کیوں محدود رکھنا اس کے ساتھ زیادتی نہیں۔ اب پرانی روایتوں کو ترک کرنا پڑے گا پرانی آوازوں اور سرگوشیوں کو نئی آوازوں کے ساتھ ہم آہنگ کرنے اور اس سے زبان کو وسعت دینا ہو گی۔ یہی وقت کا تقاضا ہے۔ موجودہ صورتحال میں لوگ یک رنگی کا شکار ہیں۔ اس لیے افتخار جالب نئی زبان بنانے اور پرانی زبان کے سانچے توڑنے پر زور دیتے ہیں۔ کہ ایسا کرنے سے انتشار تو پھیلے گا اس انتشار کے بعد جو نئی زبان وجود میں آئے گی وہی میرا مقصد و مدعا ہے۔

"روایتی اسلوب، صنائع بدائع، ترکیب و ترتیب، محاکات و تلازمات ضروریات کے مطابق ڈھل رہے ہیں۔ ڈھلتے جائیں گے۔ کھردرا پن عارضی ہے مسلسل استعمال سے گھل مل جائے گا۔ زبان کا غیر معمولی استعمال معمول بن جائے گا۔"[32]

جب بھی کوئی شے پہلی بار سامنے آتی ہے تو اس کو رد کر دیا جاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ اسے قبول عام ملتا ہے اور بعد میں روایت کا حصہ بن جاتا ہے۔ اسی طرح جب نئے لفظ بنائے جاتے ہیں تو قبول عام ہونے میں انہیں وقت لگتا ہے۔

افتخار جالب کا مضمون "لسانی تشکیلات" ان کی کتاب "لسانی تشکیلات اور قدیم بنجر" میں شامل ہے۔ اس میں انہوں نے استعارہ کے حوالے سے لکھا کہ جب ہم کوئی استعارہ استعمال کرتے ہیں تو وہ ہمیں ایک جز ایک خارج سے متعلق کرتا ہے۔ استعارہ لفظ کو دوہری معنویت دیتا ہے۔ اس سے ایک دلکش قسم کا ایہام پیدا ہو جاتا ہے۔ علامت کو استعارہ ہی کی زیادہ سرگرم صورت کہنا چاہیے۔

دیکھا جائے تو افتخار جالب کے نزدیک لسانی تشکیلات کا اصل اصول صرف استعارہ ہے دوسرا اہم حصّہ الفاظ کی شیئت ہے۔ الفاظ محض اشیا کے نمائندے نہ ہو بلکہ اس کے ذریعے اشیا کو جسمانی شکل و صورت دنیا ہے۔ لسانی تشکیلات کے حوالے سے افتخار جالب لکھتے ہیں۔

ے نئی بشارت کا مرحلہ ہے۔
خبر کر و روشنی کا دریا اُمڈ پڑا ہے۔

افتخار جالب اور ان کے گروہ نے ولیم ایمپسن کی تقلید میں الفاظ کے حقیقی معانی کی بجائے امکانی معانی کے استعمال کی راہیں کھولنے کی کوشش کی۔ اس لیے استعارہ کی معنی خیزی پر بہت سے مباحث سامنے آئیں۔ مگر ان کی اپنی شاعری میں استعارہ کی جن معانی خیزی کی وہ بات کرتے نظر آتے تھے۔ وہ ان کی شاعری میں نظر نہ آئیں۔ جو تراکیب انہوں نے ایجاد کیں اس میں آمد کی بجائے آورد کا احساس ہوتا ہے۔ کہ تراکیب کھردری ہیں اور ان میں بوجھل پن ملتا ہے۔ تبھی وہ " مآخذ " کے دیباچے میں ان کے کھردرے پن کو عارضی قرار دیتے ہیں۔

اس دور کے شعراء کے ساتھ ساتھ بعد میں بھی آنے والے شعراء و ادبا نے استعارہ سازی کے لیے نہ صرف نئے الفاظ کی طرف توجہ دی بلکہ پرانی لفظیات کو بھی اس طرح استعمال کیا۔ کہ ان کے معانی و کیفیات بدل کر رہ گئے۔ قدیم استعاروں کو نئے تلازمات کے ساتھ پیش کیا گیا۔

ے ہر آنکھ میں تھی ٹوٹتے لمحوں کی تشنگی
ہر جسم پر تھا وقت کا سایہ پڑا ہوا
(روح غزل، عادل منصوری، ص 441)

ے ہے ایک اور بھی صورت کہیں مری ہی طرح
اک اور شہر بھی ہے قریہ صدا کے سوا
(کلیات منیر نیازی، ص 335)

استعارہ نہ صرف غزل، نظم کے دیگر اصناف نثر میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جابر علی سید "جدید شعری تنقید" میں اس حوالے سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"لسانی تشکیلات کا اصل اصول استعارہ ہے "پھندنے" اور "آہستہ" ایسے الفاظ نہ صرف تخصیصی معنویت کا ملجاو ماویٰ ہیں۔ کہ شیئت سے ہم کنار ہونے کے سبب

ناقابل انتقال ہیں۔ بلکہ عمل کی ایسی سطح سے بھی روشناس کراتے ہیں۔ جن میں استعارے کا اصل اصول دخیل ہے۔ استعارے نثر اور شاعری دونوں میں اصل تخلیق ہے اب سے ڈھائی ہزار سال پہلے ارسطو نے بھی یہی بات کہی تھی۔"[33]

منٹو کے افسانوں میں اگر تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور لفظوں کی تکرار سے حسن میں اضافہ ہوتا ہے۔ افسانہ "کھول دو" میں افسانے آخر میں نیم مردہ لڑکی کے لفظ "کھول دو" کو دو مختلف اشخاص نے مختلف رد عمل دیا۔ اس ایک بات نے افسانے میں پورے المیے کو نچوڑ کر رکھ دیا۔

انتظار حسین کے افسانوں میں تاریخی و تہذیبی روایات پائی جاتی ہیں۔ وہیں ان کے افسانوں کے نام بطور علامت سامنے آتے ہیں۔ مثلاً کچھوے، نرالا جانور، رات، پتے، خالی پنجرہ، وغیرہ۔ ان علامات نے ان کے افسانوں میں نئے معانی پیدا کیے۔ 1960 اور 1970 کی نسل نے اپنے سماج میں کو دیکھا اس کو من و عن بیان نہ کرنے کی وجہ سے اپنی بات کو کبھی علامات، کبھی استعارات اور کبھی کنایے میں کی۔ زبان کی توسیع میں امکانی معانی بے حد اہمیت کے حامل ہیں اس سے زبان میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ کلیم الدین احمد اپنے مضمون "الفاظ اور شاعری" میں لفظ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "الفاظ جاندار ہوتے ہیں۔ ہر لفظ اپنے اندر ایک دنیا رکھتا ہے۔ یہ دنیا اس لفظ کے لغوی معنی تک محدود نہیں رہتی۔ شاعر صرف الفاظ کے معانی سے واقف نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہ ہر لفظ کی مخصوص فضا کو حس کرتا ہے۔ اور اسے بروئے کار لاتا ہے۔ اس فضا کی تخلیق رفتہ رفتہ ہوتی ہے۔"[34]

الفاظ کا استعمال شاعر اس طرف کرتا ہے کہ اس سے ایسی فضا تخلیق پاتی ہے۔ جو اسے دوسروں سے ممیز کرتی ہے۔ جون کا شمار جدید شعراء میں ہوتا ہے ان کے ہاں جدیدیت کا رنگ نمایاں ہے وہ پرانی علامات کو بھی نئے پیراہن عطا کرتے ہیں۔

کون اس گھر کی دیکھ بھال کرے ؎
روز ایک چیز ٹوٹ جاتی ہے
(غزل کا پھول، جون ایلیا، ص66)

تھی جو اک فاختہ اداس اداس ؎
صبح وہ شاخ سے اڑی ہی نہیں

(گمان، جون ایلیا، ص 77)

اول الذکر شعرا میں گھر کو ذات بطور علامت استعمال کیا ہے۔ شاعر کی زندگی ہر روز کسی نہ کسی حادثے کا شکار ہو جاتی ہے۔ جس کے سبب اس کا دل ٹوٹتا رہتا ہے۔ دوسرے شعر میں فاختہ جو امن کی علامت ہے۔ یہاں اس سے مراد معصوم لوگ ہیں۔ فاختہ کا اداس ہونا کسی سانحے کو ظاہر کرتا ہے۔ جس کو اس نے سمجھ لیا اور وہ شاخ سے اڑنا نہیں چاہتی۔

سعادت سعید لسانی تشکیلات کا ایک اہم نمائندہ شاعر ہیں۔ ان کی شاعری میں الفاظ پر معنی کو فوقیت ملتی ہے۔ ان کی شاعری میں بہت سی نئی تراکیب ملتی ہے۔ مثلاً سانستا عصر، ڈی کوڈتی دانش، خلقی تنہائی، نوسری شاعری، وغیرہ۔

توسیع زبان کے ساتھ ساتھ بہت سے الفاظ و محاورات متروک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہمارے شاعر اور نثر نگار ان متروک الفاظ کو دوبارہ استعمال کو کے انہیں نئی زندگی بخشتے ہیں۔ لفظ کو موت اچانک نہیں آتی وہ تو ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتا ہے۔ اس لیے کوئی لفظ کی موت ہونے کی تاریخ نہیں بتاتا۔ بہت سے الفاظ جو علماء کرام نے متروک قرار دے دیے اس کے باوجود عوام میں وہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہ الفاظ ہمارے بزرگوں کی نشانی ہوتی ہیں۔ جنہیں ہم سن کر بولتے ہیں اور ان کی محبت کی یاد دلاتی ہیں۔

الفاظ کبھی متروک نہیں ہوتے ان میں موجود توانائی کبھی ضائع نہیں ہوتی۔ وہ اپنا رنگ، روپ اور شکل تبدیل کرلیتی ہے۔ ان کو دوبارہ جب ہم استعمال کرتے ہیں تو وہ دوبارہ ققنس کی طرح دوبارہ جی اٹھتے ہیں۔ لسانی تشکیلات کے اس عہد جدید میں شاد عارفی اور سلیم احمد کا رد عمل اسی قسم کا تھا۔ یہ لوگ محض مخصوص لفظیات اور موضوعات تک محدود رہنا نہیں چاہیے۔ متروکات کی لکھی ہوئی بہت سی فہرستیں بنائی گئیں۔ ان کو اردو کے خوابیدہ الفاظ کہا گیا تھا۔ شہزاد احمد "رنگ غزل" کے دیباچے میں متروکات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> ''ہر شاعر کے پاس جہاں ایسے لفظ ہوتے ہیں۔ جنہیں وہ بار بار استعمال کرتا ہے۔ وہاں چند لفظ ایسے بھی ہوتے ہیں، جس کے قریب پھٹکنے کی وہ جرات نہیں کرتا۔ بہر صورت ہر شاعر اپنے اوپر بعض الفاظ کو حرام کر سکتا ہے مگر مجموعی طور پر غزل کے لیے پابندی قبول نہیں کی جاسکتی۔ البتہ یہ خیال ضرور رکھنا پڑے گا ان ممنوعات اور متروکات کو جب باندھا جائے تو اس طریقے سے کہ وہ معنی کا نیا جہاں کھول سکیں۔ ٹی۔ ایس ایلیٹ

نے کہیں لکھا تھا کہ کثرت استعمال سے الفاظ اپنے معانی کھو دیتے ہیں، پھر کسی ایسے
لکھاری کی ضرورت ہوتی ہے جو ان لفظوں کے تخلیقی استعمال سے ان کا اعتماد بحال
کردے متروکات وہی لفظ ہیں جو اعتبار کھو چکے ہیں۔"[35]

کسی بھی زبان کو اپنے لفظوں سے محروم نہیں ہونا چاہیے۔ کیوں کہ ہر لفظ کے ساتھ کچھ ایسے معنی بھی لپٹے ہوتے ہیں جنہیں کوئی دوسرا لفظ بیان نہیں کو سکتا ہے۔ ان الفاظ کو دوبارہ جنم دینے کے لیے ہمارے شعرا ہمیں اپنے ارد گرد کم نظر آتے ہیں۔ ان میں ظفر اقبال اور جون ایلیا بہت اہم ہیں۔ ان کی شاعری میں پرانے الفاظ نے نیا جنم لیا ہے۔ یہ الفاظ آج بھی پرانے بزرگ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً آیئو، جائیو، دکھن، بسترا، پانوں، گانوں، دکھائیو، یلدئیو، وغیرہ۔

؎ تو اگر آئیو تو جائیو مت
اور اگر جائیو تو آئیو مت
(یعنی۔ جون ایلیا، ص94)

؎ کوئے جاناں کی ناکہ بندی میں
بسترا اب کہاں ہے یاروں کا
(گمان۔ جون ایلیا، ص101)

لسانی تشکیلات کے تحت نظم اور غزل دونوں میں توڑ پھوڑ کا عمل شروع کرنے میں ظفر اقبال کا نام نہایت اہم ہے۔ انہوں نے نہ صرف نئی لفظیات بنائیں بلکہ اینٹی غزل کا تصور پیش کیا۔ "گلافتاب" کی اشاعت نے پورے پاکستان و انڈیا میں ہلچل مچادی۔ اس وقت یہ موقف اختیار کیا گیا تھا کہ جو ہم کہنا چاہتے ہیں وہ پرانی اور مروج زبان میں ادا نہیں کیا جاسکتا۔ ظفر اقبال نے بہت سے الفاظ کے ساتھ "ا" بطور اضافت استعمال کیا۔ اس کے ساتھ اسم کو اسم فاعل اور مصدر میں بھی تبدیل کرکے اس کی قواعدی اور معنوی حالت میں تبدیلی لائی گئی۔ ظفر اقبال کے بعد یہ کوشش ہمیں سمیع آہوجا کے افسانوں میں ملتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ جون ایلیا اور سعادت سعید کے ہاں لفظوں کے توڑ جوڑ کی کوششیں نظر آتی ہیں۔ جون ایلیا نے لفظ چاندنا کو بڑی دلکشی سے بیان کیا ہے۔ چاند کے ساتھ "نا" کا لاحقہ لگا کر اسے چاندنی کے مذکر کے طور پر استعمال کیا ہے۔

؎ صحن خیال یار میں، کی نہ بسر شب فراق

جب سے وہ چاند نا گیا، جب سے وہ چاندنی گئی

(گویا، جون ایلیا، ص31)

اسی طرح سعادت سعید نے اسم سے مصدر بنائے جیسے پازیب سے پازیبنا، آسیب سے آسیبنا وغیرہ۔ اسی طرح ان کی شاعری میں اسم سے فعل بنانے کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً جدید سے جدیدنا، تلاش سے تلاشنا۔ ضرورت سے ضرورتی وغیرہ۔ سعادت سعید کے ہاں نو قافیائی نو سخنی بھی ملتی ہے۔

رام کو دیکھا روانت دیکھی　　　دم دبا بھاگتی ہوئی مرات

سب نے رونگی بھانت دیکھی　　　سورماوں کی دھاونت دیکھی

خشک موسم میں آنکھ جل برسا　　　گول گیندوں کی اس زمانے میں

بے طرح ہم نے مساونت دیکھی　　　چوڑے چھیدوں میں پانت دیکھی[36]

ظفر اقبال نے اسم کے ساتھ 'نے' لگا کر فعل بنایا گیا ہے

؎　دلدر در میاں دلدارنے کا　　　تلخ تنہا الف انکارنے کا　　　(گلافتاب، ظفر اقبال، ص111)

؎　چمک چمکارنے شب شیرنے کے　　　مزے محکم الف انجیرنے کا

(گلافتاب، ظفر اقبال، ص109)

"الف" بطور حرفت اضافت ظفر اقبال نے باندھا ہے

؎　چلنے لگے تو وہم اجھکڑ تھے چار سو　　　پایانشان راہ تو صحراالٹ گیا

(گلافتاب، ظفر اقبال، ص36)

لسانی تشکیلات کے تحت بہت سے نئے الفاظ بنائے گئے پرانے الفاظ کو توڑ پھوڑ کر کے لفظوں کو نئے مفاہیم کا پیراہن اوڑھا لیا گیا۔

زبان قدرتی پیداوار نہیں ہوتیں ان کی تشکیل انسان اپنی ضرورت اور مرضی کے مطابق کرے۔ دنیا کی کوئی زبان ایسی نہیں جس میں اظہار خود بخود پیدا ہو جائے اس کا دارومدار اس کے استعمال کرنے والے کی کوششوں پر منحصر ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> "اصوات، الفاظ اور املا کے لحاظ سے اردو زبان میں ہو۔ اس لئے اہل قلم علاقائی زبانوں سے حسب ضرورت نئے اور خوبصورت الفاظ لے سکتے ہیں۔ اب تک عربی، فارسی اور انگریزی الفاظ سے اخذ وانتساب کا سلسلہ جاری ہے لیکن اب پنجابی، سرائیکی،

ہندکو، پشتو، بلوچی، سندھی اور دیگر بولیوں سے دامن مالا مال کرنے کا وقت آ گیا ہے۔"[37]

بے شک ان علاقائی زبانوں کے اردو پر اثرات بڑھتے جا رہے ہیں۔ ہندی، پنجابی سندھی بلوچی، پشتو کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کے اثرات ہمیں شعر و ادب میں ملتے ہیں۔ ان میں شیر افضل جعفری، ناصر شہزاد، ناصر کاظمی، جون ایلیا، طاہرہ اقبال اور سمیع آہو جا وغیرہ شامل ہیں، شیر افضل جعفری کا تعلق جھنگ سے تھا اس شہر میں بولی جانے والی زبان پنجابی اور سیرائیکی کے ملاپ سے بنی ہے جسے ابتدا میں جھنگوی کہا جاتا ہے۔ ان کی کتاب "سانولے من بھانولے" کے حروف اول میں مجید امجد لکھتے ہیں:

"اردو کے ارتقا میں جہاں اور بولیوں اور پراکتوں نے حصہ لیا ہے وہاں اس پنجابی بولی نے بھی، جو جھنگ، سرگودھا، منٹگمری کے اضلاع میں بولی جاتی ہے اور جس کو گریرسن نے مشرقی ہندی سے جداگانہ بولی تصور کیا ہے اس بولی کے الفاظ شیر افضل جعفری کے شعروں میں آ گئے۔"[38]

ے دلربا گوانیس، رس بھری کٹوریاں دودھ دودھ زندگی، کنگ کنگ زندگی

(سانولے من بھانولے، شیر افضل جعفری، ص51)

ے دھڑکنوں کے نال پر ناچتی سہاگنیں باہنہ باہنہ زندگی، ونگ ونگ زندگی

(سانولے من بھانولے، شیر افضل جعفری، ص51)

ان اشعار میں شیر افضل جعفری ایک نئے تہذیبی و ثقافتی ضرب المثل کی بنیاد رکھ رہے ہیں نئے پاکستانی معاشرے کی نئی اردو لغت کو ترتیب دیتے نظر آتے ہیں۔ جون ایلیا کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ان کے ہاں عربی فارسی، ہندی، سنسکرت، پراکرت اور انگریزی کی لفظیات ملتی ہیں۔ اسی طرح سعادت سعید اور ظفر اقبال کے ہاں بھی بہت سی زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں۔ ظفر اقبال کی کتاب "تحلیل" میں پاکستان میں بولی جانے والی مختلف زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں۔ ان الفاظ کا استعمال ان کی شعوری کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ اس طرح سے اردو زبان کو توسیع بھی ملے گی اور اردو کے سانچے کھانچے بھرنے میں مدد بھی ملے گی۔

عتیق اللہ اور شجاع خاور لسانی تشکیلات کی تحریک سے وابستہ نہیں تھے مگر اس تحریک کے اثرات ان کے ہاں دیکھے جا سکتے ہیں اس کے ساتھ انیس ناگی، بشیر بدر، سعادت حسن منٹو، سلیم احمد، سلیم الرحمن، محمد علوی، انور شمیم، غضنفر علی، جیلانی کامران، ڈاکٹر افتخار بیگ، افتخار جالب، زاہد ڈار، منیر نیازی، تبسم کاشمیری،

سعادت سعید، سمیع آہو جا، جون ایلیا، وغیرہ کے علاوہ بھی ایک لمبی فہرست ہے جنہوں نے نئے الفاظ کی تشکیل میں اپنا کردار ادا کیا۔

اردو زبان کئی زبانوں سے مل کر بنی ہے۔ بے شمار الفاظ جو کبھی دوسری زبانوں کا حصہ تھے اردو میں ایسے گھل مل گئے کہ ان کے غیر ہونے کا شائبہ تک نہیں ہوتا ہے۔ ایک زندہ زبان کی سب سے بڑی خوبی ہی یہی ہوتی ہے کہ وہ دوسری زبانوں کے الفاظ جذب کر کے اس کے برتنے والوں کے لئے مانوس بناتی ہے اردو زبان کی ابتدا کے ساتھ ہی اس کو نکھارنے اور سنوارنے کا عمل شروع ہو گیا تھا۔ بہت سی تحریکیں زبان کی بہتر اور شستہ بنانے کے لئے آئیں۔ جس میں سب سے اہم تحریک ایہام گوئی کی تحریک تھی۔ اس سے شاعری تو بہتر نہ ہو سکی اس میں نت نئے الفاظ کی مختلف زبانوں میں شمولیت کے ساتھ ساتھ استعاراتی، ذو معنی اور امکانی معانی کی بدولت زبان میں وسعت پیدا ہوئی۔ اسی طرح جب انیسویں صدی میں انگریزی سے مختلف تراجم ہوئے تو بہت سے الفاظ و اصطلاحات اردو زبان میں شامل ہوئیں۔ اس زمانے میں اصطلاحات کے لئے بہت سی ڈکشنریاں لکھی گئیں مگر اب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تراجم کرنے کی بجائے نئے الفاظ کو اسی زبان میں استعمال کرنے کا رجحان بڑھتا جا رہا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ سوشل میڈیا کا استعمال ہے کہ لفظ جیسے ہی وجود میں آتا ہے اس کا استعمال اسی وقت سے شروع ہو جاتا ہے اس کے لئے ادبا کی کتابیں پڑھنا ضروری نہیں ہوتا۔ لسانی تشکیلات کی تحریک کے زیر اثر زبان پر بے حد اثرات پڑے جس کے نیچے میں نیا ڈکشن اور نئی لفظیات اردو میں شامل ہوئی۔

فارسی اضافتوں کی مدد سے نئے مرکبات بنائے گئے ان الفاظ کی نئے تلازمات کے ساتھ برتا گیا بعض ایسی تراکیب بنائی جن کا تعلق اوصاف سے تھا۔ اوصافی الفاظ کے ذریعے شاعروں نے معنی کا ایک جہاں آباد کر دیا۔ اپنی الفاظ کے استعمال سے تشبیہ، استعارہ، علامت، تمثیل اور پیکر وجود میں آئے۔

توسیع زبان کا یہ عمل تین طرح سے ہماری سامنے آیا جن میں عوامی سطح، علمی سطح اور ترجمہ کی سطح اہم ہیں۔ لسانی تشکیلات کے اس گروہ نے معاشرے کو شعری ذمہ داریوں کے ساتھ قبول کیا اس وقت تک سماج میں بولی جانے والی زبان اور لکھنے پڑھنے والی علمی زبان میں بے حد فرق آ گیا تھا اس لئے نئی شعریات و لفظیات کی از حد ضروری تھیں بے شک یہ لوگ اپنے مینی فیسٹو کے مطابق وہ کام کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے مگر آنے والوں کو ایک نیا رستہ ضرور دکھلا گئے۔

حوالہ جات

1- علی رفاد فتیحی، لفظ سازی، ورلڈ ویو پبلشرز، لاہور، 2021۔ ص27

2۔ ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے، مترجم ڈاکٹر نصیر احمد خان، ترقی اردو بیورو دہلی، 2000 ص31

3. Rochelle Lieber, introducing Morphology, Cambridge university press, New York, 2009,

4- گیان چند، عام لسانیات، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی 1985، ص217

5. Haspelmath Epsims , Understanding Morphology, Hodder Education, Uk, 2nd Edition 2010

6۔ نصیر احمد خان، اردو ساخت کے بنیادی عناصر، ایچ ایس پرنٹنگ پریس، نئی دہلی، 2000، ص166

7۔ ایضاً، ص193

8۔ اقتدار حسین خان، ڈاکٹر، لسانیات کے بنیادی اصول، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1985ء، ص87

9۔ نذیر احمد ملک، ڈاکٹر، کشمیری الفاظ کے سرچشمے، انڈین پرنٹنگ پریس، سری نگر، اکتوبر 1993، ص66

10۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، تشریحی لسانیات، فضلی سنز، کراچی، 1998، ص147

11- Rochelle Lieber, Introducing Morphology, Cambridge University Press, UK , 2009, Pg. 43

12۔ نذیر احمد ملک، ڈاکٹر، کشمیری الفاظ کے سرچشمے، ص20

13۔ عبدالستار صدیقی، املا نامہ مرتبہ گوپی چند نارنگ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی 1974، ص93

14- Geert Booij, the Grammar of words, Second Edition, Oxford university press, New York, 2007, Pg. 80

15۔ اقتدار حسین خان، ڈاکٹر، لسانیات کے بنیادی اصول، ص67

16۔ گیان چند، عام لسانیات، ص192-193

17. Ralph Fasold and Jeff connor-Linton, An introduction to language and linguistics, words and their parts by Donna Lardiere , sixth edition, Cambridge University Press, Uk, 2013,pg61

18- Haspelmath & Sims, understanding Morphology, 2nd Edition, Hodder education, UK, 2010, Pg. 14

19- افتخار بیگ، ڈاکٹر، لسان اور لسانیاتی مسائل و مباحث، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2021، ص100

20- عبدالسّلام، ڈاکٹر، عمومی لسانیات، رائل بک کمپنی، کراچی، 1993، ص180

21. Aronoff & Fudeman, what is morphology,2nd edition, Blackwell publishing, Uk, 2011, Pg 48

22- خلیل صدیقی، لسانی مباحث، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ، 1991، ص218

23 ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد (حصّہ صرف)، مرکزی اردو بورڈ، لاہور، 1971، ص531

24- محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات، بھٹو پرنٹنگ پریس، لاہور، 2019، ص44

25- محمد باقر حسین، اردو زبان کی توسیع، مشمولہ لسانی مذاکرات، مرتبہ شیما مجید، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2006، ص34

26- مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، قواعد اردو، سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، لاہور، 2012، ص7

27- انشا اللہ انشا، دریائے لطافت، مرتبہ مولوی عبدالحق، آفتاب اکیڈمی، کراچی، 1898، ص353

28- ناصر کاظمی، خوشبو کی ہجرت، مکالمہ، سویرا، شمارہ، ص71

29- طارق ہاشمی، اردو غزل نئی تشکیل، زیرو پوائنٹ پرنٹرز، راولپنڈی، 2008، ص40

30- جیلانی کامران، استانزے، مکتبہ ادب جدید، لاہور، 1959، طبع اول، ص9

31- افتخار جالب، مآخذ، مکتبہ ادب جدید، لاہور، طبع اول، 1963، ص10

32- ایضاً، ص13

33- جابر علی سید، جدید شعری تنقید، بیکن بکس ملتان، 2002ء، ص168

34. https://www.rekhta.org/articles/alfaaz-aur-shayari-kaleemuddin-ahmad-articles?lang=ur

35۔ شہزاد احمد، رنگ غزل، علی پرنٹرز، لاہور، 2008، ص10-11

36.https://www.facebook.com/share/p/gXrK6vqoxVEKuAcC/?mibextid=qi2Omg

37۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، ادب اور کلچر، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، 2001، ص328

38۔ شیر افضل جعفری، سانولے من بھانولے، مکتبہ ادب جدید، لاہور1963، ص12

باب دوم

ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کے متون میں لفظی اشتقاق کا مطالعہ اشتقاقی الحاقیت کے تناظر میں

الف۔ اشتقاقی الحاقیت اور اس کی صورتیں

اردو زبان میں الفاظ کی تشکیل کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ لفظوں کے بننے کا بڑا اور اہم عمل الحاقیت ہے۔ عام طور پر الحاقیے دوسرے لفظ یا مارفیم سے مل کر نیا لفظ تخلیق کرتے ہیں۔ الحاقیے کبھی لفظ اور کبھی پابند مارفیم ہوتے ہیں جن کو کسی آزاد مارفیم کے ساتھ چسپاں کیا جاتا ہے۔ affix کے معنی ہی چسپاں کرنا اور لگانا کے ہیں۔ گیان چند نے "عام لسانیات" میں affix کے لیے چسپاں کا لفظ استعمال کیا ہے۔[1] الحاقیے بامعنی لفظ اور آزاد مارفیم سے مل کر بنتے ہیں۔ یہ کبھی تنہا اور اکیلے نہیں ہوتے۔ رؤف پاریکھ affixation کے لیے تعلیقیہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ ڈیوڈ کرسٹل کی affix کے بارے میں لکھی ہوئی تعریف کا ترجمہ رؤف پاریکھ نے یوں کیا ہے: "تعلیقیہ (affix) وہ بامعنی جزو ہوتا ہے جو کسی لفظ کے مادے (root) سے جڑا ہوتا ہے اور تعلیقیے کے جڑنے سے وہ لفظ پیچیدہ شکل اختیار کر لیتا ہے۔"[2] الحاقیت میں بامعنی جزو آزاد مارفیم کا ہونا از حد ضروری ہے۔ لفظ کا مادے (root) اور ساق (stem) دونوں سے جڑا ہونا ضروری ہوتا ہے اور پھر ان کے ساتھ پابند مارفیم اور لفظ کے آگے، پیچھے اور درمیان میں اضافہ کر کے نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ اردو میں بہت سے مقامی الحاقیے ملتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ عربی، سندھی، ترکی اور فارسی کے مستعار الحاقیے بھی پائے جاتے ہیں۔ لفظوں کے اشتقاق کے سلسلے میں یہ اصول بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ اس کی مدد سے اردو زبان کے ذخیرۂ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے اور نت نئے الفاظ بھی بنائے جاسکتے ہیں۔

ہندی، انگریزی، عربی اور فارسی کی طرح اردو میں زیادہ تر الفاظ الحاقیت کے عمل کے تحت وجود میں آتے ہیں۔ affixation کے لیے اردو میں مختلف علمائے کرام مختلف الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے ہیں، مثلاً تعلیقیت، الحاقیت، چسپیے، وغیرہ۔ الحاقیت کا یہ عمل گیان چند کے نزدیک سات طرح سے وقوع پذیر ہوتا ہے۔[3]

1. سابقے

2. لاحقے

3. وسطیے

4. مبادلہ

5. ہندی چپسیہ

6. تکرار

7. منہائی

سابقے، لاحقے اور وسطیے، یہ تین الحاقیت کے اہم طریقے ہیں۔ لسانیات کے اس موضوع پر تفصیلی مباحث نہیں ملتے۔ منہائی کا عمل الحاقیت (affixation) کے عمل کا حصہ نہیں بلکہ یہ لفظ سازی کے تحت آتا ہے۔ جسے ترکیب اختصار (clipping) کہا جاتا ہے۔ اور تکرار کے عمل کو (reduplication) کہا جاتا ہے۔ اس عمل کو کچھ علمائے لسانیات الحاقیت کے عمل میں شامل کرتے ہیں کچھ نہیں۔

اشتقاقی عمل میں الحاقیت کو علی رفاد فتیحی "اردو لسانیات نظریاتی مباحث" میں سات حصوں میں تقسیم کرتے ہیں مگر وہ گیان چند جین کا نمبر ے منہائی کو اس میں سے نکال کر مرکب کا اضافہ کرتے ہیں۔ الحاقیے (affix) تصریفی (inflectional) بھی ہو سکتے ہیں اور اشتقاقی (derivational) بھی۔ تصریفی عمل لفظوں کے اجزائے کلام (parts of speech) کے اصولوں کے تحت ہوتا ہے۔ مگر اس سے لفظوں میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے۔ تصریفی عمل میں اسم، اسم ہی رہتا ہے اور فعل، فعل ہی۔ اسی طرح صفت بھی تصریفی عمل کے بعد صفت ہی رہتا ہے۔ تصریفی عمل میں اسم کی تعداد، جنس اور حالت میں تبدیلیاں دیکھنے کو ملتی ہیں جیسے انگریزی s, es, ed وغیرہ لگا کر نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ مثلاً اردو میں واحد جمع، مذکر مؤنث اور حالت (case) بنائے جاتے ہیں۔

لڑکا	+	ے	=	لڑکے (مذکر)
گائے	+	ئیں	=	گائیں (مؤنث)
لڑک	+	وں	=	لڑکوں (حالت میں تبدیلی)

ان مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ تصریفی عمل میں جو تبدیلیاں رُونما ہوتی ہیں اُن کے نتیجے میں قواعدی عمل میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی ہے۔ اس کے برعکس اشتقاقی (derivational) عمل لفظوں میں قواعدی تبدیلیوں کو نمایاں کرتا ہے۔

لفظی اشتقاق	لاحقہ	مادہ
مطبخی =	ی +	مطبخ

جب کسی مادہ یا ساق کے ساتھ ہم "ی" کا اضافہ کرتے ہیں تو قواعدی لحاظ سے اسم، صفت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اور اس عمل کو اشتقاق کا عمل کہتے ہیں۔

JuergenHandki نے اپنے ای۔لیکچر میں الحاقیت (affixation) کے چار طریقہ کار بتائے ہیں۔[4]

1) سابقہ (prefix)

2) لاحقہ (suffix)

3) وسطیہ (infix)

4) ابتدائیہ انتہائیہ (circumfix)

سابقہ (prefix)

سابقے کے لیے انگریزی میں prefix کا لفظ مستعمل ہے۔ کسی لفظ، آزاد مارفیم یا کلمہ کے شروع میں کسی دوسرے لفظ یا پابند مارفیم کا اضافہ کر کے نئے لفظ میں ڈھال لینے کے عمل کو سابقہ کہتے ہیں۔ سابقے الفاظ کی وہ اشکال ہیں جو مادہ اور ساق (stem) سے جڑے ہوتے ہیں۔ انگریزی کے قاعدے کے مطابق سابقے وہ رُوپ ہیں جو مادہ اور ساق (stem) کی ابتدا میں ملحق کیے جائیں۔ ہند یورپی زبانوں میں سابقے بہت کم مستعمل ہیں۔ سابقے تصریفی (inflectional) نہیں بلکہ اشتقاقی (derivational) ہوتے ہیں۔ علی رفاد فتیحی حروف کے ساتھ سابقہ لاحقہ لگانے کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

> حروف کے ساتھ سابقے اور لاحقے کا اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔ حروف اپنی کوئی معنوی حیثیت نہیں رکھتے۔ یہ صرف جملے کی قواعدی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے ایسے تمام الفاظ میں سے، پر، تک، یہ، البتہ، چونکہ، کا، کی، کے وغیرہ شامل ہیں۔ یہ حروف کسی زمانے میں تصریفی زبانوں کے پابند صرفیے رہے ہوں گے جو الفاظ کے مادوں سے الگ ہو کر رفتہ رفتہ مستقل الفاظ بن گئے۔[5]

سابقے لاحقے بنانے کے لیے آزاد مارفیم / با معنی کلمہ / ساق کا ہونا ضروری ہے۔ بے معنی الفاظ اور مادہ کے ساتھ سابقے نہیں بنائے جاتے۔ اس لیے اجزائے کلام میں لغوی الفاظ بنیادی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ مادہ (root) عربی گرائمر کی رو سے مختلف حروف پر مشتمل ہوتا ہے اس کے برعکس ساق (stem) الفاظ لغوی

معانی رکھتے ہیں۔ اس لیے سابقے ساق الفاظ کا رُوپ ہوتے ہیں اور اردو زبان میں سابقوں کے اس اُصول پر بہت سی تراکیب وجود میں آئی ہیں۔ سابقے کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں:"کسی مستقل لفظ کے آغاز میں متصل ہونے والی صوت یا پابند مارفیم کو سابقہ کہتے ہیں۔"لفظی اشتقاق کے عمل کے تحت بننے والے چند سابقے درج ذیل ہیں۔ سابقے تصریفی عمل کے تحت نہیں بنائے جاتے۔

سابقہ	+	ساق	=	لفظی اشتقاق
کم	+	عقل	=	کم عقل
لا	+	علاج	=	لاعلاج
غیر	+	حاضر	=	غیر حاضر
سر	+	بلند	=	سربلند
نو	+	عمر	=	نوعمر
نا	+	پاک	=	ناپاک
بے	+	وفا	=	بےوفا

لاحقہ (suffix)

لاحقہ الحاقیت (affixation) کا دوسرا اہم اُصول ہے۔ جس سے نت نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ لاحقے کے لیے انگریزی زبان میں (suffix) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ لاحقہ ایک ایسا الحاقیہ ہے جس کو کسی ساق الفاظ کے آخر میں لگایا جاتا ہے۔ سابقوں کی طرح لاحقے بھی پابند مارفیم کی مدد سے بنائے جاتے ہیں۔ لاحقے اشتقاقی (derivational) اور تصریفی (inflectional) دونوں رُوپ میں پائے جاتے ہیں۔ تصریفی رُوپ میں عدد، جنس اور حالت ہیں جبکہ اشتقاقی رُوپ میں قواعد میں ہونے والی تبدیلی کی بدولت بہت سے لاحقے اپنی آزادانہ حیثیت بھی رکھتے ہیں جیسے پتنگ بازی میں پتنگ اور بازی دونوں آزاد مارفیم ہیں۔ ایسا ہر دفعہ نہیں ہوتا۔ لاحقے ہندیورپی زبانوں میں کثیر تعداد میں ملتے ہیں۔ لاحقے کی تعریف کچھ یوں ہو سکتی ہے: "کسی مستقل لفظ کے اوآخر میں متصل ہونے والی صوت یا پابند مارفیم کو لاحقہ کہتے ہیں۔" ماضی میں ماہرینِ لسانیات نے سابقوں اور لاحقوں کی مدد سے بے شمار نئے الفاظ بنائے اور آنے والے نئے لسانیات کے ماہرین نے اس ڈگر پر چلتے ہوئے عربی، فارسی، انگریزی اور علاقائی زبانوں کے عام بول چال کے الفاظ کو زبان میں شامل کیا۔ ایسا کرنے سے ہم زبان کی اصلی بناوٹ اور فطرت سے دُور نہیں ہوں گے اور زبان کا دائرہ کار وسیع ہو گا۔

سہیل بخاری سابقے اور لاحقے کے لیے "لگو اور پچھوا" اور گیان چند "چپسیہ" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

تصریفی اور اشتقاقی لاحقوں کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

تصریفی لاحقے

ساق	+	لاحقہ	=	تصریفی الفاظ
لڑکا	+	ے	=	لڑکے
بچہ	+	ے	=	بچے
بوڑھا	+	ی	=	بوڑھی
صوفہ	+	ے	=	صوفے
لڑکا	+	ی	=	لڑکی
کتاب	+	یں	=	کتابیں

اشتقاقی لاحقے

ساق	+	لاحقہ	=	اشتقاقی الفاظ
دکان	+	دار	=	دکان دار
گُل	+	دان	=	گُل دان
عید	+	گاہ	=	عید گاہ
کُوہ	+	سار	=	کوہسار
لوہ	+	ہار	=	لوہار
چنن	+	ہار	=	چنن ہار
مہ	+	یار	=	مہیار

وسطیہ (infix)

نئے الفاظ وضع کرنے میں سابقوں اور لاحقوں کی طرح وسطیے بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ عام طور پر الحاقیت میں پابند مارفیم کا اضافہ کر کے نئے لفظ وضع کیے جاتے ہیں۔ اس عمل کو اشتقاقی عمل کہتے ہیں۔ اشتقاق کی ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ اصل لفظ کے وسط میں کسی مصوتے کا اضافہ کر کے یا اسے تبدیل کر کے معنی و مفہوم میں حسب خواہ تبدیلیاں کر لیتے ہیں۔ یہ حروف مادے یا ساق (stem) کے بیچ میں شامل

کیے جاتے ہیں۔ یہ عمل سامی زبانوں میں عام ہیں لیکن ہندیورپی میں ان کا رواج کم ہے۔ وسطیے الحاقیہ کا تیسرا اہم اُصول ہے۔ اس کو انگریزی زبان میں اِن فِکس (infix) کہا جاتا ہے۔ لفظ کے اندر تبدیلی سے اشتقاقی یا تصریفی لغویہ بنتا ہے۔

لاحقوں کی طرح وسطیے بھی تصریفی اور اشتقاقی دونوں ہو سکتے ہیں۔ آزاد مارفیم / ساق / مادہ کی مدد سے نِت نئے الفاظ بنائے جاسکتے ہیں۔ وسطیے کے بارے میں ہم کچھ یوں کہہ سکتے ہیں: "کسی مستقل لفظ کے درمیان میں آنے والی صوت یا پابند مارفیم کو وسطیہ کہتے ہیں۔" اردو زبان میں اشتقاقی وسطیوں کی مثالیں ہمیں ملتی ہیں لیکن تصریفی وسطیوں کی مثالیں ہمیں کم نظر آتی ہیں۔ انگریزی میں بھی تصریفی وسطیوں کی ایک دو مثالیں ملتی ہیں۔

1. Mother-in-law
2. Father-in-law
3. Daughter-in-law

اشتقاقی صرفیے سابقے بھی ہوتے ہیں، وسطیے اور لاحقے بھی لیکن تصریفی صرفیے صرف لاحقے ہوتے ہیں، انھیں تصریفی لاحقے کہا جاتا ہے۔ اشتقاقی وسطیوں کی مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

ساق / مادہ +		وسطیہ	=	اشتقاقی وسطیہ
مل	+	ے	=	میل
قتل	+	ا	=	قاتل
عشق	+	ا	=	عاشق
چل	+	ا	=	چال

ابتدائیہ انتہائیہ (circumfixes)

ابتدائیہ انتہائیہ لفظوں کو وضع کرنے کا چوتھا اہم اُصول ہے۔ ان کی مدد سے اسموں کو صفت میں یا صفت کو اسم میں تبدیل کیا جاتا ہے۔ ابتدائیہ انتہائیہ کو انگریزی زبان میں سرکم فِکس (circumfix) کہا جاتا ہے۔ جب کسی لفظ، ساق یا آزاد مارفیم کی ابتدا اور انتہا میں کسی پابند مارفیم کا اضافہ کیا جائے تو ایک نیا لفظ وجود میں آئے۔ ابتدائیے اور انتہائیے تصریفی (inflectional) بھی ہو سکتے ہیں اور اشتقاقی (derivational) بھی۔ انگریزی اور اُردو میں اشتقاقی مثالیں زیادہ ملتی ہیں اور تصریفی مثالیں کم۔ اس کے برعکس جرمن زبان

میں ابتدائیے انتہائیے زیادہ ملتے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں: ”ابتدائیہ انتہائیہ ایسا الحاقیہ ہے جس میں ساق اور مادہ الفاظ کے شروع اور آخر میں پابند مارفیم کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جس سے ایک نیا لفظ وُجود میں آتا ہے۔ “ابتدائیہ انتہائیہ کی ایک مثال خوش بودار لفظ ہے۔ جو کہ ساق لفظ بُو کی ابتدا میں خوش کا سابقہ اور انتہا میں دار کا لاحقہ لگایا گیا ہے۔ اگر بُو کے ساتھ خوش سابقہ لگایا جائے تو خوشبو ایک اسم ہے اور خوشبو کے ساتھ دار کا لاحقہ لگانے کے بعد خوشبو دار جو ایک ابتدائیہ انتہائیہ ہے، صفت میں تبدیل ہو جاتا ہے جو کہ ایک اشتقاقی عمل ہے۔ اس طرح کی مزید تراکیب جو تصریفی بھی ہیں اور اشتقاقی بھی، ملاحظہ کیجیے۔

ابتدائیہ	+	ساق	+	انتہائیہ	=	اشتقاقی ابتدائیے انتہائیے
خوش	+	بُو	+	دار	=	خوش بُودار
بے	+	روز	+	گار	=	بے روزگار
بد	+	بُو	+	دار	=	بدبُودار
نا	+	قابل	+	برداشت	=	ناقابل برداشت
نا	+	قابل	+	یقین	=	ناقابل یقین
نا	+	قابل	+	فراموش	=	ناقابل فراموش
نا	+	قابل	+	اعتبار	=	ناقابل اعتبار
غیر	+	ذمہ	+	دار	=	غیر ذمہ دار

ب۔ ظفر اقبال کی شعری متون میں الحاقیت کی مثالوں کا تجزیہ

گلافتاب کی تخلیق سے ظفر اقبال نے شاعری کو ایک لسانی تجربہ گاہ میں تبدیل کر دیا۔ اظہر غوری نے انہیں قادر الکلام اور شاعر الشعراء شاعر کہا۔[6] اس کتاب میں جتنے لسانی تجربے ظفر اقبال نے کیے اتنے تجربے ان کی بعد میں آنے والی کتابوں میں موجود نہیں۔ اس کتاب کی بدولت جتنی تعریفیں لسانی تشکیلات والوں سے ملیں وہیں لغت نویسوں کے ہاں سے بہت سی نکتہ چینیاں ہمارے سامنے آتی ہیں کہ انہوں نے لفظوں کو مسخ کیا۔ ان سب نکتہ چینیوں اور مخالفت کے باوجود گلافتاب کی اہمیت میں کوئی خاص کمی واقع نہ ہوئی۔

"گلا فتاب" کی غزلوں میں ہمیں "الف" کا استعمال ملتا ہے۔ جس کے بارے میں شاعر کا خیال یہ ہے کہ اس نے حرف بطور اضافت استعمال کیا ہے اور آنے والے دوسرے ایڈیشن میں کا، کی کے کا استعمال کیا اور "الف" بطور اضافت استعمال ترک کر دیا اسے حوالے سے ظفر اقبال لکھتے ہیں:

"موجودہ ایڈیشن میں اس لسانی جکڑ بند کو قدرے ڈھیلا کر دیا گیا ہے۔ کیوں کہ اس کے بیشتر مقاصد حاصل کیے جا چکے ہیں مثلاً باقی معاملات کو جوں کا توں رکھتے ہوئے جہاں پنجابی کی جگہ اردو افعال کو بحال کیا ہے۔ وہاں کا، کی، کے، کے بجائے الف کے استعمال کو ترک کر دیا گیا ہے"[7]

گلا فتاب، کا دوسرا ایڈیشن جو 1995 میں شائع ہوا۔ اس میں یہ سب تبدیلیاں کی گئیں۔ یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ گلا فتاب کا پہلا ایڈیشن 1966، میں شائع ہوا، کم و بیش تیس سال کے عرصے کے بعد یہ تبدیلیاں کی گئیں ان تیس برسوں میں وہ کون سے مقاصد تھے جو حاصل کر لیے گئے ہیں۔ مجوزہ مقالے میں ان کے لسانی تجربے میں لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں کا مطالعہ کیا گیا ہے۔ اردو زبان میں جب کسی لفظ کے ساتھ ابتدا میں الف کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ تو مختلف قاعدے سامنے آتے ہیں۔ جو اردو لغت میں درج ہیں۔

i. بطور سابقہ
ii. نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے سنسکرت سے ماخوذ، اٹل، اچھوت
iii. ندا کے لیے اَبے، اَجی
iv. اشارہ قریب، اَب
v. وصفیت، اَحقر، ابرص
vi. تفصیل۔ اَشرف، اکبر
vii. زیادتی کے لیے اَت
viii. مرکبات میں تابع مقدم کا حرف اول۔ اَبرُ، ادھیڑ اڑوس پڑوس[8]

الف بطور سابقہ ایک اصول نفی کا ہے جسے عام طور پر ہندی قاعدہ کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک قاعدہ فارسی کا ہے جس کے تحت کسی بھی لفظ کے ساتھ الف کا اضافہ کر بھی سکتے ہیں اور الف کو حذف بھی کر سکتے۔ مثلاً براہیم کو ابراہیم بھی کہا جاتا ہے اور حسان کو احسان بھی کہا جاتا ہے۔ فارسی میں حذف و اضافہ کے لیے الف کا استعمال موجود ہے۔ ایسی صورت میں ''الف'' متحرک ہوتا ہے۔ الف بطور حرف اضافت

شاعر کی اپنی اختراع ہے۔ اس حوالے سے جابر علی سید لکھتے ہیں۔"الف کو حرف اضافت کے طور پر استعمال کرنا کسی لسانی اصول سے مطابقت نہیں رکھتا۔۔۔ اور یہ زبان کی شکست وریخت کے سلسلے میں ایک انتہا پسند انہ رویہ ہے۔"[9] سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ رویہ انتہا پسندانہ ہے۔ یا خلاقانہ ہے اس کا سوال کا جواب بھی ہو سکتا ہے کہ گلافتاب میں الف بطور حرف اضافت کا استعمال اس لیے کیا گیا ہو جو کہ شعر کی بنیادی ضرورت ہے۔ شاعر کا مطمع نظر یہ ہو کہ لفظ میں تبدیلی سے شعر کی شعریت پر اثر کیا پڑے گا اور اس لفظ کا مروجہ استعمال جو اس سے پہلے تھا وہ بدل جائے گا اور اس لفظ کے بدلنے سے اس میں ایک نیا پن اور تازگی کی کیفیت پیدا ہو گی۔ زبان کا بنا بنایا اسٹرکچر جو عرصہ دراز سے استعمال کیا جارہا تھا پامال ہو گیا ہے۔ اس میں ایک نیا ذائقہ کیسے پیدا ہو گا اس لیے شاعر کا نقطہ نظر جاننا ضروری ہے جب آپ پہلے مردہ الفاظ کو چھوڑ کر اس کی جگہ ایک نیا لفظ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں تو زبان کو توسیع کی اس کوشش کو ہمیں سراہنا چاہیے ضروری نہیں نئے الفاظ میں تاثر ناگوار ہی آئے۔ بعض اوقات خوشگوار تاثر بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر گوہر نوشاہی لکھتے ہیں:

> "ظفر اقبال کے اشعار پر ایک اعتراض یہ کیا جائے گا، کہ صاحب! یہ شاعر اضافتوں حروف اضافت اور بعض دوسرے مواقع پر 'الف' کو استعمال کیوں کرتا ہے۔۔۔۔ تو یہ ایک انفرادی تجربہ ہے۔ جو صرف ظفر اقبال کے ہاں ہمیں نظر آتے ہیں اگر آپ نے اس ایک آدمی کے تجربے کو چیلنج کر دیا تو یہ آپ کی ساری شاعری کو چیلنج کر دے گا۔ بہتر یہ ہے کہ جہاں آپ نے اس قدر لسانی تجربات کی مصیبتیں گلے ڈال رکھی ہیں اور ان سے اردو زبان میں کوئی غلاظت پیدا نہیں ہوئی تو ایک اور سہی ممکن ہے یہ بھی اپنی حیثیت منوالے۔ یونہی چیں بچیں ہونے سے نہ آپ نئے تجربے کو روک سکتے ہیں اور نہ وہ رک سکتا ہے۔"[10]

نئے تجربات کبھی خوشگوار اور کبھی ناخوشگوار احساسات سے دوچار کرتے ہیں۔ ہر نئی چیز ابتدا میں ہی نامانوس ہی ہوتی ہے۔ مگر وقت گزرنے سے آہستہ آہستہ مانوس ہو جاتی ہے۔ اس طرح پہلے سے بننے والے قواعد بھی کبھی نامانوس ہوں گے اور وقت کے ساتھ روایت کا حصہ بن گئے ہوں گے اور ظفر اقبال نے جو 'الف' کا استعمال ایسے کیا ہے کہ ہمیں اضافت سے چھٹکارا مل گیا۔ اگر اس طرح استعمال کیا جائے تو شعر کی شعریت میں نرمی (softness) پیدا ہو سکتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اردو کا ایک اور قاعدہ الف بطور سابقہ کے بارے میں سہیل بخاری لکھتے ہیں:

" اردو زبان کا یہ عام اور ہمہ گیر اصول ہے کہ دوسری زبانوں کے ایسے الفاظ سے قبل
جس کے ابتدائی مرکب میں ابتدائی صفیری آتا ہے الف مکسور کا اضافہ کر دیا جاتا ہے
جیسے سنسکرت میں ستری (عورت)؛ اردو میں استری، سنسکرت ستھان = اردو استھان،
انگریزی سٹیشن = اسٹیشن۔"[11]

ظفر اقبال کی شاعری میں اس قسم کے اصول کا برتاؤ نہیں ملتا۔ اس لیے ظفر اقبال کے اشعار کو ان تینوں قاعدوں کی مدد سے صرفی، صوری اور معنوی حالتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

ے ویراں تھی رات چاند اپتھر سیاہ تھا یا پردہ نگاہ سراسر سیاہ تھا (گلافتاب، ص21)

اس شعر میں نیا اختراع کردہ لفظ " اپتھر " ہے۔ جس کا بنیادی لفظ مادہ(root word)پتھر ہے جو کہ ہندی زبان کا لفظ ہے۔ جو بطور اسم اور مذکر استعمال ہوتا ہے جس کے معنی ریت اور کی کے ذروں کی ٹھوس اور سخت شکل جس کی مسلسل چٹانیں مل پہاڑ بناتی ہیں۔ سنگ حجر وغیرہ مجازاً سخت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پتھر لفظ آزاد مارفیم ہے۔ اس کے ساتھ "الف" کا اضافہ کیا گیا ہے۔

مجوزہ شعر میں لفظ "اپتھر" کو دوسرے ایڈیشن میں چاند کا پتھر کر دیا۔ اب جب چاند کا پتھر کہیں گے تو "کا" کا الف گرایا جاتا ہے۔ اس کو "کپتھر" پڑھا جاتا ہے چاند کا پتھر نہیں پڑھا جانا۔ مجوزہ شعر میں وزن کے مطابق پورا کرنے کے لیے الف کو گرانے کی روایت ملتی ہے جو حرف صحیح "ک" کا استعمال کرنے کی بجائے "الف" کا استعمال کرتے ہیں تو اس کی آواز نرم (soft) ہو جاتی ہے۔ صوتی لحاظ سے کپتھر کے بجائے "اپتھر" کہنا آسان ہے اگر یہ قاعدہ رائج ہو جائے کہ جب آپ "ک" کہنا چاہیں اور الف گرائیں اس کی بجائے "الف" ہی لگا دیں اور وہ "ک" کے معنی دینا شروع کر دے ایسا ہو تو بہت ساری جگہ اشعار میں نرمی (softness) آجائیگی۔ لہذا یہ ایک امکان کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ کا، کی، کے کی مخففات(short form) میں الف کا استعمال کر سکتے ہیں تو یہ شعری ضرورت بھی ہے اور صوتی ضرورت بھی۔ شاعر ظفر اقبال نے تیس سال بعد حرف اضافت کا استعمال ترک کر دیا۔ وہ اگر ایسا نہ کرتے تو آج یہ قاعدہ روایت کا حصہ بن سکتا تھا جیسے مگر میر تقی میر نے آب آب شنیدن کا ترجمہ پانی پانی ہونا کیا، تو یہ لفظ اس زمانے میں اتنا ہی نامانوس تھا۔ جتنا ظفر اقبال کے یہ لفظ۔ آنے والے دور میں یہ محاورہ روایت کا حصہ بن گیا۔ مجوزہ شعر پر ہندی اور فارسی کا قاعدہ لگائیں تو الف بطور حرف نفی لگائیں تو پتھر کے ساتھ "ناپتھر" اور فارسی والا "الف" کا قاعدہ لگنے سے معانی اور اوزان کا مسئلہ حل نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے اس شعر پر الف بطور حرف اضافت ہی استعمال کیا گیا ہے۔ مجوزہ شعر میں شاعر نے مروج قاعدوں سے ہٹ کر نیا قاعدہ بنانے کی کوشش کی ہے۔

ے	آنکھیں تو تھیں سزا اسفر پر گئی ہوئی	بکھرے پڑے تھے حسن کے آثار کس لیے

(گلا فتاب، ص73)

مجوزہ شعر میں نیا تخلیق کردہ لفظ ''اسفر'' ہے جس کا مادہ ''سفر'' سے نکلا ہے جو کہ بطور اسم اور مذکر استعمال ہوتا ہے۔ جس کے معنی باہر جاتا، مسافرت، سیاحت کے ہیں مجازاً اسے مسلسل جدوجہد اور موت کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ سفر ایک آزاد مارفیم ہے جس کے ساتھ " الف" کا اضافہ کیا گیا ہے یہاں الف بطور پابند مارفیم استعمال ہوا ہے۔

ا + سفر = اسفر

(بطور صیغہ نفی) سابقہ + اسم = صفت

مجوزہ شعر میں جب ہندی و سنسکرت قاعدے کے تحت اس لفظ " اسفر" کا صوری، صرفی اور معنوی جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ جیسے چھوت اسم ہے اور اس کے ساتھ 'الف' کا اضافہ اسے اچھوت یعنی صفت میں تبدیل ہو گیا اسی طرح مجوزہ شعر میں یہ لفظ "اسفر" اسم سے صفت میں تبدیل ہو گیا ہے۔ اس سے اس کا قواعدی زمرہ تبدیل ہو گیا ہے۔ یہ عمل، عملِ اشتقاق کہلاتا ہے۔ اب اس کی معنوی حالت کو دیکھتے ہیں مجوزہ شعر میں دیکھیں تو آنکھیں سزا کے سفر پر گئی ہوئی ہیں۔ یعنی سزا کے سفر میں'' کے'' کی بجائے ''الف'' کا استعمال کیا گیا ہے۔ ایسا سفر جو دکھ اور تکلیف کا مجموعہ ہے وہ سفر باعث خوشی نہیں ہوتا وہ سفر سزا ہوتا ہے، یہاں نہ حرف اضافت اور نہ ہی اس میں فارسی قاعدہ استعمال ہوا ہے یہاں پر ''الف'' بطور صیغہ نفی استعمال ہوا ہے۔ سفر کو مسافرت کے معنوں میں استعمال ہونا جبکہ نیا اختراع کردہ لفظ ''اسفر'' دکھ اور غم کی حالت میں سفر کو اسفر کہا گیا ہے۔ یہ ایک خوبصورت اشتقاقی عمل ہے۔ یہ توسیع زبان کا ایک عمل ہے۔ جس کے ذریعے زبان کے سانچے کھانچے بھرے جاتے ہیں۔

ے	سیدھے سیدھے شعر کہتے سب کو خوش آتے ظفرؔ	کیا کیا جائے کہ اپنی عقل میں افتور تھا

(گلا فتاب، ص103)

مجوزہ شعر میں نامانوس لفظ ''افتور'' ہے۔ جس کا مادہ ''فتور'' سے نکلا ہے فتور کا مادہ ''فتر'' ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے جو بطور اسم اردو زبان میں مستعمل ہے۔ جس کے معانی سستی، خرابی، نقص اور کھوٹ کے ہیں فتور ایک آزاد مارفیم ہے۔ جس کے ساتھ الف کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ا + فتور = افتور

سابقہ + اسم = اسم

جب ہندی، فارسی، اردو قاعدہ کے ساتھ شاعر کے قاعدے کے تحت اس لفظ کا صرفی، صوری اور معنوی جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ہندی، اردو اور شاعر کے قاعدے کی بجائے فارسی کا قاعدہ لاگو ہوتا ہے۔ جس کے تحت "الف" کے اضافے سے نہ اس کے معنوں میں تبدیلی واقع ہوتی ہے اور نہ ہی اس کا قواعدی زمرہ تبدیل ہوتا ہے کیونکہ فتور کا لفظ پہلے ہی منفی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ صیغہ نفی لگانا درست نہیں۔ مجوزہ شعر میں شاعر اس بات کا اظہار کر رہا ہے کہ سیدھے سادھے شعر سب کو اچھے لگتے ہیں لیکن میں کیا کروں میری عقل میں فتور ہے۔ اس لیے یہاں فارسی قاعدہ صحیح لگتا ہے فتور کہیں یا افتور کوئی مسئلہ نہیں۔

الف بطور سابقہ (مثالیں)

سابقہ + لفظ / آزاد مارفیم = لفظی اشتقاق

؎ میں بھی شریک مرگ ہوں مر میرے سامنے　　　میرے صدا اپھول بکھر میرے سامنے

(گلافتاب)

ا + پھول = اپھول

؎ کہتے نہیں ہیں اس اسخن میرے آس پاس　　　دیتے نہیں ہیں اس اخبر میرے سامنے

ا + خبر = اخبر

؎ جسم اریگ زار میں شام و سحر صدا کروں　　　منزل جاں تو دور ہے طے یہی فاصلا کروں

ا + ریگ = اریگ

؎ بدن پہ ہے وہی مٹی املبوس　　　نظر مکھ ہے وہی منظر پرانا

ا + ملبوس = املبوس

؎ پڑھی جاتی نہیں خواہش اتحریر　　　ہوا احساس مٹ دفتر پرانا

ا + تحریر = اتحریر

؎ محفل ارونقیں ہوں کہ بازار بت ہجوم　　　یہ دل جہاں بھی ہوا اسے تنہا بتایئے

ا + رونقیں = ارونقیں

؎ یا قتل کیجئے اسے اپنے انام پر　　　یا اجنبی کو شہر کا رستا بتایئے

ا + نام = انام

؎ پتھر کے پاؤں دھو رہیا تھا پانی اپیام ہو گیا میں

ا + پیام = اپیام

؎ چلنے لگے تو وہم اجھکڑ تھے چار سو پایا نشان راہ تو صحرا الٹ گیا

ا + جھکڑ = اجھکڑ

؎ جیسے گئے تھے موت امحفل سے لوٹ آئے ہاتھوں میں آ کے زہر پیالا اُلٹ گیا

ا + محفل = امحفل

؎ جناب وہ اٹھے ہیں کہ روئے زمین اپر انسان اقتدار اتختہ اُلٹ گیا

ا + تختہ = اتختہ

؎ نقاد کہنہ پر اثر شعر نو ہے یہ پڑھ کر غزل غریب ابھیجا الٹ گیا

ا + بھیجا = ابھیجا

؎ تن بھی ننگا من بھی ننگا سورج بھی ہے سخت دھوپ اچادر دے کر کوئی لے گیا کپڑا لتا

ا + چادر = اچادر

؎ بحر سنسان ہے گیر ابغیر دشت ویراں ہے نقش پا کے سوا

ا + بغیر = ابغیر

؎ کیا صبح تھی کہ دل اصدف کا نپتا رہیا سوئے سمندراں اسسکتی صداؤں پر

ا + صدف = اصدف

؎ کیا صبح تھی کہ دل اصدف کا نپتا رہیا سوئے سمندراں اسسکتی صداؤں پر

ا + سسکتی = اسسکتی

ا + نقشہ = انقشہ

؎ سو کر اٹھے تو شہر انقشہ ہی اور تھا چھائی ہوئی تھی موت امستی فضاؤں پر

ا + مستی = امستی

؎ سو کر اٹھے تو شہر انقشہ ہی اور تھا چھائی ہوئی تھی موت امستی فضاؤں پر

ا + نقشہ = انقشہ

ے خواہش کانماں توہے کاہش کارواں توہے　　ول سفر اموج میں قطع شعر نہاں توہے

ا + موج = اموج

ے جس افضا آفتاب جس اھوا آفتاب　　آج اسی دشت میں سر دھویا آفتاب

ا + فضا = افضا

ے دھوپ اچکر بھی وہ راہ اپتھر بھی وہ　　سارے سفر میں میرے ساتھ رہیا آفتاب

ا + چکر = اچکر

ے موج مراد اس سے ہے سارافساد اس سے ہے　　دکھ ادوا آفتاب سکھ اسزا آفتاب

ا + سزا = اسزا

ے میرے بدن احصہ نہیں کوئی میرے ساتھ　　پاکھو گیاہے حرف کوئی میرے نام کا

ا + حصہ = احصہ

ے سورج اساتھ سورہوں کپڑے اتار کر　　مطلب یہی ہے دھوپ اپہلے پیام کا

ا + ساتھ = اساتھ

ے سورج اساتھ سورہوں کپڑے اتار کر　　مطلب یہی ہے دھوپ اپیلے پیام کا

ا + پیلے = اپیلے

ے ٹوٹیا پڑیا ہے، آئنیہ ساجابجا ظفرؔ　　پھاٹک اپاس جس جگہ پودا ہے پام کا

ا + پاس = اپاس

ے بادل اسیاہ سرزمین پر　　بجلی ادرخت سا آگیا تھا

ا + سیاہ = اسیاہ

ے پیڑوں پہ ہوئی تھی برف بارش　　پتھر اپہاڑ بچ رہیا تھا

ا + پہاڑ = اپہاڑ

ے افراتفری مچی ہوئی تھی　　خوشبو اچراغ بجھ گیا تھا

ا + چراغ = اچراغ

ے دیدار انامہ بر کبوتر　　آنکھوں کے گھر مریا پڑیا تھا

ا + نامہ = انامہ

ے آنکھوں میں رکیا حسن اہنگام سفر میں منزل سے بہت دور ہوئی شام سفر میں

ا + ہنگام = اہنگام

ے دل پر خوشی ابوجھ پڑیا اس طرح کہ ہو بادل گھریا ہویا کوئی صحرائے تنگ پر

ا + بوجھ = ابوجھ

ے پانی پہ تیرتا پھریا پتے اطرح میں بارش ہوئی وہ رات کو دل کی امنگ پر

ا + طرح = اطرح

ے پیلی ہواؤں خون اذرہ اڑیا بھی تھا پاگل ہویا یہ شہر ذرا سے نشان پر

ا + ذرہ = اذرہ

ے اپنے لیے ہی آنکھ پردہ ہوں رات دن میں ورنہ آشکار ہوں سارے جہان پر

ا + پردہ = اپردہ

ے ایسے ہے جیسے آنکھ اپتلی کے وسط میں نقشہ بنیا ہویا ہو کسی خواب زار کا

ا + پتلی = اپتلی

ے آسماں پھیلے ہوئے دام اصورت ہے ظفرؔ عکس اڑتے ہیں پگھلتی ہولی پہنائی میں

ا + صورت = اصورت

ے آنکھیں اٹی ہوئی کسی ساحل اریت سے منظر کھلیا ہویا کسی دریا اپار کا

ا + ریت = اریت

ے سورج ڈھلیا ہے گرد اڑاتا ہوا ظفرؔ سارے فلک پہ ابر اٹکڑا کوئی نہیں

ا + ٹکڑا = اٹکڑا

ے کس شے کی طلب لائی ہے دریا اکنارے اسرار ہے کیا چڑھتی ہوئی موج کے مس
میں

ا + کنارے = اکنارے

ے ٹوٹتے پتوں اموسم، ہر طرف چھایا ہویا چاند مرجھایا ہویا سا پھول گہنایا ہویا

ا + موسم = اموسم

ے آگ جنگل میں لگی ہے سات دریاوں اپار اور کوئی شہر میں پھرتا ہے گھبرایا ہویا

ا + پار = اپار

ب شاخوں سے بہت دور شگوفوں ابہت پاس یہ ٹوٹتا بنتا ہو یا آہنگ ہوا میں

ا + بہت = ابہت

ب خزاں اشام تھی یا عکس نو بہار کوئی کہ ابر شاخ ہوا پر کھلیا گلاب ایسا

ا + شام = اشام

ب کس کو خبر کہ پاؤں انیچے زمین ہے کون کس کو پتہ کہ سر پہ گرجتی گھٹا ہے کیا

ا + نیچے = انیچے

ب صدا اسانپ کو سب سامنے عصا کر کے دکھا دیا ہے اور یا میں راستا کر کے

ا + سانپ = اسانپ

ب تعلق تازگی پھولن قبولن ادریا درمیاں اپنارنے کا

ا + دریا = ادریا

ب رنگوں اتمنائی نہ سودائی ہوں رس کا نشہ ہے مرے خون میں بھی ابھی موت کے مس کا

ا + تمنائی = اتمنائی

ب جیسے گل سیاہ بکھرتا ہو عرش پر گرتی رہیں زمین پہ اندھیرے اپتیاں

ا + پتیاں = اپتیاں

ب کس دشت بے کنار سے گزریا ہوں اے خدا سارے بدن میں ریت الہریں سی ہیں رواں

ا + لہریں = الہریں

ب اب میں نہیں تو میرے سوا سب سفر میں ہیں سنتا ہوں ابر سے دل دریا اداستاں

ا + داستاں = اداستاں

ب گویا ابھی وہ خاک اخوشبو میں مست ہے گویا پڑی نہیں ہے نظر اس کی جال پر

ا + خوشبو = اخوشبو

ب نہ شاخ ہوں نہ شجر جانے کس لیے شب بھر خزاں اخواب دکھاتی رہی ہوا مجھ کو

ا + خواب = اخواب

ب کوئی بھی سبز سمندر اصدا پر نہ اٹھا دیکھتا تھا یہ تماشا سر ساحل میں بھی

ا + صدا = اصدا

ے انہیں کناروں انہیں حصاروں میں گوہر خاک بے نشاں ہے
سفر اسورج ڈھلے تو پیلے بدن یں اڑتا غبار دیکھو

ا + سورج = اسورج

ے آیا تھا گھر سے ایک جھلک دیکھنے تیری میں کھو کے رہ گیا تیرے بچوں اشور میں

ا + شور = اشور

ے منزل اموج تھی کہ سروں سے گزر گئی راھوں ارنگ ہے کہ چمکتا ہے پاؤں پر

ا + موج = اموج

ے پیلی پڑی ہے دھوپ نہ صحرا ہی زرد ہے سنسان کا سفر اسراپا بھی زرد ہے

ا + سراپا = اسراپا

ے چہروں ادھند بجھنے لگی چار سو ظفرؔ رنگ ہوائے شام کچھ ایسا ہی زرد ہے

ا + دھند = ادھند

ے صدا کے موڑ سے آگے ہے خشت وخوں اچمک میں چپ رہوں کہ پلٹ جاوں راستا ہی تو ہے

ا + چمک = اچمک

ے اَن بھول ادیکھ انگ آفت نازل ناگاہ نازبو پر

ا + دیکھ = ادیکھ

ے نم نشیں تھی سرمئی سلوٹ کی سنگ آمیز سطح ایک فٹ کے فاصلے پر دو سفید اگلاب تھے

ا + گلاب = اگلاب

ے پٹخ پاٹی پرانی پنکچویشن چیخ چندن اسیدھ افکارنے کا

ا + سیدھ = اسیدھ

ے زباں زادوں ملن موقع مناسب فلک اشگاف ہاہا کارنے کا

ا + شگاف = اشگاف

ے تلاش انعام تن تصدیق تیرہ اسر گرداں ذلیل وخوارنے کا

ا + سرگرداں = اسرگرداں

ے پھسلن پھسل نکال نفس بھوت پھیریاں ھل ہرگ بات برگ اچالاک سانولی

ا + چالاک = اچالاک

ے آخر کار ظفر بھی مرے گا بے افسوسا (تجویز، ص4078)

اس شعر میں نیا تخلیق کردہ لفظ "بے افسوسا" ہے۔ بنیادی طور پر اس غزل میں یہ لفظ پروسا، بوسہ، کھوسہ اور بھروسہ کے قافیے کو طور پر اختراع کیا گیا ہے۔ اس سے ایک طرف تو شعری ضرورت پوری ہوئی ہے دوسری طرف زبان سے پہلے سے موجود لفظ افسوس کے ساتھ سابقہ اور لاحقہ لگایا گیا جس سے لفظ کا ایک نیا تبدیل شدہ روپ سامنے آیا جب کسی لفظ کے ساتھ سابقہ اور لاحقہ دونوں لگایا جائے تو اس عمل کو ابتدائیہ انتہائیہ (circumfix) کہلاتا ہے۔ "افسوس" فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی، غم، رنج اور صدمہ کے ہیں، بعض اوقات یہ لفظ ناکامی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ "بے" کا لفظ حرف نفی کہلاتا ہے یہ فارسی کا سابقہ ہے جو اردو کے ساتھ ساتھ پنجابی میں بھی اسی طرح استعمال کیا جاتا ہے۔

تاریخی اردو لغت جلد دوم میں "بے" کے سابقے کے حوالے سے کچھ یوں درج ہے:

"بے۔ سابقہ نفی واستثنا بلا، بغیر، علاوہ"[12]

فیروز اللغات، فارسی اردو میں "بے" کے حوالے سے یوں درج ہے:

"بی۔ نفی کی علامت"[13]

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد، "مڈھلی پنجابی گرامر" میں 'بے' کے سابقے کے بارے میں لکھتے ہیں:

"نہیں، نہ، ان، ن، ب، بے، نا، ک تے ا، سبھے نفی دے حرف ہیں"[14]

'بے' نفی کا صیغہ ہے۔ اس طرح افسوس کے ساتھ الف کا لاحقہ لگانے سے اسم، اسم کیفیت میں تبدیل ہو گیا اور اس مقطع میں ظفر اقبال خود کو یہ کہہ رہے ہیں کہ ظفر تیرے مرنے پر افسوس نہیں کیا جائے گا یعنی "بے افسوسا" کا لفظ اس کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ جس کے مرنے یا نہ ہونے پر کسی کو افسوس نہیں ہو گا۔

ے کوچ بھی ہم کر جائیں تو رہنا بے افسوسے تم (ترمیم، ص، 3900)

اس شعر میں نیا نامانوس لفظ "بے افسوسے" ہے جو شعری ضرورت کے تحت بنایا گیا ہے۔ ظفر اقبال نے نئے الفاظ بنا کر زبان کے سانچے کو بھرنے کی کوشش کی ہے۔ غزل میں افسوسے، اوسے، کھوسے، کوسے اور سموسے، قافیے بنائے گئے اس غزل میں افسوسے کے ساتھ 'بے' کا سابقہ لگایا گیا ہے جو کہ نفی کی علامت کے

طور پر استعمال ہوتا ہے یہ لفظ "بے افسوسے" میں سابقہ اور لاحقہ دونوں استعمال کیے گئے جو الحاقیت کی ایک قسم ابتدائیہ اور انتہائیہ (circumfix) کہلاتا ہے جس میں لفظ کی ابتدا اور آخر میں حرف یا لفظ لگایا جاتا ہے۔ "افسوس" کا لفظ جیسے کے پچھلے شعر میں بتایا گیا کہ قواعد کی رو سے صفت ہے جو سابقہ لاحقہ لگنے سے اسم کیفیت میں تبدیل ہو گیا۔ اور اس شعر میں شاعر نصیحت کر رہا ہے کہ اگر میں اس دنیا سے کوچ کر جاؤں تو تم افسوس مت کرنا کیونکہ یہی دستور دنیا ہے۔ یہ نئے الفاظ کے بننے کا اشتقاقی عمل ہے۔ جس میں پہلے سے موجود الفاظ سے نیا لفظ بنایا جاتا ہے اور اس سے توسیع زبان کے عمل کو مہمیز ملتی ہے۔

ے خصی ہوں خیال و خواب جن کے　　　　دل کیوں نہ ہو ان کا بے امنگا (رطب یابس، ص30)

اس شعر میں نیا استعمال ہونے والا لفظ بے امنگا ہے۔ جس میں امنگ لفظ کے ساتھ بے بطور سابقہ اور الف بطور لاحقہ استعمال ہوا ہے ایسے میں جب کسی لفظ کے ساتھ سابقہ اور لاحقہ دونوں استعمال ہوں تو اسے ابتدائیہ انتہائیہ (circumfix) کہتے ہیں۔ پہلے سے موجود لفظ جس سے یہ ابتدائیہ انتہائیہ بنایا گیا ہے وہ امنگ ہے، جو کہ سنسکرت زبان کا لفظ او + مگن سے "امنگ" بنا۔ اردو میں یہ بطور اسم استعمال ہوتا ہے جس کے معنی جوش، ولولہ، تمنا، آرزو اور شوق کے ہیں۔ امنگ کے ساتھ لگانے سے امنگا بنا جس کے معنی خوش ہونا کے آتا ہے مگر جب اس کے ساتھ بے کا سابقہ لگایا جو کہ نفی کا صیغہ ہے تو امنگا لفظ نفی کے معنوں میں استعمال ہو گا، یعنی ایسا دل جو خوش نہ ہو۔ جس کے خواب و خیال ناکارہ ہوں تو ان کا دل کیسے خوش ہو سکتا ہے۔

ے سانپ سرخ سلوار یا رینگ رپٹ رنگ روشنیوں　　　　اڑانکار الف اواریت ردانم نانگلی

(گلافتاب، ص123)

اس شعر میں نیا نامانوس لفظ "نانگلی" ہے۔ جو کہ ناگ کے ساتھ 'لی' کا لاحقہ لگایا گیا ہے جو الحاقیت کے زمرے میں آتا ہے پراکرات سے اردو میں ماخوذ ہے اور عربی رسم الخط کے ساتھ بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ ناگ ایک آزاد مارفیم ہے۔ اور 'لی' پابند مارفیم۔ 'لی' کے حوالے سے سہیل بخاری کچھ یوں لکھتے ہیں:

"نسبتی جیسے پنڈی، ستلی"[15]

لی کا لاحقہ کسی شے یا اسم کی نسبت کے لئے استعمال ہوتا ہے اس میں ناگ اسم ہے اور اس کی نسبت نانگلی کا لفظ تخلیق کیا گیا اس شعر میں کوئی معنی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی گی بلکہ آوازوں کے ایک ساتھ رکھنے سے کیسا تاثر آتا ہے یہ دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے لفظ رکھے گئے۔ پنجابی میں رانگلی کا لفظ رنگین کے

معنی دیتا ہے۔ شاعر نے پنجابی قاعدے کے تحت نئے لفظ بنانے کی شعوری کوشش کی ہے اسی طرح ناگ جیسی خصوصیات رکھنے والے کو نانگلی کہا جاسکتا ہے۔ اس طرح یہ لفظ قواعد کی رو سے صفت نسبتی کہلائے گا۔

ے نالی نقش نویلنی خون خرید گلاب گن   چھانٹ چھری چھنکار جھپٹ مرغی مڑمڑ بانگلی

بانگ + لی = بانگلی

ے تن طغیانی تہہ بہ تہہ نیند نواچپ جانگلی   لہرانہر کناروں در دیوار الانگلی

الانگ + لی = الانگلی

ے نالی نقش نویلنی خون خرید گلاب گن   چھانٹ چھری چھنکار جھپٹ مرغی مڑمڑ بانگلی

بانگ + لی = بانگلی

ے تھک تھر تھئی تھل تھر تھرک تھال تھپک تھن تھوبھنا

تھور تھڑی تھم تھامنی تھپ تھیلی تھک تھانگلی

تھانگ + لی = تھانگلی

ے رُت رفتار ابھر عکس بت بیدار کلر بکس   ہرگ ہو اسفید سرپت پگڈنڈی رانگلی

رانگ + لی = رانگلی

ے پاکھر پہنچ پڑاوپل خواب خراب خمار خس   ڈرڈنڈا اس اگاس اڑ بج بندھن سج سانگلی

سانگ + لی = سانگلی

ے زرد پکڑ زر ذائقے ہونجھ ہن ہر ہر پچی   دکھ دامن دریاولا سکھ سبزی مکھ مانگلی

مانگ + لی = مانگلی

ے موج مہورت سوبہ سو فوج فتورت کو بکو   زوج ضرورت موبہ موبانجھ بدن ظفرانگلی

ظفرانگ + لی = ظفرانگلی

ے سروں پہ ٹوٹ پڑا ہے جو آسماں، تو جناب   گھروں سے ناپیے اس کی نہایتیں اب کیا (سرعام، ص554)

شعری زبان عموماً روایت پسند ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی ہر دور کے نثر نگار اور شعرا نے زبان کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا ہے ظفر اقبال کا شمار اس حوالے سے بے حد اہم ہیں۔ اس شعر میں نامانوس لفظ "نہایتیں" ہے۔ جو لفظ نہایت کی جمع ہے اردو میں 'یں' جمع کے صیغے کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس غزل میں جمع کے صیغے 'یں' کے ذریعے نئے قافیے اختراع کیے گئے۔ مثلاً رعایتیں، کفایتیں، حمایتیں، شکایتیں وغیرہ

نہایت، عربی زبان کا لفظ ہے جو قواعد کی رو سے صفت ہے مجازاً اس کے معنی بے انتہا، حد، انجام اور انتہا کے ہیں اس کا مادہ 'نہی' ہے اس سے اشتقاق کر کے نہایت کا لفظ بنایا گیا اور نہایت سے اس کی جمع نہایتیں بنایا گیا۔ کسی لفظ کے ساتھ لاحقہ لگا کر اس کے جمع بنانے کے عمل کو تصریفی الحاقیت کہتے ہیں۔ اس شعر میں نہایت کا لفظ حد اور انتہا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جب آدمی مصیبت میں گھر جاتا ہے تو اس کی شدت، حدود، پھیلاو اور وسعت کا اندازہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے لفظوں کے اس طرح بننے کے عمل کو تصریفی الحاقیت کہتے ہیں۔ اشتقاق کے عمل میں زیادہ الفاظ تصریف کے ذریعے بنتے ہیں۔

ے اہل محفل کی زبانیں ہیں کہ مقراضیں ہیں کاٹتی اور کترتی ہوئیں مطلب سارا

ے ہر طرف یہ جو کرامات ہیں، اعجازیں ہیں ایک سے ایک ہیں پہنچے ہوئے اس شہر کے لوگ

ے آج بھی کوئی اشارے ہیں نہ الفاظیں ہیں کچھ بیانات ہیں ایسے کہ، ظفر، جن کے لیے

ان اشعار میں نئے ایجاد کردہ الفاظ مقراضیں، اعجازیں اور الفاظیں ہیں۔ 'یں' جمع بنانے کا قاعدہ ہے قواعد اردو میں مولوی عبد الحق لکھتے ہیں۔ "مونث واحد الفاظ کی جمع بنانے کے لئے آخر میں (ی ں) بڑھا دیا جاتا ہے جیسے مالن سے مالنیں، کتاب سے کتابیں وغیرہ"[16] اس قاعدے کو سامنے رکھ کر ظفر اقبال نے نئے الفاظ بنائے مگر اگر ان کا بغور جائزہ لیں۔ تو لفظ مقراض مونث ہے۔ اس کے ساتھ 'یں' لگا کر مقراضیں کسی حد تک قاعدے کے تحت آتا ہے مگر اعجاز لفظ مذکر ہے۔ اس کے ساتھ قاعدہ لگانا درست نہیں یہ لفظ بنا کر شاعر نے قاعدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ اس نے مذکر الفاظ کے ساتھ مونث والا قاعدہ استعمال کر کے دیکھنے کی کوشش کی کہ آیا اس طرح سے بھی نئے الفاظ بن سکتے ہیں اس کے علاوہ لفظ "الفاظ" کی جمع الفاظیں بنانا بھی ایک نیا تجربہ ہے۔ لفظ کی جمع الفاظ پہلے ہی موجود ہے۔ الفاظ کی جمع الفاظیں کو جمع الجمع کہا جا سکتا ہے۔ رشید حسن خان "زبان اور قواعد" میں لکھتے ہیں: "اردو میں عام طر پر جمع الجمع کو اچھا نہیں سمجھا جاتا، جیسے القابوں، القابات، الفاظوں، احبابوں، علماوں، اشعاروں (وغیرہ) بلکہ یوں کہیے کہ صحت اور فصاحت، دونوں کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔"[17] لفظ کی جمع اور ان جمع الجمع الفاظ کو رشید خان نے صحت اور مضاحت کے خلاف قرار دیا ہے۔ تاہم شاعر، خاص طور پر اس وقت جب وہ اختراع پر مائل ہو، قواعد اور فصاحت کا پابند نہیں۔ اس تجربے کو شعری جمالیات کی میزان پر پرکھا جائے گا اور اس اعتبار سے ظفر اقبال کا یہ کام آگے کی راہ دکھانے کی ایک کوشش ہے۔

ے وہ اپنے میاں کی وفادار تھی مگر دل اسی پر ہوستارھیا (گلافتاب، ص97)

اس شعر میں نیا اختراع کردہ لفظ ''ہوستا'' ہے جس میں لفظ ''ہوس'' کے ساتھ 'تا' کا لاحقہ لگایا ہے۔ ہوستا کا لفظ کی طرز پر اس غزل کے مختلف قافیے امستا، پھستا، ہوستا، برستا وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ 'ہوس' ایک آزاد مارفیم ہے۔ جو کہ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی شدید خواہش، آرزو اور تمنا کے ہیں یہ لفظ شہوت اور خواہش نفسانی کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے قواعد کی رو سے یہ لفظ اسم ہے۔ فرہنگ آصفیہ میں اسے جنون۔ ضبط اور دیوانگی کہا گیا ہے جب کسی لفظ کے ساتھ ''تا'' کا اضافہ کیا جائے ڈاکٹر سہیل عباس ''بنیادی اردو قواعد'' میں درج ذیل صورتیں بتاتے ہیں:

- تا(ہ)(علامت فاعل)، آتا جاتا(رہگیر) داتا، دینے ولا۔ منگتا(فقیر)
- تا(ہ)(صفت حالیہ) یہ مذکر کے لئے ہے مونث کے لیے (تی)

  اٹھتی جوانی، اترتا چاند
- تا(ہ)(علامت مفعول) جو حالت تانیث میں مستعمل ہے بیاہتا بیوی نکاحتا بیوی
- تا(ہ)(حاصل مصدر) سوجھتا۔ بوجھتا[18]

''تا'' ہندی میں علامت فاعل کے طور پر استعال ہوتا ہے۔ اسی طرح لفظ ہوستا میں ہوس اسم ہے اس کے ساتھ 'تا' لگانے سے فاعل میں تبدیل ہو گیا جس کے معنی للچانا کے ہیں اس اشتقاقی عمل سے ایک نیا لفظ وجود میں آیا۔ اس شعر میں شاعر اپنی محبوبہ کے بارے میں بتارہا ہے کہ وہ اپنے میاں کی وفادار ہے اور اس کا دل اسی کی خواہش میں للچاتا رہتا ہے۔

ے روکو گے تم ہم کریں گے دنگا بن جائے گا بات کا بتنگا (رطب ویابس، ص30)

اس شعر میں ''بتنگا'' ایک نامانوس ذخیرہ الفاظ کی مثال ہے یہ لفظ بنیادی طور پر دنگا، پنگا، گنگا اور پتنگا وغیرہ کے قافیے کے طور پر اختراع کیا گیا ہے۔ جس کی بدولت ایک طرف شعری ضرورت پوری ہوئی اور دوسری طرف زبان میں پہلے سے موجود لفظ ''بات'' سے اسم مکبر ''بتنگا'' بنایا گیا اردو میں جب کوئی بات بڑھا چڑھا کر پیش کی جائے تو اسے بتنگڑ کہا جاتا ہے۔ اس شعر میں بتنگا کا لفظ بتنگڑ کے مترادف کے طور پر استعمال کیا گیا ہے جب لڑائی جھگڑا تو تو میں میں زیادہ بڑھ جائے تو وہ بتنگا یا بتنگڑ بن جاتا ہے اس سے قبل یہ لفظ لغت میں موجود نہیں ہے اس طرح لفظی اشتقاق کے اس عمل کے تحت ایک نیا لفظ وجود میں آیا اور اس کے معنوں تک پہنچنے میں بھی کسی دشواری کا سامنانہ کرنا پڑا اور اس کی قواعدی حیثیت بھی با آسانی طے پا گئی ''بات'' کا لفظ اسم ہے جو کہ ایک آزاد مارفیم ہے اور ''بتنگا'' اسم مکبر۔ اس شعر کے مفہوم میں بنیادی بات یہ ہے کہ ہمیں اگر کچھ

کرنے سے روکو گے تو ہم دنگا کریں گے اس کی وجہ سے بات کا بتنگڑ بن جائے گا۔ اس شعر میں نامانوس لفظ بتنگا ہے جو کہ اسم مکبر بنا اس لفظ کو اگلے باب میں لفظ سازی کے تناظر میں بھی دیکھیں گے۔

ے رت رات ستاروں افق اندوہ کناروں من موج ہوا دوش انو رنگ نشرواں (گلافتاب، ص،122)

ظفر اقبال کے اس خوبصورت شعر میں نیا تخلیق کردہ لفظ "نشرواں" ہے نشرواں میں 'نشر' آزاد مارفیم اور 'واں' پابند مارفیم ہے واں پنجابی زبان میں "والا" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اردو زبان میں بھی 'واں' کا لاحقہ استعمال ہوتا ہے جو کسی شے کی نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔ نشر عربی زبان کا لفظ ہے اس کا مادہ ن۔ ش۔ ر سے ہے۔ یہ لفظ بطور مذکر مستعمل ہے۔ جس کے معنی پھیلاؤ، کشادگی، وسعت کے ہیں اور مجازاً اس سے مراد زندگی ہے۔ پنجابی اردو لغت میں 'واں' کے لاحقے کے بارے میں یوں درج ہے:

i. واں۔ اسم فاعلی کی نشانی۔ والا۔ ابالواں
ii. اعداد کے بعد نسبت بڑھانے کے لئے۔ دسواں
iii. (ضمیر) ہوں۔ آیاواں (آیا ہوں[19]

ڈاکٹر سہیل بخاری 'واں' کے لاحقے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"(ءءں)" نسبتی جیسے اوکوان (بے تلے، محض اندازے سے)

پلٹواں، ڈھلواں، بارھواں، ساتواں، آٹھواں وغیرہ[20]

پنجابی میں نشر کے ساتھ 'واں' کا لاحقہ کسی شے یا اسم کی نسبت کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس شعر میں آوازوں کو ساتھ رکھ کر تجربے کرنے کی کوشش کی ہے۔ بعد میں آنے والی کتابوں میں ان کا استعمال کیا ہے شعر کا معنی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ ایک تاثر دیا گیا ہے۔ نشرواں کا لفظ رنگ کے ساتھ استعمال کیا۔ بات کو اور آواز کو نشر کیا جاتا ہے۔ رنگ کبھی نشر نہیں ہوتا۔ لیکن شاعر نے اس شعر میں آوازوں کو اہمیت دی ہے۔

ے ظفر عریاں ازل افتود دکھ دستور دستاویز بدن بسرام صحرا واں نظر نیلام دریاواں

دریا	+	واں	=	دریاواں

ے دیوار درز دوبدوار ژنگ اثرواں سر سبز بکھر سطح انیرنگ نظرواں

اثر	+	واں	=	اثرواں
نظر	+	واں	=	نظرواں

ے شب شور تماشوں عطر امکان صدا سر پل چھن تہ وبالا عجب آہنگ عصرواں

عصر	+	واں	=	عصرواں	

ے جڑ جنس حرف حرز فنا فرق لپٹ لاگ تج تول دہش دائرہ پاسنگ پتھرواں

پتھر	+	واں	=	پتھرواں

ے سکھ سانجھ صنم سیج سلگ سانس طلب تیغ نج باندھ لرز لائحہ چپ چنگ چترواں

چتر	+	واں	=	چترواں

ے پت پیرہنوں پردہ پری پیکروں پیاس چت چشمہ چلک چاند اُمس انگ ابھرواں

ابھر	+	واں	=	ابھرواں

ے مکھ مہر دمک دودھ چشم چاک زلف زور رت ران دسوں رقص نقش ننگ نتھرواں

نتھر	+	واں	=	نتھرواں

ے تن توڑ لقب ناز خبر خام طفل ترش جم جوڑ کفر قفل ظلم زنگ ظفرواں

ظفر	+	واں	=	ظفرواں

ے چمک چمکارنے شب شیرنے کے مزے محکم الف انجیرنے کے (گلافتاب، ص109)

ظفر اقبال کے اس شعر میں دو نئے الفاظ ہیں ایک شیرنے اور دوسرا انجیرنے اس میں ایک لفظ شِیرنے کا لسانی جائزہ لیا جائے گا۔ لفظ شِیرنے میں 'نے' کا لاحقہ "شِیر" کے ساتھ لگایا گیا ہے۔ شِیر ایک آزاد مارفیم ہے اور 'نے' پابند مارفیم لفظ شِیر مذکر ہے اور اس میں یائے معروف (وہ یائے جو کھل کر پڑھی جائے اس سے پہلے حرف کے نیچے زیر لکھی جائے) ملتی ہے۔ لغوی اعتبار سے، شِیر کے معانی ہیں دودھ وہ رقیق اور سفید و شیریں مادہ جو جانوروں کے تھنوں اور عورتوں کی چھاتیوں سے بچوں کی خوراک کے لئے نکلتا ہے۔ اصطلاحی لحاظ سے اس سے مراد میٹھی ڈش ہے جو دودھ سے بنائی جاتی ہے۔ جیسے شیر خورمہ، شیر مال اور شیر مادر وغیرہ۔ قواعدی اعتبار سے اگر اس لفظ کا جائزہ لیں تو شیر کو اسم کہیں گے جب کسی اسم کے ساتھ 'نے' کا لاحقہ لگایا جائے تو یہ فعل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ شِیرنے یعنی شیر بننے کا عمل۔

لفظ شِیر کی قواعدی حیثیت اسم سے تبدیل ہو کر فعل ہو گی ہے۔ اس لئے یہ لفظی اشتقاق کا ایک عمل ہے جس کے تحت نت نئے افعال بنتے ہیں یہ زبان کے بننے کا عمل ہے۔ اس شعر کے حوالے سے اس کو دیکھیں

توصرف الفاظ کو ان کی آوازوں کے ساتھ رکھ کے شعر بنانے کی کوشش کی ہے۔ جس کا معانی سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ پوری غزل اسی طریقے کے تحت لکھی گئی ہے اسی طرح سے بہت سے نئے افعال وجود میں آئے۔

ے لہولہوٹ سیاہی پھیلویں پھب　　کڈھب کاغذ طلب تحریرنے کے

تحریر + نے = تحریرنے

ے سبز درخت سرخ سکھ سیب جھلمل　　چڑھن چکھ چیرنے کشمیرنے کے

کشمیر + نے = کشمیرنے

ے مہورت ماجرا منظر مناظر　　جس دیواروں تصویرنے کے

تصویر + نے = تصویرنے

ے مہک مکھ مانگ مس مرگ موسم　　تنک تفصیرنے زنجیرنے کے

تفصیر + نے = تفصیرنے

زنجیر + نے = رنجیرنے

ے اندھیرا اندر بکھر بے نام بکل　　نکھر نقشے تڑپ تشہیرنے کے

تشہیر + نے = تشہیرنے

ے سڑک سل سلسلے ننگیں د.بنگیں　　چھتر چھل چھانوے ریگیرنے کے

رہگیر + نے = رہگیرنے

ے ظفر کھر چن کھڑک ترمال تیار　　لپک لم لیٹ کس کفگیرنے کے

کفگیر + نے = کفگیرنے

ے دلدر درمیاں دلدارنے کا　　تلخ تنہا الف انکارنے کا

دلدار + نے = دلدارنے

ے گرج گڑگڑ گھٹا بن باس بجلی　　جھپٹ جھرمٹ جھلس تحریرنے کے

تحریر + نے = تحریرنے

ے دلدر درمیاں دلدارنے کا　　تلخ تنہا الف انکارنے کا

انکار + نے = انکارنے

ے ولادت چھین ویراں تربتر ملے　　رعونت راستہ گلکارنے کا

گلکار + نے = گلکارنے

ے گرم گن پگ پتھر نر لوک نشتر   کندن کچ کارواں تیارنے کا

تیار + نے = تیارنے

ے صفر مشکل بٹا آساں عقوبت   مساوی بے عدد زنہارنے کا

زنہار + نے = زنہارنے

ے مکھٹ مکھ موڑ بے باطن ہو اہڑھ   عرق آغوش کھل ادبارنے کا

ادبار + نے = ادبارنے

ے شکل مٹ شام شک درماندگی دل   گرد گھل مل سوار اغبارنے کا

اغبار + نے = اغبارنے

ے جلن جڑ جان جوکھم جانماں خاک   زہر ذرہ فلک سیارنے کا

سیار + نے = سیارنے

ے سُرج سونا فلک فانوس ملبوس   کرن کانٹاز میں زرتارنے کا

زرتار + نے = زرتارنے

ے معینوں کر کمینوں زرز مینوں   سبق سردارنے سرکارنے کا

سردار + نے = سردارنے

سرکار + نے = سرکارنے

ے کرن کرچی شرک شیشہ ابر سو   جھپک جھولن پلک پندارنے کا

پندار + نے = پندارنے

ے سراپا سربسر تسلیم تردید   کفر کلعنت کلف دستارنے کا

دستار + نے = دستارنے

ے کمر ڈھو بوجھ بوجھل موت مٹی   پکڑ بے گہ جکڑ بیگارنے کا

بیگار + نے = بیگارنے

ے شر رواں شعبدہ صد آگ تقسیم   مرگ پارہ لٹک لہکارنے کا

لہکار + نے = لہکارنے

ے اِدھر واں در اُدھر واں برق بادل دھنکویں دھند پھر پھر پھوارنے کا

پھوار + نے = پھوارنے

ے لہر للکار لکھ لٹ کھر کشتی درس دریا سہم سکھ پارنے کا

پار + نے = پارنے

ے گزرواں گیٹ مٹر کالج کہیں پیٹر نکلواں نازنین نظارنے کا

نظار + نے = نظارنے

ے اشد چشم آسماں اُفتادہ زن ذات مردمچھ ماوراستارنے کا

ستار + نے = ستارنے

ے کڑی کریل انوکھ اندام اگھ سگھ سفر سکھ سلسلہ جھنکارنے کا

جھنکار + نے = جھنکارنے

ے صدف صف ریت رقص ارژنگ آہنگ تماشا تیرھواں صدبارنے کا

بار + نے = بارنے

ے چتر چونگ چپ اندر اباہر طلسم اقرارنے آزارنے کا

اقرار + نے = اقرارنے

آزار + نے = آزارنے

ے سبک سڑ کھال کھولاہٹ دھواں دھوڑ عبث عشرت عذاب انگارنے کا

انگار + نے = انگارنے

ے مکھٹ مکھ موڑ بے باطن ہوا ہڑھ عرق آغوش کھل ادبارنے کا

ادبار + نے = ادبارنے

ے ہر للکار لک لشکن لرزواں دمک ہونٹن گھر گفتارنے کا

گفتار + نے = گفتارنے

ے جبر جولاں جڑت جنجال جلوہ عشق عیار عالم عارنے کا

عار + نے = عارنے

ے پشم پاکول من مانی ملائم کھدر کھب کھردار بازارنے کا

بازار + نے = بازارنے

ے نرم نیر نگیاں نیر نگ چھب چھید نقش دکھ دوروواں ویدارنے کا

دیدار + نے = دیدارنے

ے اترویں رنگ رسویں دھم دھمک دھوپ پکھرواں بن ثمر اثمارنے کا

اثمار + نے = اثمارنے

ے لتھڑیراں لنگاران گھڑ حمل ہول چمکواں گولواں پرکارنے کا

پرکار + نے = پرکارنے

ے چھٹکویں چھاؤں دھوپ آشوب اگ بوند بدی بادل عجب آثارنے کا

آثار + نے = آثارنے

ے نرم سبزہ گرم گل شادماں شاخ چمن چکھ چونچلا تکرارنے کا

تکرار + نے = تکرارنے

ے قفل شکنی کفر شکنی برابر پتھر پکھ راستہ ہموارنے کا

ہموار + نے = ہموارنے

ے لجاجت لجلجی لنجی لجیلی گریاں گیر نادرکارنے کا

درکار + نے = درکارنے

ے کھڑے کھیتیاں رڑے ریتاں تناظر سبز سورج سراب اطورنے کا

اطوار + نے = اطوارنے

ے فرق فقداں دونویں آگ عورت جسم چادر تماشانارنے کا

نار + نے = نارنے

ے کھڑک کھڑکا دھڑک دھڑکا اہرپل مزہ مدہم پریشاں پیارنے کا

پیار + نے = پیارنے

ے سفر سیتستیوں اس پیش پیکار سمندر سامنے مجھ یارنے کا

یار + نے = یارنے

ے پہنچ پہنچے ٹھک ٹھوڑی ہوس ہاتھ ترس تحریر نابیکارنے کا

بیکار + نے = بیکارنے

ے فزوں تر فاصلہ راتوں براتوں الٹ پلٹا اثر اصرارنے کا

اصرار + نے = اصرارنے

ے مچل موجاں رکاوٹ نہر دوھی طلب تیشہ پتھر پیکارنے کا

پیکار + نے = پیکارنے

ے تعلق تازگی پھولن قبولن ادریادر میاں اپنارنے کا

اپنار + نے = اپنارنے

ے سنور سو شہر خواب ارواح تعبیر جنگل جذبہ بدن بیدارنے کا

بیدار + نے = بیدارنے

ے چتر چاتر چشم مینسز بہانہ دروں در بازنے عیارنے کا

عیار + نے = عیارنے

ے امید افتادگی فرقت فریبی چپڑویں چپ انداز اقرارنے کا

اقرار + نے = اقرارنے

ے مرض مجبوروان مختاروان مکھ چھپاواں چھل عشق عطارنے کا

عطار + نے = عطارنے

ے ارن بوسہ مڑن جبھی چڑن جان اندھیرا آنگن الف انوارنے کا

انوار + نے = انوارنے

ے مڈلواں مسخرا مسجد شکن مست تلذذ تجربہ مینارنے کا

مینار + نے = مینارنے

ے برس بجلی بسنت ارژنگ رنگ ڈھنگ مزاملبوس تن تیوہارنے کا

تیوہار + نے = تیوہارنے

ے جتن جنجال جڑ گہری گہنری سنہری سیب عیش انبارنے کا

انبار + نے = انبارنے

ے زناز نگار جیتا جاگتا جس بدن بستر ہوس بنجارنے کا

بنجار + نے = بنجارنے

؎ وصل وبخاروہمی بھیڑیا بھوک نپل نزد دیکنے خونخوارے کا

خوانخوار + نے = خوانخوارنے

؎ کڑک بجلی بھڑک شعلہ دھڑک دھوپ بدن بادل امڈ کہسارنے کا

کہسار + نے = کہسارنے

؎ لکڑویں لاگ بن بیٹھن چمن چوک گل اندر گل اخوں فوارنے کا

فوار + نے = فوارنے

؎ تنک تنبیہ تروپے توڑلب لاگ جس چنگاہ جٹ گلنارنے کا

گلنار + نے = گلنارنے

؎ سیہ سنگیت سنگیں گھٹا گھاس ہوس ھنکارنے ملہارنے کا

ملہار + نے = ملہارنے

؎ اگن انگار بجھ بھڑکن ایستان کلپ کندن کلیجہ ٹھارنے کا

ٹھار + نے = ٹھارنے

؎ عناں گیر اندنی کسویں زنازین امیداں سوبہ سور رہوارنے کا

رہوار + نے = رہوارنے

؎ شہد شنگار چپ چنگار لب لمس نتھرواں نم مگس گنجارنے کا

گنجار + نے = گنجارنے

؎ چمن وادی گلو گل داکھ عیوار دمن درہ دخل دشوارنے کا

دشوار + نے = دشوارنے

؎ کدورت کارکج بنیاد خوخشت اسر سودا محل معمارنے کا

معمار + نے = معمارنے

؎ عقوبت اژدھا کھچ کھال کھڑتال سرک سکھ رینگ ریشم غارنے کا

غار + نے = غارنے

؎ کھلن کھوج آسن اندام آبگنیہ لہو باغ آرزو تاتارنے کا

تاتار + نے = تاتارنے

ے چھلک چھٹ آنگنی عریاں عمارت — سخت سٹ سانولا مسمارنے کا

مسمار + نے = مسمارنے

ے اڑی اڑیل اٹھک بیٹھک سڑک سچ — اتھک آثارنے اسوارنے کا

اسوار + نے = اسوارنے

ے دہک دوذخ مہک جنت زہر زہر — تضاد اندوہ شب شلوارنے کا

شلوار + نے = شلوارنے

ے دھنک دھندلا ہٹیں آگے اپیچھے — قتل قالین کٹ تلوارنے کا

تلوار + نے = تلوارنے

ے بھنور بھونچال اندھ اندھیر سفنا — چندر چیو چمک منجدھارنے کا

منجدھار + نے = منجدھارنے

ے دیا دکھتا لیا چپ چور لت پت — خلش خاک آئینہ بیوپارنے کا

بیوپار + نے = بیوپارنے

ے دھمکویں دھاندلی اوپر اینچے — دمکواں درد استغفارنے کا

استغفار + نے = استغفارنے

ے شبو شب کلبہ رانی آب پاشی — فصل پھولاں پھٹکواں کیارنے کا

کیار + نے = کیارنے

ے چلکویں چیز چڑھ چوگان چومکھ — کرن قابو برگ ہشیارنے کا

ہشیار + نے = ہشیارنے

ے بدنویں برف دیواری پگھلویں — وصل ویہڑ انفس نچکارنے کا

نچکار + نے = نچکارنے

ے حسن قلعہ ہوس محصور مفتوح — تقاضا ترسیہ سالارنے کا

سالار + نے = سالارنے

ے فتح فرماں جاری چار کھونٹوں — قتل قید ارزنی کفارنے کا

کفار + نے = کفارنے

؎ تبر تفصیر اول آرزو رُکھ — ہر اہر یالیا سنگسارنے کا

سنگسار + نے = سنگسارنے

؎ زہر زارد آسماں گہرا جنگل سبز — جھلک جھیل آئینہ لشکارنے کا

لشکار + نے = لشکارنے

؎ سروسر بے ہوا بے بو گھمر گھاس — پھبن پھل پھولنے گلزارنے کا

گلزار + نے = گلزارنے

؎ تپش تلووں تماشا نوبتو تنگ — برفتی بوندنوں خس خارنے کا

خار + نے = خارنے

؎ برسوں روپ رسویں خواب خوشبو — ڈلک ڈالی سبز مہکارنے کا

مہکار + نے = مہکارنے

؎ سمٹواں سوگ سرکنڈوں داندر — مسرت کوئلہ چنگارنے کا

چنگار + نے = چنگارنے

؎ سبز سیکھ آہٹوں رنگ رویتی رو — زرد نگین ہنر سنسارنے کا

سنسار + نے = سنسارنے

؎ بدن بت باردا مستقبل امکان — شفاف آنکھوں عکس جھلکارنے کا

جھلکار + نے = جھلکارنے

؎ نچڑویں نیند جل تھل جلد جم جام — جرس جھونکا برس بیدارنے کا

بیدار + نے = بیدارنے

؎ صبر سرسام گردش گات گن گیر — ٹھنک ٹھنڈ کارنے سر دھارنے کا

دھار + نے = دھارنے

؎ بھڑک ٹھنڈک تھرک تھکوویں چھنک چھینک — عجیواں عطرنک نسوارنے کا

نسوار + نے = نسوارنے

؎ مکرواں مدعی ملزم مصرواں — عدلت آئینہ زنگارنے کا

زنگار + نے = زنگارنے

ے سلگ ساڑ آ ھلناان سن اچنبھا   نتھر نازیب ننگ اخبارنے کا

اخبار + نے = اخبارنے

ے امشکل پیروی انجان ایجاد   مگن میتھڈ عجب اشعارنے کا

اشعار + نے = اشعارنے

ے کلر فل کی کریش لینڈنگ آب انداز   تعب تخلیق رم رفتارنے کا

رفتار + نے = رفتارنے

ے گریزاں گفتنی افتور دستور   اھمت حوصلہ درکارنے کا

درکار + نے = درکارنے

ے لفظ لالاک آفت آفرینش   صبر سونک ستر اظہارنے کا

اظہار + نے = اظہارنے

ے پٹخ پاٹی پرانی پنکچویشن   چیخ چندن اسیدھ افکارنے کا

افکار + نے = افکارنے

ے طرز طوفاں اکیل احساس راوی   پتن پیلا کرب کردارنے کا

کردار + نے = کردارنے

ے زباں زادوں ملن موقع مناسب   فلک اشگاف ہاہاکارنے کا

ہاہاکار + نے = ہاہاکارنے

ے طفل تنقیص ہنگامہ ھدف حال   جگر جلوہ علمبر دارنے کا

علمبر دار + نے = علمبر دارنے

ے ظفر بے انت بڑباتاں بتنگر   بطن بے کارنے بے چارنے کا

بے چار + نے = بے چارنے

ے تلاش انعام تن تصدیق تیرہ   اسر گرداں ذلیل وخوارنے کا

خوار + نے = خوارنے

ے گھڑی گھٹگھوں رجپ جادو جدائی   متن مجبورنے مختارنے کا

مختار + نے = مختار نے

؎ بٹوے کو مرے لے اڑا کون ڈی سی آفس کے بس سٹاپا (رطب ویابس، ص22)

اس شعر میں لفظی اشتقاق کی ایک صورت اشتقاقی الحاقیت پائی جاتی ہے۔ اس شعر میں نیا ایجاد کردہ لفظ 'سٹاپا' ہے جس میں انگریزی کے لفظ stop کو ترجمہ کرنے کی بجائے اسے مستعار الفاظ کے طور پر اردو میں جوں کا توں شامل کر لیا گیا ہے جیسا وہ source language میں موجود تھا۔ سٹاپ (stop) ایک آزاد مارفیم ہے اور اس کے ساتھ اردو کا لاحقہ (پابند مارفیم) الف کا اضافہ کر کے اردوایا گیا اس طرح ایک نیا لفظ کا اختراع ہوا۔ الف کے لاحقے کے حوالے سے مختلف زبانوں میں مختلف قواعد مختلف لغات میں ملتے ہیں۔ تاریخی اردو لغت جلد اول میں الف کے لاحقے کے حوالے سے کچھ یوں درج ہے:

"ا" ہو اور لفظ کے آخر میں آئے

ندا کے لیے جیسے: ساقیا، ناصحا، پترا[21]

سہیل بخاری "اردو کی زبان" میں لکھتے ہیں: "اردو کے کثیر تعداد اسما وصفات کا خاتمہ آ، نہ صرف پنجابی میں ملتا ہے بلکہ مرہٹی میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً گھوڑا، لڑکا وغیرہ"[22] فارسی اردو لغت میں بھی الف کا لاحقہ بطور ندا استعمال ہوتا ہے۔ ان اقتباسات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ 'آ' کا لاحقہ فارسی، اردو، پنجابی اور مرہٹی چاروں زبانوں میں ملتا ہے اور بطور حرف ندا استعمال ہوتا ہے۔ اس شعر میں مفہوم یہ سامنے آتا ہے۔ ڈی۔ سی جو شہر کا مالک اور رکھوالا سمجھا جاتا ہے اس کے آفس کے سامنے والے بس سٹاپ کو مخاطب کر کے کہا کہ اے بس سٹاپا تو ہی بتا کہ میرا بٹوا کون لے گیا۔ اس میں استعمال ہونے والا لاحقہ طویل مصوتے کی آواز دیتا ہے جو کہ اس شعر میں صدا کی طوالت اور شدت کو ظاہر کرتا ہے۔

اس شعر میں اشتقاقی الحاقیت کے ساتھ ساتھ لفظ سازی کی دوسری قسم مخففات کا استعمال بھی ملتا ہے۔ (DC) ڈی سی مخففات ہے۔ اس سے توسیع زبان کے عمل میں تیزی ملتی ہے۔

؎ کوئی برستا رہیا قہرویں گھٹا بن کر کوئی ترستا رہیا عمر بھر ہمارے لیے (گلافتاب، ص30)

اس شعر میں نامانوس لفظ "قہرویں" ہے۔ جس میں لفظ قہر کے ساتھ "ویں" کا لاحقہ لگایا گیا ہے۔ قہر کا لفظ قواعد کے اعتبار سے اسم ہے عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ظلم وستم، عذاب، غصہ اور آفت کے ہیں اردو میں "ویں" کا لاحقہ عدد لکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ "ویں" کے استعمال کے حوالے سے ابواللیث صدیقی لکھتے ہیں۔ "جن کلمات کے آخر میں "ویں" ہو اکثر مونث بولے جاتے ہیں مثلاً ساتویں، آٹھویں، نویں وغیرہ"[23] اکثر

مونث الفاظ کے ساتھ "ویں" لگانے سے صفت عددی میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس پنجابی زبان میں "ویں" کا لفظ صفت بنانے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ پنجابی میں مذکر اور مونث دونوں طرح کے الفاظ کے ساتھ صفت بنایا جاتا ہے۔ قہر کا لفظ مذکر ہے اس کے ساتھ "ویں" کا لاحقہ لگا کر نیا لفظ "قہرویں" بنایا گیا ہے۔ اسم قہر کے ساتھ "ویں" کا لاحقہ لگانے سے اسم سے صفت میں تبدیلی واقع ہوگئی۔ اس لفظ کے معنوں تک پہنچنے میں کسی دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا یعنی قہر والی گھٹا۔ ایک زبان کے لفظ کو دو زبانوں کا قاعدہ لگا کر نئے الفاظ پہلے بھی بنائے جاتے رہے ہیں۔ مثلاً کتاب عربی زبان کا لفظ ہے۔ کتب کا لفظ عربی زبان میں بطور صیغہ جمع استعمال ہوتا ہے۔ مگر اردو میں کتب کا لفظ رائج ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ ہندی قاعدے کے تحت "یں" لگا کر کتابیں کا لفظ بنایا گیا۔ اردو میں عربی اور ہندی قاعدے دونوں سے بننے والے الفاظ مستعمل ہیں۔ ظفر اقبال نے اردو کو ایک نیا قاعدہ دیا۔ جو بظاہر رواج کے خلاف ہے۔ مگر یہ ایک منفرد عمل ہے۔ اس لفظ کو سلینگ کی سطح پر استعمال کیا جارہا ہے۔ زبان کی بڑھوتری کا اہم عمل ہے۔ جس سے علاقائی زبانوں سے قواعد لے کر اردو زبان پر لاگو کیا گیا اور اردو میں صفت بنانے کا ایک اور طریقہ سامنے آیا جو زبان کی ارتقا کا ایک عمل ہے۔

زبان میں تصرف کا عمل عام آدمی نہیں کر سکتا۔ ایسا فصاحت اور بلاغت کے اصولوں کے خلاف ہے۔ تصرف کرنے والا زبان کا عالم ہو۔ تو وہ نئے اضافے کر سکتا ہے۔ ابو اللیث صدیقی اس حوالے سے "جامع القواعد" حصہ صرف میں لکھتے ہیں:

> "فصاحت اور بلاغت کا بھی بنیادی اصول یہی ہے ہاں اس قسم کے تصرفات کے لئے یا اضافوں اور نئے مشتقات کے لیے تصرف کرنے والے یا اضافہ کرنے والے اہل زبان کے نزدیک معتبر ہوں۔ ہر شخص کو چاہیے، وہ اہل زبان ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے تصرف کے لئے آزاد نہیں سمجھا جا سکتا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس قسم کے تصرف کی مماثل مثالیں پہلے سے زبان میں موجود ہوں۔"[24]

یہ بات درست ہے کہ ہر شخص تصرفات نہیں کر سکتا۔ اس کے لئے اہل زبان ہونا ضروری ہے۔ ظفر اقبال کو زبان کا شاعر کہا جاتا ہے۔ اس لئے ان کے ہاں پنجابی زبان کے قواعد اور بول چال کی زبان کے اثرات ان کی اردو شاعری میں ملتا ہے یہ زبان کے نشوونما کا ایک اہم عمل ہے۔

؎ منزل تو سر بسر کہیں پیچھے ہی رہ گئی   اب کے کچھ اس طرح کی تھیں اپنی سفر نیاں (تخفیف، ص3915)

اس شعر میں شاعر نے بہت سے نئے قافیوں کا اختراع کیا مثلاً کرنیاں، اترنیاں، مکرنیاں، ڈرنیاں، دھرنیاں، گزرنیاں، سفرنیاں، چرنیاں اور بھرنیاں وغیرہ۔ ان قافیوں کو شعری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے بنایا گیا کسی چیز کی حالتوں کو ظاہر کیا گیا ہے۔ سفرنیاں کا لفظ سفر کرنے کی حالت کو بیان کیا گیا۔ یہ لفظ مسافتوں کے معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ شاعر اور تخلیق کار کو نت نئے تجربوں سے کرنے سے روکا نہیں جا سکتا۔ ظفر اقبال نے اس غزل میں ایک لفظ سے قافیہ اور ردیف دونوں کا کام لیا ہے۔ اس حوالے سے ''شعر الہند'' میں مولانا عبد الستار ندوی لکھتے ہیں: 'قافیہ کا ایک بڑا حسن یہ ہے کہ ایک ہی لفظ سے قافیہ وردیف دونوں کا کام لیا جائے''[25] یہ بھی قافیہ سازی کا اہم طریقہ ہے۔ جیسے شاعر اور تخلیق کار اسے اپنی غزلوں میں استعمال کرتے ہیں۔ اس غزل میں بھی پنجابی لہجے اور انداز گفتگو کی واضح جھلک ملتی ہے۔ اس شعر میں شاعر منزل کے پیچھے رہنے کا ذکر کرتا ہے اب زندگی سفر کرنے کی حالت میں ہے زندگی دراصل ایک سفر ہے اور منزل پر پہنچ کر آگے بڑھ گئے۔

؎	ہر روز چڑھنیاں کہ فلک سے اترنیاں	دیکھے جو کوئی آکے تیری کام کرنیاں
؎	کچھ یاد بھی دلا کے نہیں اپنی سرخ روئی	تجھ سے بھی تیز تر یہ تری کہہ مکرنیاں
؎	منہ زور چلنیوں سے زیادہ ٹھہرنیاں	خواب دروں سے جاگنیاں اور ڈرنیاں
؎	ساکت ہیں آسماں دز میں اور دم بہ خود	اس دل کی خاک پر یہ تیری پاؤں دھرنیاں
؎	آنکھوں کو انتظار ہی رہتا ہے، اور پھر	اس راہ گزر سے تیری اکثر گزرنیاں
؎	منزل تو سر بہ سر کہیں پیچھے ہی رہ گئی	اب کے کچھ اس طرح کی تھیں اپنی سفرنیاں
؎	پانی بھی پینیاں ہیں کسی اور طرح کی	اپنی ہی طرز کی ہیں مری گھاس چرنیاں
؎	جاری ہیں، کچھ مراد بھی ملتی ہے یا نہیں	اپنے ہی آستانے پہ اپنی پسرنیاں
؎	کرتے ہیں کام سوچ سمجھ کر ہی اب، ظفرؔ	معلوم کرنیوں سے جو آگے ہیں بھرنیاں
؎	مرچ مسالے تو پورے تھے	ذرا کچیری تھی قتلمی (رطب و یابس، ص 84)

اس شعر میں ظفر اقبال نے لفظ ''قتلمہ'' کا 'ہ' ہٹا کر 'ی' یائے معروف کا اضافہ کر کے ایک نیا لفظ ''قتلمی'' تخلیق کیا۔ قتلمہ ایک لاہوری روایتی ڈش ہے۔ جس میں ایک بڑی سی روٹی پر مسالہ لگا کر تلا جاتا ہے۔ کسی بھی لفظ کے آخر میں یائے معروف بطور لاحقہ استعمال کرنے سے لفظ درج ذیل تبدیلی آتی ہے۔ جو ''جامع القواعد'' حصہ صرف میں بتائی گئی ہیں:

"اردو میں 'ی' کی معنوی اور صوتی حیثیت تابع کلمہ کی سی ہے۔ اس کے معنی بالذات کچھ بھی متعین نہیں۔ لیکن اردو میں بطور کلمہ کے یہ مختلف معنی کا اضافہ کرتا ہے مثلاً

1- معنی اضافی نسبتی ترک، ترکی، پاکستان، پاکستانی، شہر، شہری

2- معین تانیث (یہ تبدیل الف مذکر) گھوڑا، گھوڑی، بکرا، بکری

3- معنی تصغیر (بلا صوتی تصرف کلمہ بالذات) روٹ، روٹی

4- معنی اسم از صفت سرخ، سرخی زرد، زردی، خوب، خوبی[26]

ان اصولوں کو مد نظر رکھ کر لفظ "قتلمی" کو دیکھا جائے تو "قتلمہ" سے لفظ "قتلمی" اس سے اسم تصغیر بننے کا عمل دکھائی دیتا ہے۔ قتلمہ ہیت کے حساب سے کافی بڑا ہوتا ہے اس لیے اسے اسم مکبر کہیں گے اور "قتلمی" کو اسم تصغیر۔ مولوی عبد الحق اس کلیے کے حوالے سے "قواعد اردو" میں لکھتے ہیں: "اسم کی تصغیر 'ی' یائے معروف کے اضافے سے بنتی ہے۔ مثلاً ٹوکری، رسی، شیشی وغیرہ"[27] قتلمہ سے قتلمی بننے کے عمل کو لفظی اشتقاق کا عمل کہتے ہیں۔ اس شعر میں قتلمی کے کچے ہونے کا ذکر کر رہا ہے کہ مرچ مسالے پورے ہیں لیکن پوری طرح پکی ہوئی نہ تھی۔

ے بے صبری جنہیں کہتے ہو، دیکھو تو انھی کے　　اطوار ابھی تک ہیں صبوری کی طرح کے (توسیع، ص3603)

اس شعر میں لفظ "صبوری" میں لفظ "صبور" کے ساتھ یائے معروف لگا کر نیا لفظ "صبوری" بنایا گیا ہے۔ صبور عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ صبر سے نکلا ہے جو کہ بطور صفت استعمال ہوتا ہے یعنی بہت صبر کرنے والا، یہ اللہ کا صفاتی نام ہے۔ یہ بطور اسم اور مذکر بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس شعر میں صبوری کو لفظ صبور سے نسبت دی گئی اور بطور صفت استعمال کیا گیا ہے۔ اس شعر میں کہا گیا ہے کہ جن لوگوں کو تم بے صبرا کہتے ہو تم اگر ان کے طور اطوار پر غور کرو تو وہ صبر والے نظر آتے ہیں۔ صبوری کا لفظ بطور صفت نسبتی کے استعمال ہوا ہے۔

ے محبت اور جاڑا زور کر آئے ہیں دونوں　　سو، اس رُت میں کوئی صورت لحافی چاہتا ہوں

لحاف + ی = لحافی

ے کچھ اس کے رویے نے بھی ڈالا ہے خلل سا　　کچھ ہے بھی دماغ اپنے فتوری کی طرح کے

فتور + ی = فتوری

ے کچھ نکالی ہے، کچھ گھسیڑی ہے　　کوئی توشے کہیں بنیڑی ہے

گھیسر + ی = گھیسڑی

؎ اس مصیبت کو اور کچھ نہ کہو آپ نے یہ آپ ہی سہیڑی

سہیڑ + ی = سہیڑی

؎ وہ تھپیڑا ہے یا تھپیڑی ہے سخن آرائی اجنبی نہیں کچھ

تھپڑ + ی = تھپیڑی

؎ وہ بھی ہیں جلد باز کچھ تو ظفر یا فقط میں ہی ناصبورا ہوں (تنصیب، ص3404)

اس شعر میں موجود ایک نیا لفظ ''ناصبورا'' ہے جو کہ ایک ایک آزاد مارفیم ہے۔ نیا لفظ پہلے سے موجود لفظ کے ساتھ پابند مارفیم کے اضافے سے بنتا ہے اس نئے لفظ میں دو پابند مارفیم کا اضافہ کیا ہے۔ ایک لفظ کی ابتدا میں دوسرا لفظ کے آخر میں۔ ابتدا میں شامل ہونے والے کو ابتدائیہ یا سابقہ کہیں گے اور آخر میں شامل ہونے والے کو انتہائیہ یعنی لاحقہ کہیں گے۔ اور آخر میں شامل ہونے والے کو انتہائیہ یعنی لاحقہ کہیں گے جب کسی لفظ کے آگے اور پیچھے الفاظ یا حروف کا اضافہ کیا جائے اس عمل کو انگریزی میں circumfixes اور اردو میں ابتدائیہ انتہائیہ کہیں گے۔ ناصبورا کا لفظ ایک ابتدائیہ انتہائیہ ہے صبور عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی صبر کرنے والا ہے۔ جب اس کے ساتھ 'نا' کا سابقہ لگانے سے بے صبرا کے معنی دیتا ہے۔ 'نا' صیغہ نہیں اور نہ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جب کسی لفظ کے آخر میں الف کا اضافہ کریں۔ فارسی، اردو اور پنجابی تینوں کے قواعد کے مطابق الف لفظ کے آخر میں فاعل کے طور پر استعمال ہوتا ہے ابو اللیث صدیقی ''جامع القواعد'' میں لکھتے ہیں: ''ا: فارسی۔ اردو میں فارسی الفاظ میں بطور علامت فاعل دانا۔ بینا، جویا، گویا۔''[28] ناصبور کے ساتھ الف لگانے سے فاعل بنتا ہے ایسا شخص جس میں صبر نہ پایا جائے اسے ناصبورا کہیں گے اس شعر میں صرف میں ہی بے صبرا نہیں بلکہ اس کا محبوب بھی بہت جلد باز ہے۔

؎ آجاتے ہو روز کے روز ایسے بے تسکینے ہو (ترمیم، ص3901)

اس شعر میں ''بے تسکینے ''ایک نیا اختراع کردہ لفظ ہے۔ جو کہ ایک ابتدائیہ انتہائیہ (circumfix) ہے۔ اس میں تسکین ایک آزاد مارفیم ہے۔ جو عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ (root) سکن سے نکلا ہے جس کے معنی آرام دینا کے ہیں۔ یہ لفظ مونث استعمال ہوتا ہے۔ تسکین کے معنی نوراللغات جلد اول میں ڈھارس اور اطمینان کے دیئے گئے ہیں جب تسکین کے ساتھ ''بے' 'کا سابقہ لگائیں گے تو تسکین منفی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ابو اللیث صدیقی'' جامع القواعد'' حصہ صرف میں لکھتے ہیں: ''بے: ہند آریائی

بمعنی بغیر۔ نفی کے معنوں میں اردو میں بہت عام ہے عربی ، فارسی اور پراکرتی کلمات سب کے ساتھ آتا ہے۔"[29]اسی طرح جب کسی لفظ کے آخر میں 'بے 'کا اضافہ کرتے ہیں تو یہ یائے کبھی خطابی کبھی نسبتی اور کبھی فاعلی مفعولی وغیرہ میں آتی ہے بے تسکینے میں "بے"کا اضافہ اسے خطابی لہجہ میں کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے کہ تم ہر روز آجاتے ہو ایسے بے تسکینے ہو یعنی جیسے کوئی سکون نہ ہو۔ یہ اشتقاق کا انتہائی اہم عمل ہے۔ جس کے ذریعے نئے نئے الفاظ بنتے ہیں۔

ے مجھے اور کچھ بھی نہیں چاہیے ہے میں جس دن سے اس کی تمناستاہوں (اطراف، ص،960)

اس شعر میں ایک نیا اختراع کردہ لفظ تمناستاہے۔ جو اس غزل میں شعری ضرورت کے تحت بنایا گیا۔ شاعری میں قافیہ سازی کے عمل میں شاعر کو کافی چھوٹ مل جاتی ہے۔ اسی طرح ظفر اقبال نے اس غزل میں آستا، جاستا، ستاتا بیٹھاستاوغیرہ بطور قافیے استعمال کئے۔ اس غزل میں اسم سے فعل کے ساتھ ساتھ مصادر سے بھی بہت سے افعال بنائے۔ اس شعر میں لفظ تمنا سے تمناستا بنایا گیا ہے تمنا عربی زبان کا لفظ ہے جو بطور اسم استعمال ہوتا ہے جس کے معنی آرزو، طلب اور خواہش کے ہیں۔ اردو میں جسے لفظ تلاش سے تلاشنا اور زنجیرنا سے زنجیرتا بنائے گئے ایسے لفظ تمنا کا فعل بنائیں تو تمنانتا بنے گا۔ مگر پھر آنا اور جانا کا فعل بنانا ناممکن ہوتا۔ اس لیے شاعر نے اس لفظ میں س کا اضافہ کر دیا جو کہ فعل بنانے کا ایک نیا طریقہ ہے تمناسنا قواعد کی رو سے فعل ہے اور اس کی معانی "تمنا کرتا ہوں" کے ہیں اس شعر میں محبوب کی تمنا کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ جس دن سے مجھے اس کی تمنا ہے مجھے اور کسی شے کی حاجت باقی نہ رہی۔

ے کئی دن سے ہوتا ہوں گھر میں ہی اپنے کہیں آستاہوں نہ اب جاستاہوں

ے نہ مصروفیت اس کو ہے کچھ یہاں پر نہ میں ہی کوئی کام کرتاستاہوں

ے کوئی شرم ہے جو مجھے گھیرتی ہے کوئی شور ہے جو میں سنتاستاہوں

ے جہاں سے مجھے کر گئے تھے روانہ میں اب بھی اسی جگہ بیٹھاستاہوں

ے میری کیفیت ہے عجب کچھ دنوں سے نہ ہنستاستاہوں نہ روتاستاہوں

ے میں سنتاہوں سب دوسروں کی جاباتیں تو اپنی بھی ہر بات کہتاستاہوں

ے ظفرؔ، قافیوں سے بنی ہے یہ صورت کہ ایساستاہوں نہ ویساستاہوں

ے رنج زیادہ جھیل، ظفر کم کم خوش او قاتی کر (تقلیل، ص2652)

اس شعر میں نیا سامنے آنے والا لفظ خوش او قاتی ہے۔ اردو زبان میں خوش وقتی کا لفظ مستعمل ہے۔ جس کے معانی آسودہ حالی، چین اور سکون کے ہیں یہ لفظ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں پایا جاتا ہے اور بطور اسم مستعمل ہے۔ اس شعر میں خوش وقتی میں وقت لفظ کا صیغہ جمع استعمال کر کے او قاتی بنادیا ہے جسے لفظ وقت سے او قات اور او قات سے او قاتی کا لفظ بنایا گیا ہے جو اسی معنوں میں استعمال ہوا ہے جس معنوں میں خوش وقتی استعمال ہوا۔ انسان اس دنیا میں رنج، دکھ اور کرب جھیلنے کے لیے آیا ہے یہ سکون کی جگہ نہیں اس لیے انسان اس دنیا میں کم ہی خوش رہ پاتا ہے۔ ورنہ یہ دنیا دکھوں کا گھر ہے۔

ے کہاں تک مفت میں رسوایئے گا کسی دن تو بغل گیر ایئے گا (عیب وہنر، ص،751)

اس شعر میں نامایوس ذخیرہ الفاظ کی مثال رسوایئے اور بغل گر ایئے ہیں ظفر اقبال کی اس غزل میں اور بھی بہت سے نئے الفاظ ملتے ہیں مثلاً پچھتایئے ،مہنگایئے، اچھایئے، دریایئے وغیرہ یہ الفاظ ایک طرف تو شعری ضرورت کے تحت بنائے گئے اور اس غزل میں بطور قافیہ استعمال کئے گئے جس سے ایک طرف توشعری ضرورت پوری ہوئی تو دوسری طرف بہت سے نئے افعال کے زبان و ادب کا حصہ بننے کے امکانات پیدا ہوئے۔ رسوالفظ قواعد کے اعتبار سے صفت ہے رسوا سے لفظ رسوانا بنا ہے جو کہ فعل ہے۔

رسوا - صفت

رسوانا - فعل

رسوایئے- فعل امر

رسوایئے گا- فعل امر مستقبل

اس شعر میں رسوایئے فعل امر ہے۔ جس کے معنی رسوا کرنا کے ہیں۔ کہ آپ مجھے کب تک مفت میں رسوا کرتے جائیں گے کبھی تو مجھے گلے لگائیں گے۔ اس غزل میں اسم اور صفت دونوں الفاظ سے افعال بنائے گئے ہیں۔ اس غزل میں مزید ایسے الفاظ وافعال سامنے آئے ہیں ان کی مثالیں درج ذیل ہیں۔ اچھایئے، پچھتایئے، دریایئے، مہنگایئے، صحرایئے، ویسایئے وغیرہ۔

ے بہت ارزاں نہیں پہلے بھی ملنا اسے اب اور مت مہنگایئے گا

ے سبھی تعریف کرتے ہیں ہماری کسی دن آپ بھی اچھایئے گا

ے طبیعت کی روانی رک گئی ہے کبھی آکر اسے دریایئے گا

ے بات مجھ میں بھی کچھ اس طرح کی ہو گی کہ یہاں کبھی واپس ہی نہ ہوتا تھا وصولا ہوا میں

(تنصیب، ص، 3459)

اس شعر میں نیا اختراع کردہ لفظ "وصولا" ہے۔ اس لفظ میں ایک آزاد مارفیم وصول کے ساتھ پابند مارفیم الف کا اضافہ کیا گیا ہے جو بطور لاحقہ استعمال ہوا ہے جو الحاقیت کا ایک عمل ہے وصول عربی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مادہ وصل سے نکلا ہے۔ اردو میں یہ لفظ بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ اس کے معنی پانا اور حاصل کرنا کے ہیں۔ اردو قواعد میں الف کا لاحقہ لگانے کے بہت سے قاعدے سامنے آتے ہیں۔ اس حوالے سے بنیادی اردو قواعد میں ڈاکٹر سہیل لکھتے ہیں:

ہندی میں

(1) ا، اسم آلہ کی علامت	جھولا (جھولنا)
(2) تصغیر کی علامت	بلا (بل کی تصغیر) لونڈیا
(3) حاصل مصدر کی علامت	جھگڑا- پھیرا- چھایا
(4) صفت کی علامت	میلا، بھوکا، نیلا، جھوٹا
(5) علامت مفعول	اتارا (صدقہ)، گھولا
(6) علامت ظرف	اتارا (اترنے کی جگہ)
(7) علامت فاعل بعد امر	توانا، دیانا، بنیا[30]

ان تمام زمروں میں الف بطور لاحقہ جو استعمال ہوا ہے وصولا علامت مفعول ہے اس لفظ میں وصول اسم سے وصولا (علامت مفعول) بنایا گیا ہے۔ جس کے معنی وصول کیا ہوا کے ہیں کہ مجھ میں کچھ ایسی خاص بات تو ہو گی کہ جس نے بھی مجھے وصول کیا اس نے مجھے کبھی واپس نہیں کیا

ے چمکی ہوئی رات کو سیاہا خود کو جب موت سے نکاحا

نکاح + ا = نکاحا

ے جو بات دکھائی دی یقینی اُس کو بھی کسی طرح مباہا

مباہ + ا = مباہا

ے بیٹی کو سکھائی دایہ گیری بیٹے کو فوج میں سپاہا

سپاہ + ا = سپاہا

ے لاچار کیا جو خامشی نے اُس کو بندوق سے ہی ٹھاہا

ٹھاہ + ا = ٹھاہا

ے جس کی نہ ملی کبھی اجازت کیوں کر کرتے نہ خواہ مخواہا

خواہ + ا = خواہ مخواہا

ے ہجرت کروائی شہریوں سے اس طرح سے شہر کو رفاہا

رفاہ + ا = رفاہا

ے کرتا رہا میں بھی خوب گمراہ کچھ آپ نے قوم کو فلاحا

فلدح + ا = فلاحا

ے مٹی ہی سیم تھور نکلی مشکل سے کھیت کو کراہا

کراہ + ا = کراہا

ے جب بھی کسی خواب کو خیالا اپنے ہی کمال کو زوالا

خیال + ا = خیالا

زوال + ا = زوالا

ے اندر سے لاش ہی تھی غائب جس جس کی قبر کر کدالا

کدال + ا = کدالا

ے تھا اُس کا جواب سخت مشکل میں نے آسان ہی سوالا

سوال + ا = سوالا

ے میں نے بھی دیا نکھار اس کو اللہ نے بھی اُسے جمالا

جمال + ا = جمالا

ے بے حال کیا ہوا تھا اس نے خود کو مشکل سے ہی بحالا

بحال + ا = بحالا

ے اپنے تو فتور تھا ہی سر میں اس کا بھی دماغ اختلالا

اختلال + ا = اختلالا

ے نکلی کچھ اور صورت حال جو بھی کبھی ہم نے احتمالا

احتمال + ا = احتمالا

؎ کچھ اور بھی گھٹ گیا تھا اس بار دل کا رقبہ جو اِشتمالا

اشتمال + ا = اشتمالا

؎ برسوں ظفرؔ، ایڑیاں رگڑتے صد شکر کہ آج انتقالا

انتقال + ا = انتقالا

ج۔ سمیع آہو جا کے افسانوی متون میں الحاقیت کی مثالوں کا تجزیہ

سمیع آہو جا کے ہاں ہمیں نئی لفظیات کا استعمال ملتا ہے۔ ان کا خاصا یہ ہے کہ وہ سیلنگ (slang) الفاظ کو بھی ادبی سطح پر ایسے برتتے ہیں جس سے ان الفاظ میں نئے نئے مفاہیم در آتے ہیں سمیع آہو جا کے افسانوں میں معاشرتی و تاریخی رویوں کا ذکر ان کے مشاہدے کی گہرائی و گیرائی کا پتا دیتا ہے۔ اس کے ساتھ لسانی تشکیلات اور ان کا اسلوب ہمیں نئی راہیں دکھاتا ہے۔ انہیں اردو زبان کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں اور انگریزی، فارسی، عربی پر عبور حاصل ہے۔ ان کے افسانوں میں ان تمام زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں ڈاکٹر تبسم کاشمیری ان کے افسانوں کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''سمیع آہو جا وہ افسانہ نگار ہیں جن کا افسانوی فن، روایت اور ساخت سے مزید آگے بڑھ کر افسانہ کی ایک نئی ساخت سے مزید آگے بڑھ کر افسانہ کی ایک نئی ساخت بناتا ہے اور یہ ساخت زبان کے ایک مختلف استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ زبان کے ایک خود مختارانہ اور انتہا درجے کے تخلیقی استعمال سے سمیع آہو جا ایک مختلف افسانوی مظہر کو تخلیق کرتا ہے۔''[31]

سمیع آہو جا نے مختلف زبانوں کے الفاظ کو کبھی اردو میں لکھا اور کبھی اردو قاعدوں کے ساتھ تبدیلیاں کر کے اردو میں ایسے شامل کیا کہ وہ اردو زبان کا حصہ معلوم ہوتے ہیں یہ عمل مستعاریت کہلاتا ہے وہ زبان کے بنانے کے عمل سے بخوبی واقف تھے۔ ان کا اسلوب مبہم، علامتی اور مشکل ہے۔ جیسے سمجھنا عام قاری کے بس کی بات نہیں۔ ہم اس مقالہ میں ان کے ہاں نئے بننے والے الفاظ کا صرفی جائزہ الحاقیت کے تناظر میں لیں گے سمیع آہو جا کی کتاب ''متن گمشدہ'' میں زبان پر کیے گئے ان کے تجربے ملتے ہیں۔

''نئی چھاونی کی مطبخی ضرورتوں کے علاوہ تمام تر دیگر لوازمات بھی اسی ٹکرے سے وابستہ ہیں۔ اس کے چند قدموں کے فاصلے پر کنک منڈی ہے جہاں دو بھائیوں کی آٹے کی چکیاں ہیں۔''[32]

اس اقتباس میں نیا اختراع کردہ لفظ ''مطبخی'' ہے۔ مطبخ عربی زبان کا لفظ ہے جو بطور اسم ظرف مکاں استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں اس کے معنی باورچی خانے کے ہیں۔ مطبخ ایک آزاد مارفیم ہے، جس کے ''ی'' کا لاحقہ لگا کر نیا لفظ'' مطبخی'' بنایا گیا ہے۔ اردو زبان میں جب کسی لفظ کے ساتھ ''ی'' کا لاحقہ لگایا جاتا ہے تو درج ذیل صورتیں سامنے آتی ہیں۔

1- کسی مذکر کو مونث میں تبدیل کیا جاتا ہے۔

2- اسم سے مصغر میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

3- پنجابی قاعدے کے تحت صفت نسبتی بناتے ہیں۔

4- کسی اسم کے ساتھ اضافے صفت میں بدل جاتا ہے۔

ان صورتوں کو سامنے رکھ کر لفظ مطبخی کا جائزہ لیں تو لفظ مطبخی سے مراد باورچی خانہ کی ضرورتوں کا ذکر ملتا ہے۔ اس لئے یہ صفت نسبتی ہے جس کو باورچی خانے سے نسبت دی گئی ہے مطبخ سے مطبخی لفظی اشتقاق کا ایک اہم عمل ہے جس کے ذریعے زبان پھلتی پھولتی ہے اور نئے الفاظ سامنے آتے ہیں۔

''نشہ میں مقید شخص، اس کا چہرہ ہڈیوں کا کھنگر، کوئی رنگ و روپ ہی باقی نہیں تھی تو پہچان کیسی، متخصص کے کلینک میں بیڈ پر بندھے نشے کی طلب میں مسلسل بے چینی سے ہاتھ پاؤں کی تند جنبش بندشوں سے نکلنے کو بیتاب، وجود کو جا بے جا کھینچتا، پھینکتا، ہڈی ڈھانچہ۔ میں متجسس زبردست کی جانب سوالیہ چہرے سے پلٹا تو اس کے آزردہ چہرے اور ڈبڈبائی آنکھوں نے میرے ہونٹوں پر چپ کی مہر لگا دی۔ میں اسی متجسس اضطراب سے ڈاکٹر کی طرف پلٹا۔ مگر میری تجسس بھر حیرانی سے ڈاکٹر کا چہرہ مسکراہٹوں سے کھلا ہوا تھا۔ حیران کیوں ہوتے ہو، یہ تو ابھی ابتدائی ہیر وینی ہے بس بھوک پیاس اور جیل کے تشدد نے حلیہ بگاڑ ڈالا ہے۔''[33]

ہیر وئین سے ہیر وئینی بننے کا عمل صفت نسبتی ہے جس میں ہیر وئینی کو ہیر وئین سے نسبت دی گئی ہے اس عمل سے نیا لفظ وجود میں آیا۔

"لیکن کلب علی کے جد تو بڑے ہی عجیب تھے، دوسرے سوداگروں سے حتمی مختلف کہ زمین صادقاں پر پاؤں ڈالتے ہی اسے انہوں نے قلباً اپنا وطن قرار دے ڈالا، گو کہ وہ ابھی مسلمان نہیں تھے۔"[34]

اس اقتباس میں نیا نامانوس لفظ "صادقاں" ہے۔ جو کہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور بطور صفت استعمال ہوتا ہے۔ اردو لغت (تاریخی بنیادوں پر) میں اس کے معنی سچا، راست گو اور خالص کے ہیں۔ اردو میں اس کی جمع صادقین کی جمع صادقاں سے بنائی ہے۔ ایسا عام طور پر پنجابی زبان میں ہوتا ہے۔ جہاں صادق کے ساتھ "اں" کا لاحقہ لگایا جاتا ہے۔ لیکن اگر ہم اس قاعدے کو پرانی اردو کی کتابوں میں دیکھیں تو یہ قاعدہ اردو میں بھی مستعمل رہا ہے۔ "سب رس" میں اس حوالے سے لکھا ہے کہ:

"موجودہ اردو میں اسم مونث ہو تو حرف ربط کے آنے کے بعد جمع مونث کا "اں" یا "یں" "وں" میں بدل جاتا ہے لیکن قدیم اردو میں حرف ربط کے آنے کے بعد بھی جمع کی علامت "اں" بدستور قائم رہتی ہے سب رس میں بھی یہی قاعدہ ملتا ہے۔ مثلاً عورتاں، موتیاں، کتاباں وغیرہ"[35]

ڈاکٹر مسعود حسین خان اس حوالے سے ابراہیم نامہ میں لکھتے ہیں کہ: "اں" کی جمع کا ماخذ ہریانوی اور کھڑی بولیاں ہیں۔"[36] ڈاکٹر فہمیدہ بیگم "شعور زبان" کتاب میں اس بات سے اختلاف کرتی ہیں کہ "اں" کی جمع کا ماخذ لاحقہ اردو کو براہ راست فارسی کی دین ہے۔ لیکن اگر ان باتوں کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو ہریانوی، کھڑی بولی کے ساتھ ساتھ فارسی اور پنجابی زبان میں بھی یہ لاحقہ استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں یہ لاحقہ اب استعمال نہیں ہوتا۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سمیع آہوجا نے پرانے قاعدوں کو دوبارہ استعمال کر کے انہیں ایک نئی زندگی بخشی ہے۔ انہوں نے اس طرح کے اور بھی بہت سے الفاظ بنائے۔ "اں" کا لاحقہ تصریفی لاحقہ (inflectional affix) کہلاتا ہے۔ زبان کی توسیع میں پہلے سے موجود لفظوں سے نئے لفظ بنائے جاتے ہیں جس میں تذکیر و تانیث، واحد جمع اور حالت کو بیان کرتے ہیں۔ اس عمل سے نت نئے الفاظ سامنے آتے ہیں اور زبان کے سانچے اور کھانچے بھرنے میں مدد ملتی ہے۔

"ہن ٹاکرا ندی نال، آمنے سامنے، دو فوجاں! عجب زبان و مکان ہے کہ آنکھ کھلی تو ایک ٹیٹ نیلی گھوڑی اتے ٹیٹ اسوار نالے دوڑے ٹیٹ کتا اتے ٹیٹ مال و مال، تع اسی

سارے ہتھ نمانڑیں گھوسڑے لیسپو جۓ لوگ ، بر طانوی ایام مارشل ریس کی صبح

روبرو، اپنی تو صحبیں شامیں صفحہ ہستی سے ہی اڑن چھو،"[37]

اس اقتباس میں ناموس لفظ "فوجاں "ہیں جو عربی زبان سے مشتق اسم ہے یہ اردو میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے جس کا معنی جنگی سپاہیوں کا گروہ یا بادشاہی لشکر کے ہیں۔ اس میں آزاد مارفیم فوج کے ساتھ پابند مارفیم "اں" یالاحقہ لگا کر ایک نیا لفظ بنایا ہے۔ "اں" کالاحقہ اردوئے قدیم کا ایک لاحقہ جو ابتدا سے ہی اردو میں مستعمل رہا ہے۔ اس کے علاوہ پنجابی، کھڑی بولی اور فارسی زبان میں مستعمل ہے۔ سمیع آہو جانے پرانے قاعدے کو استعمال کیا ہے۔ یہ ایک خوش آئندہ امر ہے جس سے کم مستعمل قاعدوں کو سامنے لایا گیا یہ بھی توسیع زبان کا عمل ہے یہ لاحقہ تصریفی لاحقہ کہلاتا ہے۔ "ہر بار ہی اس کے کاغذی پیراہن کو چاک کیا کہ مسترد کرنا نفس فہم و ادراک ، یہ بھی مختلف وقوعوں کا بندھا ایک گٹھڑ ہے، شاید کبھی کھولنے کو جی کر جائے۔"[38] اس اقتباس میں نووارد لفظ "وقوعوں "ہے جو لفظ "وقوعہ "سے بطور اسم جمع بنایا گیا ہے۔ "وقوعہ "عربی زبان کا لفظ ہے جو بطور واحد استعمال ہوتا ہے اس لفظ کے معنی حادثہ، سانحہ فساد کے ہیں۔ یہاں اس لفظ "وقوعہ "کے ساتھ "وں "کا لاحقہ لگا کر اسم جمع بنایا گیا ہے۔ "وں "کے لاحقے سے جمع بنانے کے اصول کے بارے ڈاکٹر فہمیدہ بیگم لکھتی ہیں:

"اس جمع بنانے کے درج ذیل طریقے مستعمل ہیں"[39]

1-	"یاں"	جمع کالاحقہ	شاہدیاں، باریاں وغیرہ
2-	"وں"	علامت جمع	چیزوں، فعلوں وغیرہ
3-	"ات"	علامت جمع	خطرات، اشارات
4-	"ے"	علامت جمع	بندے، کپڑے، تارے
5-	"یں"	علامت جمع	کتابیں
6-	انگریزی لاحقہ "ز"	علامت جمع	کارڈز، بسز، کلاسز
7-	انگریزی لاحقہ "س"	علامت جمع	بکس

ڈاکٹر فہمیدہ بیگم نے اسم جمع کے لئے "وں "کا لاحقہ بتایا۔ اسی طریقہ کار کے تحت وقوعوں کا لفظ بنایا گیا جو بطور صیغہ جمع استعمال ہوا۔ اس طرح جنس، عدد اور حالت کے عمل سے بننے والے الفاظ تصریفی الحاقیے کہلاتے ہیں یہ پہلے سے موجود لفظوں سے بنائے جاتے ہیں یہ عمل تصریفی اشتقاق کہلاتا ہے۔

"جو بے گور و کفن لاشوں کو جلاتے، راوی میں بہاتے دو برس تک شہر کی صفائی کرتے قحط لڑتے رہے اور یہ طاعونی وبا شہر میں کئی سال تک لوگوں کی ہلاکت کی موجب بنی رہی مگر دلی یا اکبر آباد سے کوئی کمک آ کر نہ دی"[40]

اس اقتباس میں نیا لفظ "طاعونی" ہے جو پہلے سے موجود لفظ طاعون سے بنایا گیا ہے۔ طاعون کا لفظ "طعن" سے نکلا ہے۔ جو کہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ یہ ایک وبا کا نام ہے ایک مہلک جراثیمی بیماری جس میں گلٹی نکلتی ہے اور بخار آتا ہے۔ اسے پلیگ بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ ایک دوسرے سے لگ کر پھیلتی ہے۔ اسم کے ساتھ "ی" کا لاحقہ لگنے سے قواعدی اعتبار سے کیا تبدیلی آتی ہے۔ مولوی عبدالحق اس حوالے سے "قواعد اردو" میں لکھتے ہیں:

> "صفات نسبتی وہ ہیں جن میں کسی شے سے لگاؤ یا نسبت ظاہر ہو مثلاً ہندی، عربی وغیرہ۔ عموماً یہ لگاو اسما کے آخر میں یائے معروف کے بڑھانے سے ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے فارسی، ترکی، ہندوستانی، آبی، پیازی وغیرہ"[41]

لفظ طاعون کے ساتھ "ی" لگانے سے اسم کی صفت میں تبدیلی واقع ہوئی۔ طاعون کی وبا کئی سال تک لوگوں کی ہلاکت کا باعث بنی رہی۔

> "اور پھر چوتھا رخ ڈسٹلری کے لیے ڈھیروں اتر تا انگور اور اپنی وافر مقدار کے بل بوتے ڈسٹلری کے لیے وافر رس بخشتے، سستائی کے سبب ہُن سے گنج میں تو انگری کا انبار لگ جاتا اور نشہ آوری کے قلندرانہ رنگ میں رقص کرواتا"[42]

اس اقتباس میں نیا سامنے آنے والا لفظ "سستائی" ہے۔ اس لفظ کا مادہ (root word) "سستا" ہے۔ جو کہ ایک آزاد مارفیم ہے۔ یہ لفظ اردو زبان میں سنسکرت سے در آیا ہے۔ اور بطور صفت مستعمل ہے۔ جس کے معنی کم قیمت، ارزاں ہونے کے ہیں۔ سمیع آہو جانے لفظ سستا کے ساتھ "ئی" کا لاحقہ لگا کر ایک نیا لفظ تخلیق کیا ہے۔ جب کسی لفظ "ئی" لگایا جاتا ہے تو ہندی قاعدے کے تحت درج ذیل تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں اس حوالے سے "بنیادی اردو قواعد" میں درج ہے[43]"

ئی	(ہ)	(وصفت):	اگرئی (اگر سے)
ئی	(ہ)	(اسمیت):	بھٹئی (بھاٹ سے)
ئی	(ہ)	(حاصل مصدر):	بٹئی (بٹنا سے)"

اس قاعدے کے مطابق لفظ ستائی کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح لفظ مہنگا سے مہنگائی کا لفظ بنایا گیا ہے جو مہنگا (صفت) سے مہنگائی (اسم) بنا۔ اسی طرح ستا (صفت) سے ستائی (اسم) بنا۔ یہ اسمیت کو ظاہر کر رہا ہے۔ یہاں پر لفظ "ستائی" ستا ہونے کی کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے کہ ستائی ہونے کی وجہ سے دولت کے انبار گنج میں لگ جاتے۔

"قہر و جبر کے محاطہ میں گلو پر جمی تیز دھلا تیغ تلے کٹی تو بے محابہ آہ و فغاں میں ڈوبی مرکزی تھانے کے در پر جا دستک دی۔ مگر محاصرین کے محاسنی تشخص سے پردہ کھسکتے ہی وہ سب پہلے بھونچکے ،اک دوجے کی آنکھوں میں اترے، سوال کی الجھی ڈور سلجھاتے، طویل غوطے سے ابھرے اور بلبلاتے بیک زبان برس پڑے"۔[44]

اس اقتباس میں نامانوس لفظ محاسنی ہے جو لفظ محاسن کے ساتھ ی کا لاحقہ لگا کر بنایا گیا۔ محاسن کا لفظ مادہ لفظ حسن ہے جو کہ عربی زبان کا لفظ ہے حسن لفظ کی جمع عربی میں محاسن ہے اس اقتباس میں لفظ محاسن کے ساتھ پابند مارفیم "ی" کو لگایا گیا ہے محاسن کا لفظ اردو میں بطور اسم مستعمل ہے جس کے معنی بھلائیاں ، خوبیاں اور نیکیاں کے ہیں "ی" کی الحاقیت کے بعد ہی اسم سے تبدیل ہو کر صفت بن گیا اور جسے ہی اس کی شخصیت کی خوبیاں پر پردے اٹھے تو سب لوگ یہ دیکھ کر بھونچکے رہ گئے۔

"اور ہر رنگ ترنگ میں نہایا وجود عالم وارفتگی میں غرق ہر اک پھول پتی کے لہکتے وجود کے گھیرے پیچ سحر میں بنا جاتا زندان، ہر اک رواں پھڑکتا، پھڑکاتا بھونچالی لحن کے کڑے شکنجے میں جکڑا۔"[45]

اس اقتباس میں "بھونچالی" ایک نیا اختراع کردہ لفظ ہے جو لفظ بھونچال کے ساتھ ی کا لاحقہ لگا کر بنایا گیا ہے بھونچال کا لفظ بطور اسم اردو میں مستعمل ہے اس کے معنی اندرون زمین کے پگھلے ہوئے مادوں کے ابخرے کھلنے کے باعث سطح زمین کا لرزنا، زلزلہ اور مجازاً ہنگامہ، ہلچل اور انقلاب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جب کسی لفظ کے ساتھ ی کا لاحقہ لگائیں تو ڈاکٹر سہیل عباس بلوچ لکھتے ہیں "ی (وصفیت): بائیی (22 فلصوں کی فوج جو مغل بادشاہوں کے جلوس میں ہمراہ نکلتی تھی) بلی (طاقت ور)۔ بیاکھی (بیاکھ کی پیداوار) پنچایتی فارس سے فارسی۔ کابلی"[46] کسی لفظ کے ساتھ جب "ی" کا لاحقہ لگائیں گے تو اس میں وصفیت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح بھونچالی قواعدی اعتبار سے صفت میں تبدیل ہو گیا۔ اس طرح اس کے معنوں تک پہنچنا قدرے آسان ہو گیا یہاں بھونچالی کا لفظ ہنگامہ خیز لہجے کے معنوں میں استعمال ہوا۔

"شیر ازیوں کے حضرت سعدی کی دعوت شیر از کا دوسرا نظافتی پہلو تخت جمشید میں جام جم کے سراب میں ڈوبی سکوں کی جھنکار میں لتھڑی ایک گمراہ کن تشہیری دعوت۔"[47]

اس اقتباس میں نیا استعمال ہونے والا لفظ نظافتی ہے جو کہ لفظ نظافت کے ساتھ ی کا لاحقہ لگانے سے بنا ہے نظافت عربی زبان کا لفظ ہے جو اردو میں بطور اسم مستعمل ہے اس لفظ کے معنی پاکیزگی، نفاست، طہارت اور صفائی کے ہیں جب نظافت سے نظافتی بنا تو یہ اسم سے تبدیل ہو کر صفت بن گیا اور اس کے معنی میں بھی کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی شیر ازیوں کے ہاں دعوت شیر از کا جو پاکیزہ پہلو ملتا ہے وہ تخت جمشید میں ہونے والی تشہیری دعوتوں سے کہیں بہتر ہے

> "تو ساری نظریں حیرت و خوف سے جامد، پورا سٹڈ فارم دور اور نزدیک پہاڑیوں سے تین اطراف سے گھرے قدرتی پیالے کی تہ میں اور چوتھی طرف راہ بستہ، ندی کی زیر محافظت، پہاڑی کے قدموں سے تقریباً پانچ سو گز پرے چھوٹی سی ندی اور اس پر چھوٹا سا سرخ اینٹوں کا محرابی پل، اور سات آٹھ گز چوڑی اسفالٹی سڑک کے مقابل بعینہ اس کنارے کے مانند پانچ سو گز پرے لوہے کا گل میخ طنطنہ ترشح پر شکوہ پھاٹک۔"[48]

اس اقتباس میں نامانوس لفظ "اسفالٹی" ہے جو لفظ اسفالٹ کے ساتھ "ی" کا لاحقہ لگا کر بنایا گیا ہے۔ اسفالٹ(asphalt) انگریزی زبان کا لفظ ہے جسے اردو میں جوں کا توں استعمال کیا گیا ہے اردو میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے اس کے معنی ریت اور تارکول کا مرکب ہوتا ہے جو ڈامر کہلاتا ہے اسفالٹ کے ساتھ لاحقہ لگانے سے یہ اسم سے بدل کر صفت بن گیا اس سڑک کی خاصیت بتائی گئی کہ یہ سڑک اسفالٹ کی بنی ہوئی ہے۔ "زرعی معاشرے کو سرمایہ داری کی جکڑ بندی میں کسا گیا تھا، اسی لیے ہچکی اک انتباہ ہے ساری محکومیتی تاریخ اور اق ماضی قریب پر دم لینے کو بے ساختہ ٹوکتی ہے کہ رکو۔"[49] اس اقتباس میں نیا لفظ "محکومیتی" ہے جو کہ محکومیت لفظ کے ساتھ "ی" کا لاحقہ لگا کر بنایا گیا ہے جس کے معنی محکوم ہونا اور غلامی کے ہیں، جب اس لفظ کے ساتھ "ی" کا اضافہ کیا گیا تو یہ قواعد کے اصولوں کے تحت اسم سے صفت میں تبدیل ہو گیا محکومیتی تاریخ سے مراد غلامی کی تاریخ ہے۔

لیکن جب پار سال ان کے حج پر جانے کی خبر ملی تو تیرے لالے کو چھوٹے پر بڑا پیار آیا،
یہ سارے گلے شکوے بھول کر، اسے خدا حافظی کے لیے مجھے ساتھ لے کر وہاں پہنچ
گیا میری تو وہاں پہنچتے ہی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔[50]

اس اقتباس میں نیا استعمال ہونے والا لفظ "خداحافظی" ہے جو کہ لفظ خداحافظ کے ساتھ "ی" کا لاحقہ لگا کر بنایا گیا ہے خداحافظ کا لفظ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کلمہ دعا کے طور پر استعمال ہوتا ہے کہ جاؤ تمھیں اللہ کے سپرد کیا یہ لفظ ناامیدی اور مایوسی کے اظہار کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اسے رخصتی سلام الوداع کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں اس لفظ کو جب "ی" کا لاحقہ لگایا تو یہ صفت میں تبدیل ہو گیا کہ اپنے بھائی کو الوداع کہنے کے لیے مجھے ساتھ لے کر وہاں پہنچ گیا۔

"شکر ہے کہ آپ کے محافظی علم و فضل میں غرق اہل کاروں نے فرد جرم کے بموجب مجھ مدت حصار تک کے لئے اس بوجھ سے رہائی دلائی"[51]

اس اقتباس میں نیا نو وارد لفظ "محافظتی" ہے اس کا مادہ "حفظ" سے نکلا ہے۔ عربی زبان کا لفظ ہے جو اردو میں بطور اسم مستعمل ہے۔ ریختہ ڈکشنری میں محافظت کے معانی کچھ یوں درج ہے۔

"حفاظت، رکھوالی، پاسبانی، نگرانی، نگہبانی

سرپرستی

کوئی کام پابندی کے ساتھ کرنا، اہتمام

خیال، لحاظ

تصوف مرقبہ اوقات کو کہتے ہیں

چوکیداری"[52]

اس اقتباس میں استعمال ہونے والا لفظ کے معنی ہوں لیے گئے۔

محافظ	حفاظت کرنے والا
محافظت	حفاظت
محافظتی	حفاظت

محافظتی۔ حفاظت میں لینے والا، حفاظت میں لیا ہوا

"محافظتی" لفظ "حفظ" سے نکلا ہے جو کہ اسم ہے۔ محافظتی لفظ قواعد کی رو سے صفت ہے۔ اردو قواعد میں کسی اسم کے ساتھ ہائے معروف 'ی' کا اضافہ کرنے سے اسم، صفت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ یہ الحاقیت کا ایک عمل ہے جس کے تحت نئے لفظ وجود میں آئے ہیں۔

اک دوست جگر جان، کہ اس سے بھی بالا تر عزت نفس، تعویز دل پر کھدی شبیہ،
میری منسوبہ اس کی بہن، سینہ سنگ فشاں کہ تہمت و دشنام کو کاٹی تیغ ہمیش تیز رہے،
مگر اب راہ میں حائل الحاد کا فتوی، سارے رشتے تعلق اور دوستی کو منقطع کرتا، بس
ایک کلکیاتی خبر۔۔۔؟[53]

اس اقتباس نیا اختراع کردہ لفظ "کلکیاتی" ہے۔ جو لفظ "کلکیانا" سے بنایا گیا ہے جو کہ اردو میں بطور فعل استعمال ہوتا ہے۔ بندروں کے چیخنے اور چلانے کے عمل کو کلکیانا کہتے ہیں۔ کلکیانہ کا لفظ عربی زبان سے اردو میں وارد ہوا۔

ریختہ ڈکشنری میں اس کے معنی یوں درج ہیں۔

"بندر کی طرح چلاتا

چنگھاڑنا، چیختا"[54]

اس اقتباس میں کلکیاتی کا لفظ بطور صفت استعمال ہو رہا ہے۔ یائے معرف 'ی' کے اضافے سے صفت بنتی ہے۔ اسی طرح یائے معرف 'ی' لگانے سے صفت بنی اور اس اقتباس میں کلکیاتی لفظ چیختی، چنگھاڑنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ سارے رشتے تعلق اور دوستی کو منقطع کرنا، بس ایک چیختی چلاتی خبر کے سوا کچھ نہیں ہے یہ اشتقاقی الحاقیت کا ایک اہم عمل ہے۔ جس کے تحت نئے لفظ وجود میں آتے ہیں اور زبان کے سانچے کھانچے بھرنے میں مدد ملتی ہے۔

"اس کی مجھے خبر تو نہ ہوئی مگر کاسیوں کی ڈھونڈتی دھول اڑاتی، وادیوں کے مرغولے گنبد گونجاتی ٹولیاں ابھی ریلسیے سے مختلف سمت پوے یقین اور شان سے یوں نکلتی چلی گئی"[55]

اس اقتباس میں استعمال ہونے والا لفظ "گونجاتی" ہے جو پہلے سے موجود آزاد مارفیم "گونج" سے بنا ہے گونج سنسکرت زبان کا لفظ ہے۔ جو اردو میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے ریختہ ڈکشنری میں اس کے معنی یوں درج ہیں۔

"وہ آواز جو گنبد یا بند مکان میں دیر تک سنائی دیتی ہے آواز بازگشت

(طبیعات) ایسی مرتعش حرکت جو کسی جسم میں کسی دوسرے جسم کی رجہ سے پیدا ہوتی

ہے

جھنجھناہٹ (خصوصاً آواز: (کنایتہً) خواہش، ارمان

گرج، بھاری بارعب دار آواز

(کنایتہً) پختگی، استحکام

شیر کی آواز یا ڈکار

ڈھول نقارے وغیرہ کی آواز

سانپ کی پھنکار

(کسی تحریر یا اسلوب کی) نقالی، اثر، تکرار)

شہرت، دھوم نیز غل

(ھ۔ نون غنہ) مونث۔ وہ آواز جو گنبد یا بند مکاں میں دیر تک چکراتی پھرتی ہے۔

۲۔ شیر کی آواز ۳۔ کبوتر اور قمری کی آواز۔ ۴۔ نوک کان کی بالی اور بالے کی جس کو کج

کر دیتے ہیں ۵۔ نتھ کا سرا جس کو کج کر دیتے ہیں

گھنگچی، ایک قسم کی مچھلی۔"[56]

گونج کا مطلب ہوتا ہے۔ آواز کا پلٹنا یا آواز کی بازگشت، اسی طرح گونج سے گونجنا کا لفظ بنا یعنی خود گونجنا لیکن جب ہم گونجانا کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس کا مطلب ہوتا ہے کسی اور شے میں گونج پیدا کرنا۔ یہاں اس اقتباس میں گونجاتی کا لفظ ٹولیوں کے ساتھ آیا ہے یعنی ٹولیوں کے شور مچانے سے گنبد میں گونج پیدا ہوئی اور اس طرح صفت بنائی گئی جو کہ یائے معروف کے اضافے سے مل کر بنتی ہے۔ لفظوں کے بننے کے عمل کو جس میں کسی لفظ کے ساتھ الحاقیہ لگایا جاتا ہے کو الحاقیت کہتے ہیں اس عمل سے زبان کی توسیع ہوتی ہے۔

"جرم دوم سوم تو انتہائی عزت نفس پر کھلم کھلا وار، کہ رات کی رنگینی، والے گاہکوں کو شراب ہی مہیا کی جائے۔ وشیا عورتیں نہیں۔ رات کی بحر آوری اور ٹکیائی کی سپلائی؟ وہ حوالدار کے ستائے گئے الزامات کی فہرست سنتے ہی بھڑک اٹھی"[57]

اس اقتباس میں نیا اور نامانوس لفظ "بحر آوری" ہے۔ جو ایک آزاد مارفیم "بحر" کے ساتھ پابند مارفیم "آوری" کا لاحقہ لگا کر بنایا گیا ہے۔ بحر عربی زبان کا لفظ ہے اور بطور اسم مستعمل ہے ریختہ ڈکشنری میں اس معنی ہوں درج ہیں۔

- (دریا)سمندر، خلیج، کھاڑی
- جنگی بیڑا جس میں کئی چھوٹے بڑے جہاز ہوں کاروان جہاز و کشتی، بحریہ
- (عروض) نظم کے انیس مقرر آہنگوں یا وزنوں میں سے ہر ایک (جو شعر کا وزن جاننے اور ٹھیک کرنے میں کام دیتے ہیں۔)
- کیچڑ[58]

اس اقتباس میں یہ لفظ سمندر کی خوبیاں یا اس کی لہروں کی خودی کی کیفیت کو بیان کر رہی ہیں بحر اسم ہے اور آوری لاحقہ ہے جسے سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ ایسے ہی انسان میں احساسات اور جذبات کا سمندر موجود ہوتا ہے اس اقتباس میں یہ لفظ بطور اسم کیفیت استعمال ہوا ہے جو سمند کی بے خودی کی کیفیت کو ظاہر کر رہا ہے۔

"لیکن ہر ضرب پر اس کے منہ سے ابلتی ضربیلی شدت کے ہم رکاب ایک واویلا ابرتا، اور پھر سارے درد کو چوستا اپنے اندر جمع کرتا وجود، اگلی ضرب کو سہنے کو تیار۔"[59]

اس اقتباس میں نیا اور نامانوس لفظ "ضربیلی" ہے یہ عربی لفظ ضرب سے بنایا ہے ضرب اردو میں بطور اسم مستعمل ہے ضرب کے حوالے سے ریختہ ڈکشنری میں یوں درج ہے۔

- مار، چوٹ، صدمہ، وار
- مار پیٹ، مارنا
- سکے پر ٹھپا لگانے یا سکہ ڈھالنے کا کام ٹھپا، مہر (خصوصاً سکے پر)"[60]

اس اقتباس میں ضرب کا لفظ چوٹ اور مارنے کے معنوں میں استعمال ہوا جب ضرب سے ضربیلی کا لفظ بنایا تو قواعد کی رو سے اسم سے صفت میں تبدیلی واقع ہوتی اور اس اقتباس میں ضربیلی، ضرب سے پیدا شدہ کے معنوں میں استعمال ہوئی اردو میں کسی لفظ کے ساتھ لی، لا لگا کر صفت اور مصغر بنائے جاتے ہیں مثلاً شرمیلا ، شرمیلی، اگلا، باوالا، کھٹلا، پوٹلی کو ٹلا وغیرہ یہ ہندی زبان کے قاعدے ہیں جنہیں اردو زبان میں استعمال کر کے سمیع آہو جانے نئے الفاظ بنائے ہیں یہ لفظی اشتقاق کا ایک عمل ہے جس سے توسیع زبان ہوتی ہے۔

"بیاہتا عورت جوف کسبی میں سلی سلائی کفنیری لاش مدفن چاروں کھوٹ ورعنائی کندہ"[61]

اس اقتباس میں نیا اختراع کردہ لفظ "کفنیری" ہے جو جس کا مادہ "کفن" ہے۔ کفن کے ساتھ "یری" کا لاحقہ لگا کر کفنیری کا لفظ بنایا گیا۔ کفن عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور اردو میں بطور اسم استعمال ہوا ہے ریختہ ڈکشنری میں اس کے معنی کچھ یوں درج ہیں۔

"میت کو پہنائے کے بغیر سلے کپڑے، جو ہر مذہب میں اس کے رواج اور قاعدے کے مطابق ہوتے ہیں مسلمانوں میں مرد کے لئے تین اور عورت کے لئے پانچ کپڑے ہوتے ہیں، مردہ لپیٹنے کی چادر، مردے کا کپڑا"[62]

اس اقتباس میں یہ لفظ کفنیری بطور صفت استعمال ہوا ہے۔ جس کے معنی کفن میں لپٹی ہوئی یا کفن شدہ لاش کے ہیں لفظوں کے لاحقے اور سابقے کے تحت بننے والاے عمل کو الحاقیت (Affixation) کا عمل کہتے ہیں لفظی اشتقاق (Derivation) کے اس عمل میں نت نئے الفاظ وجود میں آتے ہیں۔ اور اس طرح زبان کی توسیع ہوتی ہے۔

"اس سے اگلی چار دکانوں میں برطانیہ سے منگوائی گئی کراکری کا صرف شوروم جس میں ہر نوع جدید کراکری اور شیشے کے بینظیر ڈیکورین، سیز، اس شوروم سے رئیل پر کوئی چیز نہ بیچی جاتی، ہر نوع کا امپورٹڈ مال تھوک میں آرڈر پر مہیا کیا جاتا ہے"[63]

اس اقتباس میں استعمال ہونے والا مانوس لفظ "پیسز" ہے یہ انگریزی زبان کا لفظ (Piece) ہے جس کے ساتھ "ز" کا لاحقہ لگا کر پیسز بنایا گیا یہ لفظ "ٹکڑا" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ پیسز کا لفظ اردو میں بطور اسم جمع استعمال ہوتا ہے۔ انگریزی زبان استعماریت کی زبان اس لئے ہر گزرتے دن اردو زبان میں انگریزی کے لفظ شامل ہوتے جارہے ہیں۔ ان میں سے ایک طریقہ "ز" کا لاحقہ لگا کر جمع بنانے کا ہے جمع بنانے کے حوالے ڈاکٹر فہمیدہ بیگم لکھتی ہیں۔

"اسم جمع بنانے کے بہت سے طریقے مستعمل ہیں انگریزی کے لاحقے اردو میں دو طرح سے بنائے جاتے ہیں۔

(i) انگریزی لاحقہ "ز" کارڈز، بسز، کلاسز

(ii) انگریزی لاحقہ "س" بکس"[64]

اس طریقہ کار کے تحت جو جمع بنائے جاتے ہیں ان کو تصریفی اشتقاق کا عمل کہتے ہیں اس طرح سے دوسری زبانوں سے لئے گئے الفاظ کو اردو ایا جاتا ہے۔ اس عمل کے تحت نت نئے لفظ اردو زبان میں شامل ہوتے ہیں اور اس طرح زبان کی توسیع ہوتی ہے۔

"سٹرک پار چمن فارمیسی کے روبرو نالے کے اوپر سیمنٹڈ تھڑے پر راہ روکتے شو کیسز پر ٹیکے ہوئے، تقریباً چینختے ہوئے طلبا کبھی دو چار کی تعداد میں اور کبھی انگنت ہجوم

جگدیش مالک دکان اور اس کے سات سے آٹھ کارندے طلبا کی ضرویات پوری کرتے ہوئے ہلکان ہو جاتے۔"[65]

اس اقتباس انگریزی لفظ شوکیس (showcase) کو اردو کر اس کے ساتھ "ز" کا لاحقہ لگا کر شو کیسز بنایا گیا کسی بھی لفظ کے ساتھ "ز" کا لاحقہ لگا کر اسم جمع بنتے ہیں یہ اشتقاق کا تصریفی عمل ہے جو پہلے سے موجود لفظوں سے بنتا ہے۔ یہ نئے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ پہلے سے موجود لفظوں سے واحد / جمع، مذکر / مونث اور اس کی حالتیں بیان کی جاتی ہے۔ یہ بھی توسیع زبان کا ایک عمل ہے اس طریقے سے بہت سے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔

"اس کے چند قدموں کے فاصلے پر کنک منڈی ہے۔ جہاں دو بھائیوں کی آٹے کی چکیاں ہیں۔ لام کے ایام میں جہاں سے چھاونی کے میسز کو سپلائی جاتی تھی اور آگے چند قدموں پر شہر اور صدر کو ملتا ریلوے لائنوں کے اوپر بنا آہنی سیڑھیوں کا پل ہے۔"[66]

اس اقتباس میں انگریزی لفظ میس (mess) کے ساتھ "ز" کا لاحقہ لگا کے "میسز" کا لفظ بنایا گیا یہ جمع بنانے کا ایک نیا قاعدہ ہے۔ میس انگریزی زبان کا لفظ ہے جو بطور اسم اور فعل مستعمل ہے اس اقتباس میں یہ لفظ مسلح افواج کے ممبر ز کے کھانے کی جگہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ اردو میں بھی بطور اسم استعمال کیا جاتا ہے یہ تصریفی اشتقاق کا عمل ہے جس کے تحت نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔

"پتہ چلا کہ سٹور کے منشی کو کتک لگاتے سارا ہی سٹور خالی کر کے اسے بھی اپنے ساتھ ہی لے گئے ان چاروں کی باتیں اور سٹور کی لوٹائی کا احوال اس نے سن لیا۔ مگر ان کو کیا کہتی، بس دل مسوستے بڑبڑائی کہ انہوں نے اپنی ڈیوٹی نبھا ڈالی تھی"[67]

اس اقتباس میں نیا نامانوس لفظ "لوٹائی" ہے۔ جو کہ فعل لٹنا سے بنایا گیا ہے۔ لٹنا ہندی زبان کا لفظ ہے۔ اور بطور عمل لازم اردو زبان میں مستعمل ہے۔ ریختہ ڈکشنری میں اس حوالے سے کچھ یوں درج ہے کہ

- تباہ ہونا، برباد ہونا
- نثار کرنا، روپیہ پیسا صدقے کے طور پر سر پر سے وار جانا
- لوٹا جانا، مال اور اسباب چھینا جانا
- بے رونق ہو جانا، ویران ہونا"[68]

اس اقتباس میں "لوٹائی "لفظ لوٹے جانے اور مال و اسباب چھینے جانے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ لٹنا فعل ہے جب لٹنا سے لوٹائی کا لفظ بنا تو وہ لٹنے کی کیفیت کو بیان کر رہا ہے تو ایسے لوٹائی اسم کیفیت ہے یہ اشتقاق کا ایک اہم عمل ہے جس سے نت نئے الفاظ بنتے ہیں۔

"بوڑھی مائی کے اصرار پر لقمہ اٹھانے سے پہلے گلناری کی اک دل خراش تانگوں سے بھر ی یاسیت نے انو کی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور وہ کب لمبی اڑان بھرتے اسی کھڑکی کے روبرو، اسکی نے کی جگر خراشی نے، وہی یادوں کا درد چاروں دیواروں پر لیپ ڈالا اور پھر چاروں دیواروں سے سندری مختلف روپ دھارے نمودار ہوئی۔

انو یہ تمہیں اک ماں کی محبت کا اتیت ہے اب کبھی غم زدہ نہ ہونا۔۔۔

اور تھوہر کے دو پھول اتارنے دونوں کو دیے۔۔۔۔!"[69]

اس اقتباس میں نیا نامانوس لفظ "اتارتے" ہے جو لفظ اتارنا سے بنا ہے۔ جو کہ اردو میں بطور فعل مستعمل ہیں۔ ریختہ ڈکشنری میں اتارنا کے معنی یوں درج ہیں۔

- اترنا(رک) کا تعدیہ۔ اٹھانا، بڑھانا، چڑھانا، کسنا، لادنا وغیرہ کی ضد۔ اوپر سے نیچے لانا
- ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل یا منتقل کرنا"[70]

اس کا مادہ لفظ اتار ہے جو کہ بطور اسم استعمال کیا جاتا ہے۔ اس اقتباس میں اتارنے کا لفظ "اتار کر" کے معنوں میں استعمال ہوا جو دو لفظوں کو ملا کر ایک لفظ میں تبدیل کر دیا گیا جو منفرد کوشش ہے لفظوں کے بننے کے عمل سے زبان کی توسیع ہوتی ہے۔ "تھوہر کی زہریلی کڑواہٹ نے پھولوں کی لالی اور مٹھاس سے اک مشکتی ماں کا تجھے پیار سونپا ہے اسے کبھی بھی مت بھلانا۔"[71] اس اقتباس میں نیا اختراع کردہ لفظ "مشکتی" ہے جو ایک آزاد مارفیم "مشک" سے مل کر بنا ہے۔ مشک فارسی زبان کا لفظ ہے جو بطور اسم مستعمل ہے ہرن کے نافے کی خشک شدہ رطوبت جس کے دانے سیاہ سرخی مائل اور خوشبو نہایت تیز ہوتی ہے، ہرن زیادہ تر تبت، نیپال، روس اور چین کے کوہستانی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اسے کستوری اور مشک دونوں کہا جاتا ہے۔ اس اقتباس میں خوشبوؤں میں بسی ہوئی ماں کو، پیار نچھاور کرنے پر مشکتی ماں کہا جاتا ہے۔ جس سے قواعدی حیثیت اسم سے تبدیل ہو کر صفت ہو گئی ہے۔ یہ اشتقاقی الحاقیت کا ایک عمل ہے۔ جس سے توسیع کا عمل تیز ہوتا ہے۔

زبان کی عمارت لفظ کی اینٹوں سے بنتی ہے زندہ زبان کو کسی اصولوں میں جکڑا نہیں جاسکتا ہے کیونکہ زبان اس خورد رو گھاس کی مانند ہے جو خود بخود اگتی چلی جاتی ہے اسی طرح زبان اپنے اندر مختلف تہذیبوں کو اپنے اندر جذب کر کے مختلف ارتقائی مراحل سے گزرتی ہے نئے زمانے اپنے ساتھ نئے الفاظ لاتے ہیں اور معاشروں کے زوال کے ساتھ ساتھ ان کے الفاظ بھی متروک ہو جاتے ہیں اور لفظ صرف وہی باقی رہتے ہیں جو بولے جائیں یا جو چلن میں آجائیں۔ لفظوں کے بننے کا عمل صرف میں ہوتا ہے۔ اس عمل کو عمل اشتقاق کہا جاتا ہے عمل اشتقاق کے تحت دو طرح سے بنتے ہیں ایک الحاقیت کے تناظر میں اور دوسرے صفر الحاقیت کے تحت۔ الحاقیت کے تناظر میں جو لفظ بنائے جاتے ہیں ان میں سے سابقے، لاحقے کی تعداد باقی طریقہ کار وسطیہ، ابتدائیے انتہائیے کی نسبت زیادہ ہے۔ اردو میں سابقوں لاحقوں کے بننے کی تعداد غالبا دنیا کی ہر زبان سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ اردو نے کئی زبانوں کے اسالیب کو اپنا لیا ہے۔ انگریزی میں گنے چنے سابقے اور لاحقے مستعمل ہیں جو یونانی اور لاطینی زبان سے لیے گئے ہیں اردو کے ابتدائی دور میں سابقے لاحقے لگا کر بہت سے الفاظ وضع کئے گئے جن میں ہندی، عربی، فارسی، ترکی زبانوں کے پیوند لگائے گئے۔

اشتقاق کے عمل کے ذریعے لفظوں کے بننے کا عمل سابقے اور لاحقوں کے ملانے سے آتا ہے۔ یہاں اشتقاق سے مراد (derivation) ہے اس عمل سے بننے والے مشتقات آزاد مارفیم (free marpheme) کے ساتھ پابند مارفیم (bound marpheme) کا اضافہ کر کے بنائے جاتے ہیں یا پابند مارفیم کبھی اکیلے اور تنہا نہیں آتے۔ کیونکہ اردو میں ان کے تنہا کوئی معانی نہیں ہوتے۔ ڈاکٹر عبد الستار صدیقی مشتقات اور مرکبات میں فرق کو واضح کرنے کے لئے مرکبات کو الگ کر کے اور مشتققات کو ملا کر لکھنے پر زور دیتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی وہ خود تذبذب کا شکار ہو جاتے ہیں اور پھر آگے چل کر یہ لکھتے ہیں کہ جن مشققات کو الگ لکھا جاتا ہے انہیں الگ لکھیں اور جن جو ملا کر لکھنے کا چلن ہے انہیں ملا کر لکھیں۔ ظفر اقبال اور سمیع آہو جادونوں کے ہاں کبھی ملا کر اور کبھی الگ لکھنے کا عمل دیکھا جاسکتا ہے۔ اس باب میں تصریفی اشتقاق اور لفظی اشتقاق کے ذیل میں نئے بننے والے الفاظ کی ساخت، ہیئت اور بناوٹ کا جائزہ لیا گیا ہے اردو میں سب سے زیادہ الفاظ تصریفی اشتقاق (inflection) کے ذریعے بنتے ہیں یہی اردو کی لسانی خصوصیت ہے کہ اس میں اس کے تخصیص کا عمل سب سے زیادہ نمایاں ہے۔ اردو میں اسم، فعل، صفت، اضافت کوئی کلمہ ایسا نہیں جو مذکر / مونث سے خالی ہو۔ ظفر اقبال اور سمیع آہو جادونوں کے ہاں تصریفی اور اشتقاقی الحاقیے ملتے ہیں۔ اشتقاق کے عمل سے نئے لفظ بنتے

ہیں جبکہ تصریف میں پہلے سے موجود لفظوں کو عدد، جنس اور حالت کے اعتبار سے ان کی ساخت میں تبدیلی واقع ہوتی ہیں۔

اردو میں ڈاکٹر وحید الدین سلیم کی کتاب ''افارات سلیم'' میں سابقے اور لاحقے بنانے کے مختلف طریقوں کو زیر بحث لایا گیا۔ ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کے ہاں نہ صرف عربی، ہندی، فارسی کے ساتھ مقامی زبانوں پنجابی، بنگلہ وغیرہ کے مقامی لاحقوں کو اپنی شاعری اور نثر میں برتا گیا۔ اس باب میں ظفر اقبال کے ہاں الف بطور اضافت کے قاعدے کو ہندی، فارسی اور اردو زبان کے قواعد کے تحت جانچا اور پرکھا گیا اس کے ساتھ ساتھ ظفر اقبال نے اسے الف بطور اضافت، کا، کی، کے، کے تحت برتا تھا۔ انفرادی تجزیہ ہے نئے تجربات سبھی خوشگوار نہیں ہوتے ابتدا میں ہر شے نامانوس لگتی ہے۔

- ظفر اقبال کے ہاں نئے افعال بنائے گئے
- اسم سے صفات بنائی گئیں ظفر اقبال کے ہاں سابقے، لاحقے، وسطیے اور ابتدائیے انتہائیے بنائے گئے ہیں اس کے برعکس سمیع آہو جا کے ہاں زیادہ اسم سے صفات بنائیں گئیں۔
- ظفر اقبال کے ہاں نئے قافیوں کا اختراع ملتا ہے۔
- ظفر اقبال کے ہاں نئی زبان کوشش کر کے بنائی گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی شاعری میں کھردرا پن اور خشکی ملتی ہے اس کے برعکس سمیع آہو جا کی زبان بتاتے مقصد فیشن کے طور پر نئے الفاظ بنانے نہیں بلکہ وہ اپنے مشاہدے کو لفظوں میں منتقل کرتے ہیں۔ اس عمل میں زبان کی شکست و ریخت کے ساتھ ساتھ نئی زبان بنتی چلی گئی۔

حوالہ جات

1۔ گیان چند، پروفیسر، عام لسانیات ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، طبع اول 1985، ص 211

2۔ روف پاریکھ، لسانیات کے بنیادی مباحث، سٹی بک پوائنٹ کراچی، 2021، ص 51

3۔ گیان چند، پروفیسر، عام لسانیات، ص 211-212

4. https://youtu.be/QbEmwxlilUw?si=LVVYNK-Pjen4sFMJ

5۔ علی رفاد فتیحی، اردو لسانیات نظریاتی مباحث، بک ٹاک پبلشر، لاہور، 2022، ص 106

6۔ عامر سہیل، ڈاکٹر، ظفر اقبال ایک عہد ایک روایت طبع اول، پاکستان رائٹرز کو آپریٹو سوسائٹی، لاہور، 2018، ص 502

7۔ ظفر اقبال، اب تک، اشاعت اول، ملٹی میڈیا افیرز، لاہور، 2004، ص 285

8۔ اردو لغت (تاریخی اصولوں پر)، اردو لغت بورڈ، کراچی، 1977۔ ص 1

9. https://www.urdulinks..com/urj/?p=2594

10۔ گوہر نوشاہی، ظفر اقبال کی شاعری میں الفاظ لسانی اساطیر نہیں تخلیقی تجربہ ہیں، مضمون مشمولہ: ظفر اقبال (ایک عہد، ایک روایت)، مرتبہ، ڈاکٹر عامر سہیل، پاکستان رائٹرز کو آپریٹو سوسائٹی، لاہور، 2018، ص 236

11۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو کی زبان، فضلی سنز، کراچی، 1997، ص 125

12۔ اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد دوم، ترقی اردو بورڈ، کراچی، محیط اردو پریس، 1979، ص 1471

13۔ فیروز اللغات، فارسی اردو، مرتبہ مقبول بیگ بدخشانی، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، طبع دوم، 2018، ص 149

14۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، ڈھلی پنجابی گرامر، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، 2021، ص 171

15۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو کی زبان، فضلی سنز لیمیٹڈ، کراچی، 1997، ص 167

16۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، قواعد اردو، سیونتھ پبلی کیشنز، لاہور، 2012، ص 49

17۔ رشید حسن خان، زبان و قواعد، زبیر بکس، لاہور، س ن، ص 65

18۔ سہیل عباس، ڈاکٹر، بنیادی اردو قواعد، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2010، ص 275

19۔ پنجابی اردو لغت، مرتبہ و مولفہ تنویر بخاری، اردو، سائنس بورڈ، لاہور، 1989، ص 1482

20۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو کی زبان، ص 168

21۔ اردو لغت (تاریخی اصولوں پر)، جلد اول، ص 2

22۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو کی زبان، ص 240

23۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد (حصہ صرف)، طبع سوم، اردو سائنس بورڈ، لاہور 2012، ص262

24۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد (حصہ صرف)، ص498-499

25۔ عبدالسلام ندوی، مولانا، شعر الہند، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع چہارم، 1954، ص405

26۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد (حصہ صرف)، ص207-208

27۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، قواعد اردو، ص104

28۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد (حصہ صرف)، ص501

29۔ ابواللیث صدیقی، جامع القواعد (حصہ صرف)، ص493

30۔ سہیل عباس، ڈاکٹر، بنیادی اردو قواعد ص269

31۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری "رونمائی میں ضم ہونے کا مجرم" (دیباچہ)، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، 2009، ص19

32۔ سمیع آہوجا، متن گمشدہ، سانجھ پبلیکیشنز، لاہور، 2019ء، ص10

33۔ ایضاً، ص، 90-89

34۔ سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، سانجھ پبلیکیشنز، لاہور، 2014، ص300

35۔ حمیرا جلیلی، سب رس کی تنقیدی تدوین، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، طبع اول، 1983، ص80

36۔ عبدل دہلوی، ابراہیم نامہ۔ مرتبہ مسعود حسین خان، کرناٹک اردو اکیڈمی، بنگلور، طبع ثانی، 1999، ص49

37۔ سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص، 213

38۔ ایضاً، ص167

39۔ فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر، شعورِ زبان، موتی باغ، نئی دہلی، 1990 ص60-61

40۔ سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص، 834

41۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر قواعد اردو، سیونتھ سکائی، لاہور 2012، ص55

42۔ سمیع آہوجا، متن گمشدہ، ص21

43۔ سہیل عباس بلوچ، ڈاکٹر، بنیادی اردو قواعد، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 2010، ص273

44۔ سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص، 947

45۔ ایضاً، ص673

46- سہیل عباس بلوچ، ڈاکٹر، بنیادی اردو قواعد، ص،285

47- سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص،173

48- ایضاً، ص683

49- ایضاً، ص943

50- ایضاً، ص545

51- ایضاً، ص701

52. https://www.rekhtadictionary.com/meaning-of-muhoofazat?long=ur10-03-24, 5:08PM

53- سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص،717

54. https://www.rekhtadictionaary.com/meaning-of-kakyaana?long-ur 12-03-24,1:30PM

55- سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص،479

56. https://www.rekhtadictionary.commeaning-of-gunj?lang-Urdu 12-03-2024, 1:49 PM

57- سمیع آہو جا، متن گمشدہ، ص123

58. https://www.rekhtadictionaary.com/meaning-of-bahr?long-ur 12-03-24,1:30PM

59- سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص،373

60. https://www.rekhtadictionaary.com/meaning-of-zarb?long-ur 12-03-24,1:30PM

61- سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص،651

62. https://www.rekhtadictionary.commeaning-of-kafan?lang-Urdu 12-03-2024, 1:49 PM

63- سمیع آہو جا، متن گمشدہ، ص69

64- فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر، شعور زمان، موتی باغ، نئی دہلی، 1996، ص61

65۔ سمیع آہو جا، متن گمشدہ، ص64

66۔ ایضاً، ص10

67۔ ایضاً، ص24

68. https://www.rekhtadictionary.commeaning-of-lutana?lang-Urdu 12-03-2024, 1:49 PM

69۔ سمیع آہو جا، متن گمشدہ، ص20

70. https://www.rekhtadictionary.commeaning-of-utaarnaa?lang-Urdu 12-03-2024, 1:49 PM

71۔ سمیع آہو جا، متن گمشدہ، ص39

باب سوم

ظفر اقبال اور سمیع آہوجا کے متون میں لفظی اشتقاق کا مطالعہ اشتقاقی صفر الحاقیت اور لفظ سازی کے تناظر میں

الف۔ اشتقاقی صفر الحاقیت اور لفظ سازی کی صورتیں:

صفر الحاقیت لسانیات کا ایک اہم جزہے۔اس عمل کے تحت نت نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔اس عمل میں کسی بھی مادہ لفظ کے ساتھ سابقے، لاحقے یا وسطیے کا اضافہ کیے بغیر نیا لفظ تشکیل پاتا ہے۔اس طرح کا عمل عام طور پر چھوٹی عمر کے بچوں کے ہاں ملتاہے۔ وہ لفظ کو اپنی مرضی سے استعمال کرتے ہیں۔ کہیں اسم کو فعل اور فعل کو صفت میں تبدیل کر دیتے ہیں یہ عمل لغت میں نسبتاً کم اور مارفولوجی میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ لفظ بنانے کے عمل میں عام طور پر ادیب، شاعر، مترجم، نثر نگار اور ناول نگار اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ اپنی ضرورت کے مطابق نئے الفاظ گھڑتے ہیں۔ مگر عام طور پر ان الفاظ کا مادہ (root) پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ صفر الحاقیت کے عمل میں بعض اوقات الفاظ کا لغوی زمرہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسے اردو لفظ "غریب" ایک ہی وقت میں اسم اور صفت دونوں طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ایسا عام طور پر شاعری میں ہوتا ہے کہ شاعر حضرات لفظ کو باندھتے وقت اس کا قواعدی زمرہ تبدیل کر دیتے ہیں۔اس عمل میں لفظ اپنے نئے سیاق وسباق میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن عام طور پر لفظ کے معنی اصل لفظ سے جڑے ہوتے ہیں۔ تاہم کچھ مثالیں ایسی ہوتی ہیں جس میں معنی قدرے تبدیل ہو جاتے ہیں۔اس طریقہ کار کے تحت لفظوں کے نئے معنی اور نئے قواعدی زمرے کے ساتھ ان الفاظ کو لغت میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

لفظ سازی کے تحت لفظ کو مختصر بھی کیا جاتا ہے اور دو لفظوں کو ملا کر ایک نیا لفظ بنایا جاتا ہے۔ جیسے انگریزی لفظ smog کو دو لفظ smoke اور fog سے مل کر بنایا گیا ہے۔ ایسے عمل کو آمیختہ (Blending) ملاوٹ کا عمل کہتے ہیں۔ اسی طرح مخففات (Abbreviation) میں لفظ کا پہلا لفظ لیا جاتا ہے جیسے نذر محمد راشد سے ن۔م راشد وغیرہ۔ صفر الحاقیت کا عمل انگریزی اور دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی ملتاہے۔ یہ عمل نئے الفاظ بنانے کے ساتھ ساتھ زبان کے ذخیرے میں اضافہ کرتا ہے۔ یہ تمام عمل دیگر اشتقاقی عمل کا حصہ ہیں جس کو مارک ایناروف اور کرسٹین فیوڈمین نے "What is Morphology" میں بیاں کیاہے۔

اشتقاق صفر الحاقیت کو صفر اشتقاق بھی کہا جاتا ہے۔ صفر اشتقاق الحاقیت کے تحت ایک عمل آتا ہے جسے تحویل (conversion) کہا جاتا ہے۔لفظ سازی کے عمل میں جو دوسرے طریقہ کار آتے ہیں وہ درج ذیل ہیں۔ یہ سب عوامل زبان کی توسیع میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

1) آمیختہ / ترکیب ملاوٹ — Blending

2) ترکیب اختصار — clipping

3) مخففات — Abbreviation

4) مختصرات / سرنامیہ — Acronyms

5) نولفظیت — Coinage

6) منہائی — Back formation

تحویل (Conversion)

لسانیات میں تحویل کو صفر اشتقاق یا صفر الحاقیت کہا جاتا ہے۔ یہ لفظوں کے بننے کا عمل ہے۔ جو پہلے سے موجود لفظوں سے تغیر پذیر ہوتا ہے۔ اس میں لفظ کے شکل میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ اس لیے اسے صفر الحاقیت کہا جاتا ہے۔ اس عمل میں لفظ کی شکل یا املا میں تبدیلی نہیں آتی مگر اس کی قواعدی حالت تبدیل ہو جاتی ہے یعنی اجزائے کلام میں تبدیلی۔ کوئی لفظ جو پہلے اسم تھا شاعر یا ادیب نے اس کو صفت یا بطور فعل استعمال کیا تو اس عمل کو تحویل کا عمل کہیں گے۔ اس عمل میں لفظ کی نحوی ترکیب میں استعمال کے بعد تبدیلی آئے گی۔ روشیل لیبر لکھتی ہیں۔

> "Although we often form new lexemes by affixation or compounding, in English it is also possible to form new lexemes merely by shifting the category or part of speech of an already existing lexeme without adding an affix. This means lexeme of word formation is often referred to as conversion."[1]

ترجمہ۔

”اگرچہ اکثر ہم الحاقیت یا مرکب سازی کے ذریعے نئے لغویے بناتے ہیں۔ انگریزی میں الحاقیہ لگائے بغیر پہلے سے موجود کسی لغویے کی محض قواعدی حیثیت یا اجزائے کلام میں تبدیلی کرکے نئے لغویے بنانا بھی ممکن ہے۔ الفاظ بنانے کا یہ طریقہ تحویل کہلاتا ہے۔“

اس میں پہلے سے جو لغویے موجود ہوتے ہیں ان کی قواعدی حیثیت تبدیل کر دی جاتی ہے۔ لفظ میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ مثلاً لفظ سیماب اسم ہے۔ ایک سیال دھات جس کا رنگ چاندی کی طرح سفید ہوتا ہے۔ آگ پر نہیں ٹھہرتا جلد اڑ جاتا ہے۔ جدا کرنے سے ریزہ ریزہ ہو جوتا ہے اور پھر ملانے سے مل جاتا ہے۔ اس لفظ کو کنایتہً بے قرار اور بے چین کے معنوں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ بطور صفت استعمال ہو رہا ہے۔ یہ تحویل کی ایک مثال ہے۔ جس میں لفظ بطور اسم اور بطور صفت دونوں طرح سے استعمال ہو رہا ہے اور اجزائے کلام میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے اس کی شکل، ساخت و بناوٹ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ ایک اور مثال دیکھیئے۔

حاملہ۔ اسم۔ مونث۔ بوجھ اٹھانے والی

حاملہ۔ صفت۔ مونث۔ جس عورت کے پیٹ میں بچہ ہو

اردو زبان میں اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

منہائی (Back formation)

منہائی(Back formation) ایک ایسا لسانی عمل ہے جس میں غلطی سے یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ موجودہ لفظ کسی دوسرے لفظ سے ماخوذ ہے۔ جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے جس طرح ایک طویل لفظ سے ایک چھوٹا لفظ اخذ کیا جاتا ہے جو اس سے اخذ شدہ معلوم ہوتا ہے۔ ایسا اس وقت ہوتا ہے۔ جب اس کے ساتھ لگے سابقے لاحقے ہٹا دیے جاتے ہیں۔ ان الحاقیوں کے ہٹانے سے جو چھوٹا لفظ سامنے آتا ہے اسے درست جانا جاتا ہے۔ یہ عمل عام طور پر غیر شعوری ہوتا ہے۔ جو اپنی لسانی ضروریات کے مطابق الفاظ کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ منہائی کے عمل کے بارے میں خلیل صدیقی ’زبان کیا ہے‘ لکھتے ہیں۔

"کسی مفرد یا اصلی کلمے کو تالیف شدہ سمجھ کر اس میں ایسی اصوات کو، جو بظاہر مضاعف یا بڑھائی ہو یہ محسوس ہوتی ہوں حذف کر دیا جائے اور نئے کلمے بنائے جائیں۔ انگریزی

کلمہ groveling کے اختتامی ing کو حالیہ کی علامت سمجھ کر اسے حذف کر دیا اور
کلمہ grovel بنالیا گیا۔ Editor کے or جو اضافہ سمجھ کر حذف کر دیا اور edit کلمہ
وضع کیا گیا۔"[2]

انگریزی زبان میں اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ مثلاً

Automation – Automate

Donation – Donate

Emotion – Emote

Enthusiasm – Enthuse

نولفظیت (Coinage)

نولفظیت سے مراد کسی زبان میں تشکیل پانے والے نئے لفظ اور ترکیب ہیں۔ لسانیات میں نولفظیت سے مراد نئے ایجاد کردہ الفاظ ہیں۔ جو پہلے سے موجود بنیادی الفاظ (root words) کی مدد سے نہیں بنائے جاتے اور نہ ہی ان کے ساتھ سابقے اور لاحقوں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ بالکل نئے الفاظ تخلیق کیے جاتے ہیں۔ نئی اشیا اور مصنوعات جو نئے تجربے سے وجود میں آتی ہیں اور کبھی حادثاتی طور پر نت نئی اشیا کی ایجادات، نئی اصطلاحات کی ایجادات سے نئے نئے نام وجود میں آتے ہیں۔ اس کا تعلق کسی خاص طبقے سے ہونا ضروری نہیں اس کا استعمال وسیع پیمانے پر بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کوڈک، گوگل، نائلون، وغیرہ۔ روشل لیبر اس حوالے سے لکھتی ہیں۔

> "Why are there so few coinages? Perhaps because the words themselves give no clue to their meaning. Context of ten clarifies what a word is intended to mean, but without a context to suggest meaning, the words themselves are semantically opaque."[3]

ترجمہ۔

"نولفظیت (coinage) اتنے کم کیوں ہیں؟ شاید اس لیے کیونکہ یہ الفاظ خود اپنے معنی کے بارے میں کوئی اشارہ نہیں دیتے مگر سیاق وسباق سے یہ اکثر واضح ہوتا ہے کہ

اس لفظ کا مطلب کیا ہے۔ لیکن سیاق وسباق کے بغیر لفظ اپنے معنی کے بارے میں مبہم (خاموش)ہوتا ہے۔"

روشل لیبر کے بقول نولفظیت میں لفظ اپنے معانی خود نہیں بتاتا۔ اس لفظ کے سیاق وسباق سے اس کے معانی کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔ گیان چند نولفظیت کو کے اس طریقہ کار کو نئے لفظ کی اختراع لکھتے ہیں۔ یہ نہایت شاذ ہوتا ہے۔ ورنہ عام طور پر نئے لفظ کو پرانے مادے پر بنایا جاتا ہے۔ لیکن زبانوں کی تاریخ میں ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ نئے سرے سے نئے الفاظ گھڑ لیے۔ وہ الفاظ جو بظاہر کسی مادے سے نہیں بنے ان میں ڈالڈا، کوڈک، پنسلین، وغیرہ۔ کوئی بھی کمپنی روزانہ استعمال کی نت نئی چیزیں بناتی ہیں اسے اشتہار کے ذریعے مشہور کر دیتی ہیں۔ تو یہ الفاظ روزمرہ بول چال کا حصہ بن جاتے ہیں۔ مثلاً ٹویٹ، گوگلنگ، وغیرہ شامل ہیں۔ اس طرح بھی بہت سے نئے الفاظ ہماری زبان کا حصّہ بن جاتے ہیں۔

مختصرات / سرنامیہ (Acronyms)

مختصرات لسانیات کا ایک اہم عمل ہے۔ اس میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو کسی بھی ماخذ الفاظ کے ابتدائی حروف کو لے کر انھیں آپس میں ملا دیا جاتا ہے جس سے ایک اور نیا لفظ بن جاتا ہے۔ یہ اصل الفاظ کی مختصر حالت ہوئی، عام طور پر نئے بننے والے الفاظ بے معنی ہوتے ہیں۔ اس عمل کے تحت بنائے گئے تمام الفاظ اسم ہوتے ہیں۔ مثلاً

National University of Modern Languages – NUML

National Aeronautics and Space Administration – NASA

مختصرات ایک لفظ کی طرح بولا یا پکارا جاتا ہے۔ جیسا کہ اوپر والی مثالوں سے ظاہر ہے۔ اس قسم کے مختصرات اکثر لفظی ناموں سے اخذ ہوتے ہیں۔ ان میں اکثر مخصوص پیشوں، تنظیموں، یا جارگن (خصوصی زبان) سے تعلق رکھتے ہیں۔ بہت سے مختصرات ایسے ہوتے ہیں جن کا بولنے ولے کو بھی اندازہ نہیں ہوتا۔ وہ انہیں لفظ سمجھ کر استعمال کرتے ہیں مثلاً پی۔ ڈی۔ ایف۔ لیزر۔ ریڈار۔ ناسا وغیرہ۔ مختصرات میں پائے جانے والے حروف تہجی عام طور پر ایک مکمل لفظ کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

Qurik et al کے مطابق مختصرات کی دو قسمیں ہیں۔[4]

ا۔ ایک وہ مختصرات جو ایک لفظ کی طرح بولا یا پکارا جائے مثلاً

FAST

NASA

UNESCO

۱۔ دوسرے وہ مختصرات جو ایک ترتیب کے ساتھ بولے جائیں مثلاً

DC	ڈپٹی کمشنر
COD	کیش آن ڈیلیوری
VIP	وی آئی پی
FBI	ایف بی آئی

مختصرات (Acronyms) محففات (Abbreviation) کی ہی ایک قسم ہے جس میں کسی طویل الفاظ کے ابتدائی حروف کو لے کر ایک نیا لفظ بنتا ہے۔ محففات میں لفظوں کے حرف کو الگ کر لیا جاتا ہے۔ جبکہ مختصرات میں ان الگ الگ کئے گئے حروف سے ایک نیا لفظ تخلیق پاتا ہے اسی لیے کہہ سکتے ہیں وہ وصفی لفظ جو کئی الفاظ کے پہلے حروف کو ملا کر بنایا جائے۔ مختصرات کہلاتے ہیں۔

اردو زبان میں اس میں اس طرح مختصرات نہیں بنائے جاسکتے مگر انگریزی زبان کی وجہ سے ایسے مرکبات / تراکیب بہت زیادہ بنائی جارہی ہیں۔ بہت سی یونیورسٹیوں، ادارے، تجارتی مراکز کے نام ایسے رکھے جارہے ہیں ان کا تلفظ اکثر الفاظ کے طور پر کیا جاتا ہے۔ ایسے نئے بننے والے الفاظ بھی زبان کی توسیع میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ان استعمال کرنے والے الفاظ کو ہم مستعاریت کے ذیل میں رکھ سکتے ہیں کیونکہ ان کا استعمال دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔

محففات (Abbreviation)

بعض حروف بول کر الفاظ مراد لینا دینا کی تمام زبانوں میں مروج ہیں یہ تصور خاصا رواج پاچکا ہے یہ محففات مختلف علوم و فنون میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ بہت سا علمی سرمایہ، علامات و اشارات کی صورت میں موجود ہوتا ہے حروف مقطعات بھی محففات کی ذیل میں آتے ہیں یہ ادبی اسلوب عہد رسالت میں بھی موجود تھا۔ محفف دراصل وہ لفظ ہے جسے ایک بڑی ترکیب سے مختصر کر لیا جاتا ہے۔ جیسے ق۔م سے مراد قبل مسیح ہے۔ ص، عہ کی علامات (صلی اللہ علیہ وسلم) اور علیہ السلام کا مخفف ہیں محففات کا یہ عمل انگریزی، فرانسیسی، عربی اور دیگر زبانوں میں بہت زیادہ ہیں کیوں کہ شمس الرحمن فاروقی کے بقول کہ اردو آہستہ بولی جاتی ہے باقی زبانیں تیز بولی جاتی ہیں اس لئے ان میں محففات کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اردو میں محففات بنائیں تو عجیب

صورتحال سامنے آتی ہے اردو میں یہ عمل نہ ہونے کے برابر ہے۔ محففات کے بارے میں شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں۔

"عام طور پر مغربی زبانوں میں لفظ کی جگہ اس کے محفف کے طور پر پہلا حروف رکھ دیتے ہیں یہ پہلا حروف رکھ دیتے ہیں یہ صورت ناموں کے لئے اکثر دکھائی دیتی ہے چنانچہ

George bermard show G.B Show

William Butler yeats W.B yeats

United Nation Organization UNO مستعمل ہیں"[4]

اردو شعرانے انگریزی طرز پر نام رکھنا شروع کردیئے تھے لیکن ن۔م۔راشد کے علاوہ کوئی نام مشہور ہوا۔ اردو میں انگریزی اور عربی والے محففات مستقل ہیں چند مثالیں درج ذیل ہیں۔

صفحہ ص

نذر محمد راشد ن۔م راشد

اگر ہم اردو میں محففات بنائیں تو NAVA Words

NAVA= Noun +Adjective+ verb +Adverb

آیئے اس کی ترجمہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اسم +صفت + فعل + فعل متعلق = اصفف

ایک اردو مثال دیکھیں

لاہور ریلوے اسٹیشن۔لرا

اسی وجہ سے ہم زیادہ تر محففات انگریزی کو اردو میں ترجمہ کرکے بناتے ہیں اردو سے محففات بنانے کا نتیجہ مضحکہ خیز شکل میں سامنے آتا ہے۔ اس لئے شمس الرحمن فارقی کی بات درست معلوم ہوتی ہے۔ کہ اردو میں محففات بنانے سے عجیب صورتحال سامنے آئے گی۔ اس لیے اردو میں انگریزی اور عربی کے محففات استعمال ہوتے ہیں۔ یا اسی طرز پر نئے محففات بنائے جاتے ہیں اردو میں محففات رومن رسم الخط میں بنائے جا رہے ہیں۔

GIKU = Ghulam Ishqaq Khan University، غلام اسحاق خان یونیورسٹی

اس طرح کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں، اس طرح کے نام رکھنے کا عام رجحان ہے۔کچھ لوگوں نے اردو میں بھی مخففات بنانے کی کوشش کی ہے جس میں تور والی کا ادارہ اب ت (ادارہ برائے تعلیم و ترقی) اس کی ایک بڑی اہم مثال ہے۔ مخففات کے اردو میں بنانے کا عمل سست ہے مگر آنے والے وقت میں اس کا استعمال بڑھنے کا امکان ہے۔

ترکیب اختصار (Clipping)

لسانیات میں ترکیب اختصار سے مراد ایک یا ایک سے زیادہ حروفوں کو ہٹا کر کسی لفظ کو مختصر کرنے کا عمل ہے۔ وضع الفاظ کی یہ زبان میں ہونے والا اہم عمل ہے۔ اس عمل میں الفاظ میں تبدیل واضافہ کے بر عکس لفظ کے ایک صوت رکن (Syllable) کی تبدیلی سے مختصر کیا جا سکتا ہے۔لفظ کا وہ مختصر حصہ چاہے وہ ابتدا، آخر یا درمیان سے کہیں سے بھی لیا جائے وہ مکمل لفظ کو ظاہر کر رہا ہوتا ہے۔ یہ مختصر کردہ الفاظ اکثر اوقات غیر رسمی بول چال میں استعمال ہوتے ہیں اور روز مرہ بول چال کا حصہ بنتے ہیں یہ الفاظ سہولت اور آسانی کے لیے بنائے جاتے ہیں وہ کچھ مخصوص سیاق وسباق میں بڑے پیمانے پر استعمال کیے جاتے ہیں مختصر کئے گئے یہ الفاظ اکثر اپنے معنی بر قرار رکھتے یا وقت کے ساتھ نئے معانی پیدا کرتے ہیں۔ مختصر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب موجودہ الفاظ کو مختصر یا کاٹ چھانٹ کر نئی ترکیب یا لفظ وضع کیا جائے ترکیب اختصار کہلاتا ہے۔ مثلاً انفارمیشن کو انفو بنا دیا لفظ گھاٹا کو گاٹا اور دھچکا کو دھچا بنا دیا جاتا ہے۔ ٹیلی فون کو فون اور ریل گاڑی کو گاڑی ترکیب اختصار کی چند اہم مثالیں ہیں۔ اردو زبان لکھنے والوں کی بڑی خصوصیت یہ ہے وہ کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ بات کرتے ہیں۔ علی رفاد فتیحی نے ترکیب اختصار کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔[6]

۱)	پس ترکیب اختصار	Back Clipping
۲)	پیش ترکیب اختصار	Fore Clipping
۳)	مختلف اجزا ترکیب اختصار	Complex Clipping

پس ترکیب اختصار

پس ترکیب اختصار میں الفاظ میں ردوبدل کے بر عکس لفظ کا ابتدائی حصہ لیا جاتا ہے اور آخری حصہ کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کی مثال درج ذیل ہیں۔

عوام الناس	عوام
مدینہ النبی ﷺ	مدینہ

سعدیہ　　　　سعدی

پیش ترکیب اختصار

پیش ترکیب اختصار میں لفظ کی ابتدائی جز حذف کر دیا جاتا ہے اور لفظ کا آخری جز لیا جاتا ہے اس کی مثالیں درج ذیل ہیں۔

راولپنڈی　　　　پنڈی

ہوائی جہاز　　　　جہاز

ماہ نور　　　　نور

آب زم زم　　　　زم زم

مختلف الاجزاترکیب اختصار

مختلف الاجزاترکیب اختصار کی اصطلاح ان تراکیب کے لیے ہوتے ہیں جہاں دو الفاظ پائے جاتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک لفظ کا ایک جز حذف کیا جاتا ہے کبھی دونوں اجزا کے حذف کا یہ عمل ابتدا، وسط اور آخر میں کہیں بھی ہو سکتا ہے۔

ریفریجریٹر　　　　فرتج

انفلوائنزہ　　　　فلو

ترکیب اختصار لفظ کی تشکیل کی اہم شکل ہے جو زبان کے ارتقا اور ترقی میں مفید عمل ہے۔ ترکیب کا یہ عمل آمیختہ کے عمل کے ساتھ ایک سطح پر جا کر مل جاتا ہے۔

ترکیب ملاوٹ / آمیختہ　　(Blending)

آمیختہ (Blending) ایک مارفیمیاتی عمل ہے۔ لسانیات میں دو یا دو سے زیادہ الفاظ سے مل کر یہ تشکیل پاتا ہے۔ اس تعریف کو پڑھ کر مرکب کی تعریف ذہن میں آتی ہے۔ آمیختہ دراصل مرکب کی طرح کا طریقہ کار ہے۔ لیکن اس میں لفظوں کو مختصر کر کے بنایا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار میں دونوں الفاظ آزاد مارفیم (Free marphem) ہوتے ہیں مگر ہر بار ایسا ہو یہ لازمی نہیں۔ آمیختہ کے ذریعے بننے والے الفاظ پہلے سے موجود لفظوں کے ملاپ کا پہلا حصہ اور دوسرے لفظ کا آخری حصہ لے کر ایک نیا لفظ بنا لیا جاتا ہے۔

Smok + Fog　　=Smog

Information + Entertainment = Infotainment

Talevision + broad cast = Tele cast

ان الفاظ کو اردو میں بھی اسی طرح استعمال کرتے ہیں۔

سموک	+ فوگ	= سموگ
انفارمیشن	+ انٹرٹینمنٹ	= انفوٹینمنٹ
ٹیلی ویژن	+ براڈ کاسٹ	= ٹیلی کاسٹ

اردو میں بننے والے آمیختے (Blends) ضروری ہیں شروع اور آخر سے لیے جائیں اور ان میں بعض اوقات درمیان سے بھی لیے جاتے ہیں۔

دھما	+ چوکڑی	= دھمچہ
گل	+ آفتاب	= گلافتاب
اڑنا	+ پھنسنا	= اڑپھنس

آمیختہ ایک قدیم عمل ہے یہ عمل اتنا ہی قدیم ہے جتنی زبان ہوتی ہے۔ آمیختہ کا لفظ گیان چند نے "عام لسانیات" میں استعمال کیا ہے۔ جیسے ہاضمینہ کی گولیاں جو کہ ہاضمے کے لیے استعمال ہوتی ہیں۔ مستورین گولیاں جو کہ عورتوں کے اندرونی مسائل کی دوا کہلاتی ہے۔ ان دونوں دوائیوں کے نام آمیختہ کی اہم مثالیں ہیں۔

ہاضم	+ ینہ	= ہاضمینہ
مستور	+ ین	= مستورین

ان مثالوں کو سامنے رکھیں تو پتا چلتا ہے۔ آمیختہ کا عمل دو آزاد مارفیموں سے مل کر بنتا ہے۔ مگر اس میں ایک آزاد مارفیم اور دوسرا لفظ پابند مارفیم ہے۔ جن کے ملنے سے ایک نیا لفظ وجود میں آتا ہے۔ ایسے الفاظ لسانی ضروریات اور تجارتی مقاصد کے تحت بنائے جاتے ہیں۔ اس طرح کے الفاظ جب زبان میں متعارف کروا یا جاتا ہے تو اسے ابتدا میں اجنبی اور غیر مانوس سمجھا جاتا ہے۔ تاہم جیسے ہی لوگ ان الفاظ کا استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ زبان میں ضم ہو جاتے ہیں پھر ان الفاظ کا استعمال کرنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ زبان میں ضم ہو جاتے ہیں پھر ان الفاظ کو زبان کے گرامر اور صوتیاتی ڈھانچے میں اپنانا شامل ہیں اس عمل میں زبان کی گرامر اور قواعد کے مطابق ان الفاظ میں تبدیلیاں واقع ہو جاتی ہیں۔ اس کی ایک دوسری صورت بھی سامنے آتی ہے

کہ نئے الفاظ عام کی بول چال میں شامل ہوتے ہیں۔ ان کا چلن ہونے پر لغت میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اور اس سے زبان میں توسیع کا عمل جاری رہتا ہے۔

مستعاریت (Borrowing)

زبان چونکہ کوئی ساکت یا رکنے والی شے نہیں یہ وقت، جگہ اور زمانے کے حساب سے اپنی ہیت، ساخت اور شکل تبدیل کرتی رہتی ہے اور اس میں نت نئی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں۔ عام طور پر زبان کے دو اہم عناصر ہوتے ہیں ایک وہ جو اسے ماخذ زبان سے ملتے ہیں اور دوسرے وہ ہوتے ہیں جس کسی غیر زبان سے یا باہر کی کسی زبان سے لیے جاتے ہیں دوسری زبان کے لینے کے عمل رعایت کہتے ہیں اور دینے والی زبان کو وائن (Lender) کہا جاتا ہے۔ اس قسم کا لین دین زبانوں میں عام ہے۔ اسی طریقہ کار کے تحت زبانیں پھلتی پھولتی ہیں۔ اگر یہ عمل رک جائے تو وہ زبان مردہ ہو جاتی ہیں۔ اس عمل میں اگر کوئی لین دین کیا جائے تو اس کی واپسی ممکن نہیں ہوتی ہے۔ مستعاریت کے عمل کے ذریعے زبان میں بہت سے ایسے تصورات کو لیا جاتا ہے جن کے لیے مقامی زبان میں الفاظ موجود نہیں ہوتے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر عصمت جاوید لکھتے ہیں۔

> "دنیا کی ہر چیز نہ ایک حالت پر قائم رہی ہے اور نہ رہ سکتی ہے۔ قدرت کے کارخانے میں صرف تغیر کو ثبات حاصل ہے۔ قوموں کہ طرح زبانیں بھی مستقل تبدیلیوں کی زد میں ہوتی ہیں۔ زبان اردو کا ارتقائی سفر اور اس میں ہونے والی صوتی، صرفی، نحوی اور معنوی تغیرات ہی کی نشاندہی نہیں کرتا بلکہ ان تاریخی اور ثقافتی اثرات کی بھی کہانی سناتا ہے جنہوں نے اس کے خط و خال میں نمایاں تبدیلیاں بروئے کار لانے میں تخلیقی کردار ادا کیا۔ "[7]

مختلف قوموں کے آپسی ملاپ سے زبان کی ترویج و ترقی کا عمل شروع ہوتا ہے۔ جب مختلف ثقافتیں ملتی ہیں تو لفظوں کے لین دین کا عمل شروع ہوتا ہے۔ اس طرح زبانوں کے لفظی سرمائے میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لئے زبان میں مستعارت کا عمل ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔ مستعاریت کا عمل اخذ قبول کا عمل ہے یہ عمل زبان کی بڑھوتی میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ مستعاریت کے چار ماخذ ہیں جو گیان چندے "عام لسانیات" میں بتائے۔ [8]

۱) غیر زبان سے

۲) اپنی زبان کے قدیم روپ سے

۳) اپنی زبان کی کسی دوسری بولی سے

۴) اپنی زبان کے ترسیمی روپ سے

یہ چار ماخذ علی رفاد فتیحی نے "اردو لسانیات" میں بیان کیے۔ گیان چند اپنی زبان کی کسی دوسری بولی کہتے ہیں جبکہ فتیحی زبان کی علاقائی بولی لکھتے ہیں اپنی زبان کی دوسری بولیوں سے مراد کھڑی بولی، ہندی یا پراکتوں کی مدد کو ماخذ بتایا علاقائی بولیوں کو اس ماخذ میں شامل کیا۔ آج کے دور میں جب ہمارے ارد گرد بہت سی علاقائی بولیاں موجود ہیں تو ان سے لین دین کا عمل قدرتی عمل ہے زبان کی توسیع میں علاقائی زبانیں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔

مستعاریت کا سب سے بڑا ماخذ کسی غیر زبان سے لینے کا عمل ہے۔ انگریزی میں اسے ذولسانی (Bilingual) اور کثیر لسانی (Multi Lingual) عمل کہتے ہیں۔ جب کسی غیر زبان سے کوئی لفظ ادھار لیا جاتا ہے تو یہ عمل کسی ذریعے سے ہی ہو گا۔ ظاہر ہے اس کو لینے والا کوئی شخص ہی ہو گا اور جس شخص کو اس لفظ کی ضرورت ہو گی۔ وہی اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے اس لفظ کا ترجمہ اپنی زبان میں کرے گا یا اس لفظ کو جوں کا توں اپنی زبان میں شامل کرے گا۔ جوں کا توں استعمال کرنے والے کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہ ضروری نہیں استعمال کرنے والے کو اس کا صحیح تلفظ معلوم ہے یا نہیں یا اس کے درست معنوں کو جانتا ہو۔ وہ اپنے اندازے کے ساتھ اس لفظ کا استعمال کرتا ہو۔ اس طرح بہت سے الفاظ زبان میں غیر زبان سے لینے کے بعد غلط تلفظ اور غلط معنوں میں مستعمل ہیں۔ مثلاً عربی میں خبر کی جمع اخبار ہے ہمارے ہاں خبریں۔ اور اخبار News paper کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اب ان الفاظ کی اصل کا پتہ کروایا بھی جائے تو کوئی فائدہ نہیں کیونکہ زبان تو بولنے والوں سے ہوتی ہے۔ جیسا عوام میں زبان کا چلن ہو گا ویسا ہی درست تصور کیا جائے گا نئے تجربات تصورات، معانی اور مفہوم کے لئے مستعاریت کا طریقہ اپنایا جاتا ہے مگر غیر زبان سے الفاظ لیتے وقت احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ تاکہ درست معنی و مفہوم پہنچ سکے۔ مستعاریت کا یہ عمل زبان میں لغوی مادوں کا موجود نہ ہونا۔ یا ان کی کمی ہونا ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں آنے والی نت نئی تبدیلیاں ہیں ہر روز نئی سائنسی ایجادات ہو رہی ہیں۔ نئی ادویات، نئی ایپلیکیشن کا ظہور، نئی سائنسی ایجادات اور اس کے ساتھ اس دور میں ہونے والے واقعات جیسے کرونا جیسی بیماری بھی اپنے ساتھ بہت سے الفاظ لائی۔ احمد دین "سرگزشت الفاظ" میں نئے شامل ہونے والے الفاظ کی وجوہات کچھ یوں بتاتے ہیں۔

1) نئی معاشرتی ضرورتیں نئے الفاظ پیدا کرتی ہیں۔

2) الفاظ بنانے میں شاعر کا حصہ

3) ممتاز افراد نئے الفاظ بناتے ہیں۔

4) مقبول عام تحریکیں نئے الفاظ وجود میں لاتی ہیں۔

5) دائرہ علمی کی توسیع کلام کی توسیع کا باعث ہوتی ہے۔[9]

اردو زبان میں ہزاروں مثالیں موجود ہیں جو لغوی مادوں کی کمی کی وجہ سے دوسری زبانوں سے الفاظ لئے گئے۔ مثلاً

انگریزی	شوکیسز	Show case
فارسی	رگبار	
انگریزی	برسٹ	Burst
فارسی	آب	
عربی	خبر	

ہمارے ہاں آج کل انگریزی زبان کا استعمال بے حد عام ہے پہلے ہمارے ہاں اپنی زبان کو بولنے میں فخر محسوس کرتے تھے مگر اب اہل علم اپنی گفتگو میں انگریزی اصطلاحات کا استعمال زیادہ کرتے ہیں۔ جس سے وہ اپنی قابلیت علمیت اور اعلیٰ طبقے سے اپنے مراسم کو ظاہر کرتے ہیں مستعایت کے اس عمل میں لغوی مادوں کا خلا ہونا وجہ نہیں ہوتا۔ زبان میں اس کے لیے بہت سے الفاظ موجود ہوتے ہیں۔ یہ لسانی توقیر (Linguistic Prestige) کی مثال ہے۔

بیٹا ایک بائٹ لے لو

بائٹ بجائے لقمہ کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

دنیا کی پاپولیشن روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔

اس جملے میں پاپولیشن کی جگہ آبادی کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔

اسی طرح بہت ممنوع الفاظ (Taboos Words) ہیں جو ہم بولنا پسند نہیں کرتے۔ یا ان الفاظ کو حقیر، کم تر اور پست خیال کرتے ہیں ان الفاظ کی جگہ غیر زبان کے لفظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً

پیشاب	Urine
قبض	Constipation

امید سے ہونا Pregnant

کوڈ مکسنگ اور مستعاریت کے عمل میں بنیادی فرق یہ ہے کہ کوڈ مکسنگ کا عمل عارضی اور مخصوص سیاق وسباق میں ہوتا ہے جیسے روزمرہ کی گفتگو میں انگریزی یا کسی زبان کے الفاظ جملے میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ جب کہ مستعاریت کا عمل طویل المدتی لسانی عمل ہے جس میں مستعار لیے گئے الفاظ زبان کا مستقل حصہ بن جاتے ہیں جسے سبھی زبان بولنے والے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے استعمال کرتے ہیں۔ یہ فرق زبان کے ارتقاء کو ظاہر کرتا ہے کی کیسے بعض الفاظ وقتی طور پر مستعمل ہوتے ہیں اور کیسے وہ وقت کے ساتھ زبان میں شامل ہو کر مستقل حیثیت اختیار کر لیتے ہیں۔

قدیم روپوں اور علاقائی بولیوں سے مستعاریت کا دوسرا بڑا ماخذ ہے قدیم روپوں سے مراد کھڑی بولی اور متروک الفاظ ہیں۔ اپنی زبان کے قدیم رویوں سے مستعار لینے کا عمل کم ہوتا ہے۔ کھڑی بولی اب نہ سمجھی جاتی نہ بولی۔ البتہ متروک ادب کو دوبارہ زندہ کرنے کی کوششیں کی گئیں جو کہ ناکام ہوئیں۔ متروکات کے حوالے سے جامعہ کراچی کے ریسرچ جرنل "جریدہ" نے کافی کام کیا۔ متروکات کی تاریخ، وجوہات اور کوششوں کے بارے میں تفصیلا کام کیا گیا۔ متروکات کی لغت تیار کی گئ۔ متروکات پر مشتمل یہ کام تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسی جرنل میں مترکات کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے کوششوں کا ذکر ملتاہے ان میں جوش ملیح آبادی اور عبدالعزیز خالد کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے محض بھرتی کے لئے اور اپنی علمیت کا دھاک بٹھانے کے لئے ایسا کیا۔ دوسری کوشش مشتاق احمد یوسفی نے کی۔ ان کی شگفتہ تحریر نے مردہ الفاظ کو نئی زندگی عطا کی اور تحریر کی لطافت میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آیا۔ اس طرح کی ایک کوشش اشفاق احمد نے بھی کی انہوں نے "اردو کے خوابیدہ الفاظ" کے نام سے متروک الفاظ کی لغت بنائی۔ یہ ساری کوششیں بر آور ثابت نہ ہوئیں قومی زبان پر علاقائی زبانوں کے اثرات شدت سے محسوس کئے جاسکتے ہیں قومی زبان کو لنگوا فرانکا کہا جاتا ہے۔ قومی زبان میں علاقائی زبانوں کا شامل ہونا ایک فطری عمل ہے اردو میں علاقائی زبانوں پنجابی، پشتو، بلوچی، سندھی اور سرائیکی کے الفاظ شامل ہوتے جارہے ہیں جو زبان کی توسیع میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ انگریزی زبان میں زیادہ تر اصطلاحات لاطینی (Latin) سے لی جاتی ہیں اور اردو میں عربی و فارسی سے اردو کا ماخذ عربی و فارسی ہے۔ انگریزی کا (Latin) لیٹن سے استفادہ کرنا اور بات ہے اور ماخذ ہونا الگ۔

زبان اپنے ترسیمی روپ سے شاذونادر کوئی روپ ادھار لیتی ہے یہ مستعاریت تیسرا بڑا ماخذ ہے۔ جب زبان کی تقریری شکل (Verbal Language) زبان کی تحریری شکل سے الفاظ مستعار لیتی ہے تو عمل تر

سیمی مستعاریت کہلاتی ہے۔ زبان میں توسیع دو طرح سے ہوتی ہے۔ ایک تحریری شکل میں موجود الفاظ سے دوسرے عام بول چال سے آج کل عام بول چال میں جو چلن ہے وہ ہے مخففات کا استعمال۔ جو تحریری شکل سے عام بول چال میں آیا۔ مثلاً تپ دق کو T.B وائس چانسلر کو VC وغیرہ

UNESCO AIDS, NUML

کچھ مخففات ایسے ہیں جنہیں ہم لفظ سمجھ کر استعمال کرتے ہیں، آج کل آنے والے نئے نئے مخففات کو عام بندہ سمجھنے سے قاصر ہے۔ بعض اوقات ایک لفظ کو مستعار لیتے وقت اس کی شکل وصورت ادھار نہیں لی جاتی اس کا مفہوم ادھار لیا جاتا ہے۔ اس طریقے کی تین صورتیں ہیں۔

1) مستعار ترجمہ (Loan Translation)

2) مستعار نقل معنی (Loan Shift)

3) مستعار آمیختہ (Loan Blends)

جب مترجم کو کسی لفظ کی ضرورت پڑتی ہے تو وہ اسے ترجمہ کر لیتا ہے۔ اس لفظ کی املائی شکل نہیں بلکہ اس کا مفہوم اپنی زبان میں منتقل کر لیتا ہے اس عمل کو مستعار ترجمہ کہتے ہیں مثلاً

علم نفسیات	Psychology
بجلی-برق	Light
وجودیت	Existentialism

اسی طریقہ کار کے تحت محاوروں اور ترکیبوں کا بھی ترجمہ کیا جاتا ہے۔

جب کوئی لفظ یا ترکیب دائن زبان میں مجازی معنوں میں استعمال ہو۔ اور دوسری زبان میں اسے لفظی ترجمہ کر لیا جائے۔ اس عمل کو مستعار نقل معنی کہتے ہیں۔ اگر لفظی ترجمہ میں اس لفظ کا معنی ومفہوم بھی واضح ہو تو وہ مستعار نقل معنی کی عمدہ مثال کہلائے گی۔

ظہرانہ	Lunch
عشائیہ	Dinner
ناشتہ	Breakfast

ایسی ترکیب جس میں حصولی زبان لفظ کو مستعار لے کر اپنے قواعدی اصولوں کے مطابق ڈھال لے، کسی بھی لفظ کے ساتھ سابقے لاحقے لگا کر اپنے لسانی مزاج کے مطابق ہم آہنگ کرے اس عمل کو مستعار آمیختہ کہتے ہیں۔

ٹینک	ٹینکوں
مارٹر	مارٹروں
جیالوجسٹ	جیالوجسٹوں
کیمرہ	کیمروں

مستعاریت کے عمل میں گورنمنٹ کی پالیسیز بھی اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں انگریزی کو ایک دوسری زبان کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ اس لئے اردو اور انگریزی دونوں میں تعلیم ساتھ ساتھ چلتی ہے اس لئے جو لفظی خلا اردو میں موجود ہوتا ہے اسے انگریزی زبان کے الفاظ لے کر پر کر لیا جاتا ہے کیونکہ گورنمنٹ نے اردو اور انگریزی دونوں کو ذریعہ تعلیم بنایا ہوا ہے۔ اس عمل سے کوڈ سوئچنگ اور کوڈ مکسنگ کا عمل بہت تیزی سے پروان چڑھا ہے اس کے ساتھ ساتھ میڈیا کے کردار کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ سوشل میڈیا کے اس دور میں جب دنیا ایک گلوبل ویلیج بن گئی ہے وہاں زبانوں کے متروک ہونے کے عمل تیزی سے پروان چڑھا ہے انگریزی زبان ہی ہر طرف چھائی دکھائی دیتی ہے۔ اور باقی زبانیں نسل کشی کا شکار ہو رہی ہیں۔ مستعاریت کے عمل میں باقی زبانوں سے زیادہ انگریزی زبان سے مستعار لینے کا عمل کافی تیزی سے جاری ہے۔

ب۔ ظفر اقبال کے شعری متون میں صفر الحاقیت اور لفظ سازی کی مثالوں کا تجزیہ

"گلافتاب" کا لفظ ظفر اقبال کی کتاب کا عنوان ہے یہ نام رکھنا محض اتفاق نہیں ہو سکتا اس کے پیچھے ایک لمبی کہانی محسوس ہوتی ہے جس دور میں یہ کتاب شائع ہوئی وہ وقت لسانی تشکیلات کی تحریک کے عروج کا دور تھا ظفر اقبال براہ راست اس تحریک کا حصہ نہ تھے مگر اس تحریک کے اثرات سب سے زیادہ ان کی شاعری پر پڑے انہوں نے لفظوں کے ساتھ جو تجربات کیے ان میں سے کچھ تو شعری ضروریات کے تحت کیے کچھ زبان کی ساخت میں توڑ کر نئے سانچے بنائے اسی طرح لسانیات میں لفظ سازی کے عمل میں دو لفظوں

سے مل کر ایک نیا لفظ بناتے ہیں اس عمل میں موجود لفظوں سے پہلے لفظ کا پہلا حصہ اور دوسرے لفظ کا آخری حصہ لیا جاتا ہے۔یہ عمل آمیختہ (blending) کہلاتا ہے گلافتاب کا لفظ ایک نیا لفظ ہے جو لغت میں موجود نہیں گل اور آفتاب سے گل اور فتاب لیا گیا جو زبان کی توسیع کے عمل کو ظاہر کرتا ہے۔ڈاکٹر جابر علی اپنے مضمون "لسانی تشکیلات کی تحریک اور پاکستانی اردو غزل" میں لکھتے ہیں:

> "گلافتاب لسانیات کی اصطلاح میں ایسا ہے جیسے (portmanteau) کہا جاتا ہے اس میں دراصل دو مختلف لفظ آپس میں مل کر مرکب بننے کے بجائے ایک دوسرے میں مدغم ہو کر ایک نیا لفظ بنا لیتے ہیں ادغام کے اسی عمل سے ظفر اقبال نے استفادہ کیا اور اردو میں لفظ سازی کی سعی کی ادغام کا یہ عمل عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں کے حوالے سے بھی نامانوس نہیں"[10]

(portmanteau) ایک فرنچ لفظ ہے انگریزی میں اس عمل کو آمیختہ (blending) کہا جاتا ہے "گلافتاب" کی تشکیل کے بارے ڈاکٹر منیبہ زہرا لکھتی ہیں:

> اگر گلافتاب کی تشکیل کو ذہن میں رکھا جائے تو خیال آتا ہے کہ کیا اس "گلافتاب" میں آفتاب (light of wisdom) یا (intellect) ہے جو عقل کے دریچے کھولتی چلی جاتی ہے اور اس روشنی کی ظاہری ہیت "گل" ہے اور "گل" دراصل منطق واستدلال کی روشنی کو کشید کرتے ہوئے وہ اشعار ہیں جو "گلافتاب" میں جلوہ گر دکھائی دیتے ہیں"[11]

گلافتاب میں فک اضافت کے حوالے سے طارق ہاشمی لکھتے ہیں: "فک اضافت کے اس تجربے ہی نے گلافتاب جیسے نئے لفظ کی تشکیل کا امکان روشن کیا ہے"[12] فک اضافت سے مراد کسی لفظ میں اضافت کی علامت (کسر) کو چھوڑ دینا ہے فک اضافت دراصل کسی جملہ میں کم از کم دو الفاظ کی باہمی ترکیب کو دور کرنا ہے یعنی ترکیب کی قید سے جملے کو ڈھیلا کر دیتا یہ کوئی باضابطہ لسانی اصول نہیں بلکہ زبان کی توسیع اور ضرورت کے تحت شعرا اور ادیب اسے عمل میں لاتے اس لفظ گلافتاب میں فک اضافت کے تجربے سے نئے لفظ کی تشکیل نہیں ہوئی بلکہ لسانیات میں لفظوں کے اس طرح ملا کر لکھنے کے عمل کو آمیختہ (blending) کہتے ہیں یہ توسیع زبان کا ایک عمل ہے جس کے تحت نئے نئے الفاظ بنتے ہیں۔

ے بودے ہوئے دکھ اٹھا اٹھا کر دھچکا تھا کبھی سو اب ہے دھچا

(گلافتاب، ص39)

اس شعر میں "دھچا" نامانوس الفاظ کی ایک مثال ہے بنیادی طور پر یہ لفظ بچا، اچا، دھمچہ وغیرہ کے قافیے کے طور پر اختراع کیا گیا ہے جس سے ایک طرف شعری ضرورت پوری ہوئی دوسری طرف زبان میں پہلے سے موجود لفظ دھچکا کا ایک تبدیل شدہ روپ سامنے آیا ہے لفظ سازی کے عمل میں اس روپ کو ترکیب اختصار (clipping) کہا جاتا ہے جس میں پہلے سے موجود لفظ میں ایک یا ایک زیادہ حرفوں کو ہٹانے سے نیا لفظ وجود میں آتا ہے لفظ کا وہ حصہ چاہے ابتدا، آخر یا درمیان کہیں سے بھی مختصر کیا جاتا ہے۔اس شعر میں لفظ دھچکا کے درمیان سے "ک" کو ہٹایا گیا ہے مگر اس سے لفظ میں کوئی معنوی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔

مطلع میں ظفر کو روکتا کون اچھا کو جو باندھ لیتے اچا (گلافتاب، ص39)

اس شعر میں لفظ "اچا" ایک نامانوس لفظ ہے جو کہ پہلے سے موجودہ لفظ اچھا سے مختصر کر کے بنایا گیا ہے پہلے سے موجودہ لفظ کو مختصر کر کے نیا لفظ بنانے کے عمل کو ترکیب اختصار (clipping) کہا جاتا ہے بظاہر اگر شعر کو دیکھیں تو پوری غزل میں اچا، دھچا، بچہ، کچا اور دھمچہ جسے الفاظ بطور قافیے استعمال ہوئے ہیں جس میں شاعر نے اپنی شعری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لفظوں کو مختصر کر کے استعمال کیا ہے لیکن ظفر اقبال نے اپنے شعروں میں لسانی توڑ پھوڑ سے نئے الفاظ بنانے کا عمل روا رکھا ہے یہ اسی کی ایک عملی صورت ہے جس میں لفظوں کے معانی میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی

مجھے قہر تھا میں برستا رھیا وہ آنکھوں ھی آنکھوں میں ھستا رھیا (گلافتاب، ص،97)

اس شعر میں لفظ "ھستا" ایک سلینگ لفظ ہے جو پہلے سے دستیاب لفظ "ھستا" کا مختصر کر کے بنایا گیا ہے جو لفظ سازی کے ایک عمل ترکیب اختصار (clipping) میں کیا جاتا ہے اگر اس غزل پر غور کریں تو یہ لفظ شعری ضرورت یعنی قافیہ سازی کے لیے استعمال کیا گیا ہے جس میں شعر کے وزن اوزن پورے کرنے کے لیے اسے مختصر کیا گیا اس غزل میں برستا، امستا، ہوستا اور پھستا وغیرہ کے الفاظ بطور قافیہ استعمال ہوئے ظفر اقبال کی اس غزل میں لسانی توڑ پھوڑ کی کئی صورتیں نظر آئیں اس شعر میں لفظ "ھستا" لکھنے سے لفظ کے معنوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی

اوپر نیچے وجود موجود دیر تک مچتا رہا دھمچہ (گلافتاب، ص،39)

اس شعر میں ”دھمچو“ کا لفظ نامانوس ذخیرہ الفاظ کی ایک مثال ہے بنیادی طور پر یہ لفظ بچا، اچا، کچا، وغیرہ کے قافیے کے طور پر اختراع کیا گیا ہے جس سے ایک طرف شعری ضرورت پوری ہوتی ہے اور دوسری طرف زبان میں پہلے سے موجود ایک لفظ ”دھماچوکڑی“ کا ایک تبدیل شدہ روپ سامنے آیا ہے لسانیات کے اعتبار سے جب دو لفظوں کو اس طور ملایا جائے کہ نئے لفظ کے آغاز کا حصہ پہلے سے موجود لفظوں میں سے پہلا لفظ لے اور اس کا دوسرا حصہ ان لفظوں میں دوسرے لفظ سے اخذ کیا جائے تو یہ عمل آمیختہ (blending) کہلاتا ہے ظفر اقبال نے دو لفظوں کو آمیختہ کر کے دھمچو بنایا ہے یہ لفظ اس قبل اردو لغت میں موجود نہیں ہے یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ توسیع زبان کا عمل ہے جس کے نتیجے میں سامنے والا لفظ اگرچہ کسی حد تک سلینگ کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس سے اختراع الفاظ ک نیا ڈھب سامنے آتا ہے نئے لفظ ”دھمچو“ کی لسانی اہمیت اور خوبصورتی یہ ہے کہ اس میں دھماچوکڑی کے مرکب میں موجود نمایاں تر آوازیں استعمال کر لی گئی ہیں جس سے نئے لفظ کے معنی تک پہنچنے میں دقت نہیں ہوتی مذکورہ شعر میں اس کی معنویت اس اعتبار سے اور بھی زیادہ ہے کہ شعر کے مفہوم میں دو جسموں کے اوپر نیچے ہوئے کی بات ہے جس سے ایک معنی لڑائی کا اور دوسرا جنسی عمل کا نکلتا ہے اور ”دھمچو“ کا لفظ دونوں کی بلاغت میں اضافہ کرتا ہے ”دھمچو“ میں جو تشدید آرہی ہے وہ اس کی معنوی حیثیت اور اس کی شدت میں اضافہ پیدا کر رہی ہے

روکو گے تو ہم کریں گے دنگا　　　بن جائے گا بات کا بتنگا　　　(رطب و یابس، ص،30)

اس شعر میں نیا نامانوس لفظ دنگا، امنگا وغیرہ کے قافیے کے طور پر اختراع کیا گیا ہے جس سے ایک طرف شعری ضرورت پوری ہوئی ہے دوسری طرف زبان میں موجود دو لفظوں کہ ملا کر ایک نیا لفظ وجود میں آیا ہے اس عمل کو آمیختہ (blending) کہتے ہیں یہ لفظ اس سے قبل لغت میں موجود نہیں یہ لفظ دو الفاظ (بات + دنگا) میں بات سے (ب ت) اور دنگا میں (ن گ ا) کو ملا کر نیا لفظ بتنگا بنایا گیا ہے یہ لفظ بطور اسم مکبر الحاقیت کے حوالے سے بھی شامل کیا گیا ہے اس کو ان الفاظ کو ملانے سے جو لفظ بنا ہے اس کے معنوں تک پہنچنے میں ذرا بھی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑا بتنگا لفظ بتنگڑ کے معنوں میں استعمال ہوا کہ ہم کو اگر روکو گے تو ہم دنگا کریں گے جس کی وجہ سے بات بڑھ جائے گی اس لفظ کو ہم بتنگڑ کے مترادف کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں

کبھی اس کی باتوں میں آنا نہیں　　　کہ دل ہے بڑا داستانی ہے یہ　　　(تادیب، ص3274)

اس شعر میں لفظ ”داستانی“ ایک نامانوس لفظ نہیں ہے داستان سے بننے والا یہ لفظ عام طور پر ایسے استعمال ہوتا ہے کہ یہ بات داستانی اندار میں کہی گئی ہے یا داستانوی انداز میں بات کی گئی ہے داستان کا لفظ فارسی

سے اردو میں داخل ہوا اور بطور اسم استعمال ہوتا ہے جس کا معنی قصہ، کہانی، سر گزشت، اسطورہ اور افسانہ وغیرہ ہے داستانی کا لفظ داستان سے منسوب یا متعلق کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جو کہ قواعد کے رو سے اسم صفت ہے مگر ظفر اقبال نے اس شعر میں لفظ داستانی کو داستان گو کے معنوں میں استعمال کیا ہے جو کہ صفت ذاتی ہے ایسا کرنا لفظی استنقاق کے ایک عمل صفر الحاقیت کے تحت آتا ہے جسے انگریزی میں(conversion) کا عمل کہا جاتا ہے۔ شمیم حنفی ظفر اقبال کی شاعری میں اس خوبی کے بارے میں رقمطراز ہیں: "ظفر اقبال اپنی قوت ایجاد، اپنی معنی آفرینی، اپنے تخیل کی بے حسابی اور جانے پہچانے لفظوں کو نئے مفہوم کے ساتھ برتنے یا ان میں ایک انوکھا تعلق قائم کرنے کے اعتبار سے بے مثال ہیں"[13] ظفر اقبال کے ہاں لفظوں کو نئے معنوں میں استعمال کا عمل ملتا ہے جو انہیں دیگر شعراء سے ممتاز بناتا ہے۔ جس میں لفظ میں تبدیلی لائے بغیر اس کا استعمال اس طرح کیا جائے جس سے اس معنوں میں اور قواعد میں تبدیلی آجائے اس شعر میں شاعر نے داستانی کو داستان گو کے معنوں میں استعمال کیا جو تحویل(conversion) کا ایک اہم عمل ہے جو توسیع زبان میں اہم کردار اور کرتا ہے اس شعر میں دل کی باتوں میں نہیں آنا کیوں کہ یہ بڑا داستان گو ہے۔

پھرتا ہوں بازار میں رک جاؤں لیتا چلوں اس کی خاطر بریسیئر، اپنے لیے دوائیاں (گلافتاب، ص،37)

اس شعر میں ظفر اقبال نے انگریزی کا لفظ بریسیئر (brassere) استعمال کیا ہے۔ جو کہ مستعاریت کا ایک عمل ہے۔ اردو زبان میں اس کے لئے انگیا کا لفظ موجود ہے۔ مگر اس طرح کے بہت سے الفاظ جنہیں ممنوع الفاظ(taboos word) کہتے ہیں جو کہ ہم اپنی زبان میں بولنا پسند نہیں کرتے۔ یا ان الفاظ کمتر اور حقیر جانتے ہیں ان کی جگہ غیر زبان کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ جبکہ اردو ایک بڑی تہذیبی زبان ہے۔ جہاں لفظوں کو ایسے بنایا جاتا ہے کہ شرم و حیا کا دامن نہ چھوٹے، اردو میں انگیا کا لفظ موجود ہے مگر پھر بھی بریسیئر کا لفظ عام استعمال ہوتا ہے۔

بریسیئر انگریزی میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے اور اردو میں بھی اس لفظ کو بطور اسم استعمال کیا جاتا ہے۔ اردو میں اسے انگریزی سے اردو املا میں ڈھال دیا گیا ہے اور اس کے معنی میں بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ اس طرح یہ لفظ اصل معنوں اردو زبان میں شامل ہو گیا ہے۔ کولنز ڈکشنری میں اس کے معنی یوں درج ہیں:

"Brassiere, Noun, Frenchword

A women" undergarment for covering and supporting the breasts."[14]

ظفر اقبال نے یہ لفظ صحیح تلفظ کے ساتھ اس شعر میں نہیں برتا۔ اس شعر میں ظفر اقبال نے اردو غزل کے محبوب کا تصور بدل دیا۔ گھریلو معاملات کو بھی غزل کے دائرے میں داخل کر دیا۔ غزل میں اس لفظ کا آنا لسانی استعمال ہے۔ لیکن انہوں نے غزل کے شعری ماحول میں بیوی کا تصور دینا ایک نیا اضافہ ہے وہ الفاظ جو مزاج و آہنگ کے اعتبار سے غزل کی روایت سے بظاہر ہم آہنگ نہیں ہیں۔ ظفر اقبال نے نہ صرف یہ کہ اپنی غزلوں میں استعمال کیا بلکہ ان کی مدد سے غزلوں میں تازگی اور نئے پن کی خوشگوار فضا پیدا کی ان کی غزلوں کے مضامین روایتی حد بندیوں سے آزاد ہیں۔

ے گاڑی اتنی نہیں پرانی بھی   بات کیا ہے جو کھینچتی نہیں لوڈ   (رطب و یابس، ص42)

اس شعر میں ظفر اقبال نے انگریزی لفظ لوڈ (load) استعمال کیا ہے اس غزل میں لوڈ، موڈ، کوڈ، اخروڈ وغیرہ قافیے اختراع کئے گئے ہیں۔ لوڈ کا لفظ انگریزی اور اردو دونوں میں بطور اسم استعمال ہوتے ہیں۔ کیمرج ڈکشنری میں اس کے معنی یوں درج ہیں۔

"Load – noun

"The amount of weight carried, especially by a vehicle, a structure such as a bridge, or an animal."[15]

اردو زبان میں یہ لفظ وزن کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جو کہ اسم ہے۔ اس شعر میں شاعر ظفر اقبال نے انگریزی لفظ کو اردو میں ڈھال کر استعمال کیا ہے مستعاریت کے زیر اثر اردو میں انگریزی کے بے شمار لفظ اردو میں داخل ہوئے جنہیں اردو میں لکھا اور پڑھا جاتا ہے اس کی املا میں اور معنی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اس کو انگریزی صورت کے ساتھ استعمال کیا گیا۔ اس میں شعر میں بظاہر گاڑی کا ذکر کرتے ہوئے شاعر نے کہا کہ گاڑی اتنی پرانی نہیں ہے مگر پتا نہیں کیا مسئلہ ہے جو وہ وزن (load) نہیں کھینچتی۔ مگر جب ادبی پیرائے یا شاعری میں گاڑی کی بات کی جائے تو یہاں گاڑی سے مراد کوئی شخص ہے ایسا آدمی جس کی عمر زیادہ نہ ہوں مگر اس نے کام کاج سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہو اور لوڈ کھینچنے کا مطلب ذمہ داری نہ اٹھانا کے ہیں۔ ظفر اقبال کے اس شعر کو پڑھ کر میر تقی میر کا شعر یاد آتا ہے۔

ے اب جان جسم خاکی سے تنگ آ گئی بہت   کب تلک اس ایک ٹوکری مٹی کو ڈھویئے

ظفر اقبال کے شعر میں گاڑی ایک استعارہ اور لوڈنہ کھینچنا ایک نیا محاورہ ہے جو ہو سکتا ہے کہ جو آنے والے دنوں میں فصیح بھی کہلائے۔ عام طور پر شعری تجربے کو لسانی تجربے کے ساتھ جوڑ کر دیکھیں تو اندازہ ہوتا ہے۔ اس طرح کے لفظوں کا غزل میں آنا کائناتی اور وجودی معاملے کا اظہار ہے۔ ظفر آقبال کے ہاں ہمیں نئے محاورے اور نئے استعارے ملتے ہیں۔ جو توسیع زبان کے عمل میں انفرادیت کی وجہ ہے۔

ے سوچیے شعر کا نیا کوئی کوڈ ساتھ چلتا نہیں ہے یہ بھی موڈ (رطب یابس)

ے نام ابھی یاد ہے مجھے اپنا احتیاطاً لگا رکھا ہے بورڈ

ے جب بھی شہزاد ہم کو یاد آتا ہے ساتھ یاد آئی اس کی نسبت روڈ

ے کوئی گڑبڑ اگر نہیں ہے کہیں ساتھ رکھتے ہو کیوں بھلا یہ کموڈ

یہ تمام انگریزی قافیے اپنے اصل معنوں میں اردو میں استعمال ہوئے ہیں سرف ان کی شکلیں انگریزی سے اردو میں تبدیل کی گئیں قواعد کے اعتبار سے بھی یہ الفاظ بھی اسی حالت میں استعمال کیے گئے ہیں۔

ے اکنامکس پر بھی شاید کچھ لکھ گئے ہیں جناب سی۔ ایم۔ جوڈ (رطب و یابس، ص،42)

ظفر اقبال کا یہ شعر بھی پچھلی غزل کا شعر ہے جس میں مختلف قافیے اختراع کیے گئے اس شعر میں سی۔ ایم۔ جوڈ جو کہ اکنامکس کے اہم لکھاری تھے۔ ان کے بارے میں لکھا کہ شاہد وہ کچھ لکھ کر گئے ہیں سی۔ ایم جوڈ لکھنا محففات میں لکھاری کا نام لکھنا ہے ہمارے ہاں آج کل محففات (abbreviations) کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ آج کل بہت سے ذاتی ناموں کے ساتھ ساتھ ئونیورسٹیوں، اداروں اور شوز کے نام محفف کر کے لکھ جا رہے ہیں مثلاً

T.B.H, to be honest

یہ ایک مزاحیہ شو کا نام ہے۔

NASA, NUML, FAST

اس طرح کے بے شمار نام محففات کی صورت میں استعمال ہو رہے ہیں۔

محففات بھی نئے بننے والے الفاظ ہیں اور یہ لفظ سازی کا ایک اہم عمل ہے ظفر اقبال کے ہاں نت نئے طریقوں سے زبان سازی کی گئی جو ان کے زبان کے بنانے کے عمل میں ان کی انفرادیت کا باعث ہے اردو زبان میں مخففات اور مختصرات انگریزی زبان کے زیادہ تر استعمال ہوتے۔ اردو زبان میں یہ لفظ زیادہ نہیں

بنائے جاتے اگر بنائیں تو مضحکہ خیز صورتحال سامنے آتی ہے۔ ظفر اقبال نے بھی نئے محففات نہیں بنائے بلکہ پہلے سے موجود محففات کا استعمال شاعری میں کیا۔

ے نظر ثانی بھی کریں گے اس غزل پر، اے ظفر فی الحال تو لکھی ہے رف (رطب یابس، ص60)

ظفر اقبال نے انگریزی لفظ رف (rough) کو اس شعر میں برتا ہے۔ یہ لفظ بطور قافیہ اختراع کیا گیا ہے۔ رف، ٹف وغیرہ رف (rough) کے بارے آکسفورڈ ڈکشنری میں یوں لکھا ہے۔

"rough – adjective having an uneven or irregular surface;

not smooth level." [16]

رف کا لفظ انگریزی میں بطور صفت استعمال ہوتا ہے اس کے معنی سرسری، قابل تصدیق کے ہیں اس غزل کے شعر میں یہ لفظ بطور صفت ہی استعمال ہوا ہے اس میں غزل کے لکھنے کی حالت کو بیان کر رہا ہے کہ ابھی یہ غزل رف لکھی ہے۔ اور اس غزل کو دوبارہ بھی دیکھا جائے گا۔ اس لفظ کا مترادف اردو میں موجود نہیں اسے کھر ذرا وغیرہ کے معنوں میں بتایا جاتا ہے جبکہ اس شعر میں یہ لفظ اس معنوں میں استعمال نہیں ہوتا اردو میں یہ لفظ ایک منفرد اضافہ ہے۔

دنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں جس میں کسی دوسرے زبان کے الفاظ نہ پائے جاتے ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو قوموں میں ملاپ ہوتا ہے تو ان کی زبانیں بھی ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس لیے ہمیں اردو پر انگریزی اثرات ملتے ہیں۔ یہ الفاظ اردو میں ڈھل کر اردو زبان میں شامل ہو چکے ہیں۔

ے یاں اگر رکھتے چلیں فن کے لوازم کا خیال کام تو خاصا ہے ٹف (رطب یابس، ص60)

اس شعر میں موجود لفظ (Tough) انگریزی زبان کا ہے مگر اردو میں آج کل عام طور پر استعمال ہوتا ہے۔ شاعر نے انگریزی کے لفظ کو اردو املا میں ڈھالا ہے۔ گوگل ڈکشنری میں اس کے معنی یوں درج ہیں۔

"Tough: adjective

(of a substance or object) strong enough to withstand

adverse conditions or rough handling."[17]

رف کا لفظ انگریزی زبان میں بطور صفت استعمال ہوتا ہے اردو زبان میں یہ لفظ بطور صفت ہی وارد ہوا ہے۔ اس کے معنی مشکل کے ہیں۔ یہ لفظ اردو میں جوں کا توں استعمال ہوا ہے۔ اس طرح جو اردو میں غیر ملکی زبانوں کے لفظ جوں کے توں بولے جا رہے ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر سہیل بخاری لکھتے ہیں۔

"وہ الفاظ جو غیر زبانوں کی ملکیت ہیں اور ہماری زبان میں آکر بھی اپنے اصلی روپ میں جوں کے توں بولے جارہے ہیں انہیں بدیسی بھی کہہ سکتے ہیں۔ جیسے فارسی کے الفاظ: رسائی، زبان، پیہم، انگریزی کے الفاظ: ٹکٹ، لیمپ، اسٹیشن۔ عربی کے الفاظ نظر، خلوت، مزاج وغیرہ۔"[18]

اس شعر میں شاعر کہہ رہاہے کہ اگر شاعری کے فن کے لوازم کا خیال رکھیں تو یہ شاعری کام خاصا مشکل ہے۔ ٹف کا لفظ مشکل کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ مستعاریت کا ایک اہم عمل ہے جس کے ذریعے زبان کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ ہوتا ہے۔

اس طرح کے الفاظ کی دیگر اشعار سے مثالیں دیکھیے۔

- میں نے پوچھا تھا، ہے کوئی اسکوپ؟ مسکرا کر کہا گیا! نو ہوپ (رطب و یابس)
- دل کا پرچہ بند پڑا ہے چھاپ لیا کرتے ہیں ڈمی (رطب و یابس)
- گزارہ ان کا بھی چلتا رہتا ہے اے ظفر ساتھ ساتھ سب کے کہیں کمیشن کا دال دلیہ، کہیں منافعے کی روٹیاں ہیں (غبار آلودہ سمتوں کا سراغ)
- بک شیلف پر گلاب کی ٹہنی ہلا گئی موج ہوا، کہ سلسلہ رائیگاں تو ہے (آب رواں)
- کام تمام جو کر گیا اک فرینڈلی فیر تھا (تجویز)
- سرراہ بھی ہم یہ موقع ضائع نہیں کرتے ہیں وہ جو نہیں لیتے ہیں، لیتا ہے فٹ پاتھ سلام
- جس کی املا بتائی تھی ہم کو کون سا لفظ تھا وہ، ریپ کہ روپ؟ (رطب و یابس)
- دو سے تقسیم کر دیا ہے مجھے پیچھے بیوی ہے، آگے بائیسکوپ (رطب و یابس)
- پھر سے لکھوائیں، ایک بال صفا تین بنیان، چار ٹائلٹ سوپ (رطب و یابس)
- دھو کے بازے دے سوا ہیرا پھیری اے وہی دیکھا نہیں کدی یہاں جنٹلمین ملا کھڑا (تحیل)
- وہی تھی سوکے کی جگہ وہی ڈرائنگ روم تھا (تقلیل)
- آیا نہیں وہ، اگرچہ آنا تو کنفرم تھا (تقلیل)
- جھٹ میں ہوئی دیوالیہ دل ایک ایسی فرم تھا (تقلیل)
- سر پھڑوا آئے ظفرؔ اور، منہ پر بھی ورم تھا (تقلیل)
- جو عقلمندی بھی ہے وہ فول آرمی ہوں (تقلیل)

ے شوق کے جام ہوتے پہیے کو وصل کی ویزلیں سے وانگیں (رطب ویابس، ص 75)

اس شعر میں ظفر اقبال نے دو الفاظ مستعارے کر استعمال کئے ہیں ایک ویزیس جو کہ ایک چکنا کرنے والی کریم ہے۔ اور دوسرا لفظ سرائیکی لفظ وانگیں ہے جو جنوبی پنجاب کے لوگ انگیں بولتے ہیں یہاں "و" سائلنٹ ہے جبکہ جھنگ کی طرف واو کو پڑھتے اور بولتے ہیں لیکن دونوں جگہ یہ لفظ ''کی طرح'' کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں یعنی اس لفظ کو سرائیکی کا حرف تشبیہ کہا جاتا ہے۔ ان دونوں لفظوں کو شاعر نے انہی معنوں میں استعمال کیا جس معنوں میں وہ اصل زبان میں استعمال ہو رہے ہیں اس حوالے سے۔ مولانا شبلی لکھتے ہیں:

> ''چونکہ اردو کوئی مستقل زبان نہیں ہے بلکہ عربی، فارسی، سندھی کا مجموعہ ہے اس لیے اس کو عربی فارسی وغیرہ کے الفاظ میں تصرف کا بہت کم حق حاصل ہے اس لیے جہاں تک ہو سکے اس بات کا التزام زیادہ موزوں ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ صحیح تلفظ اور تر کیب کے ساتھ قائم رکھے جائیں۔[19]

غیر ملکی زبانیں ہوں یا مقامی زبانیں، اگر صحیح تلفظ اور صحیح معنوں میں لفظوں کا استعمال کیا جائے تو یہ زیادہ موزوں عمل ہے۔ ویزلین انگریزی زبان کا لفظ ہے جو کہ بطور اسم استعمال ہوتا ہے یہاں اس شعر میں بھی بطور اسم ہی استعمال ہوا ہے۔ اس شعر میں وانگیں کا سرائیکی لفظ استعمال کر کے ظفر اقبال نے ایک ہی وقت میں دو زبانوں کو استعمال کر کے مہارت کا ثبوت دیا ہے یہ ان کی زبان پر دسترس کا ثبوت ہے۔

اردو دیگر زبانوں کی طرح مختلف زبانوں سے مل کر بنی ہے اور اس کی یہ تخصیصی صورت ہے کہ اس میں تمام اصوات کو ادا کرنے کی صلاحیت ہے، اس لیے غیر ملکی اور مقامی زبانیں سب کے تلفظ کو ادا کرنے اور لکھنے کی صلاحیت ہے۔ انگریزی کے الفاظ کو ظفر اقبال نے اردو رسم الخط میں ڈھال کر لکھا مگر اس کے برعکس سرائیکی کے لفظ کو جوں کا توں شامل کیا۔ یہ ایک منفرد عمل ہے مقامی زبانوں کے الفاظ کی شمولیت سے اردو کا سیا دامن وسیع کیا۔ اس طرح کے اشعار کی مزید مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

ے ابھی دریا تو دور ہے، صاحب ذرا یہ دل کی آڈ تولا نگیں (رطب ویابس)

ے بور ہوتے ہیں پاس والے سے جو ذرا دور ہے اسے تانگھیں

ے خود تو ننگے دھڑنگے ہیں ہی، اپ راستے کے درخت ہی چھانگیں

ے کسی لالچ کی لو ابھارتی ہیں شاخ کو بانٹتی ہوئی سانگیں

ے فاقہ مستی ہوس کی چھائی ہے پھر بھوک سے دے رہاہوں پھر بانگیں
ے کچھ تیرے بھائیوں نے مار رکھا کچھ پڑیں اپنے گھر سے بھی ڈانگیں
ے ڈوب جائیں ہمارے رس میں، ظفر یا ہمیں اپنے رنگ میں رانگیں

ظفر اقبال کے کلیات چہارم کے مجموعوں "تحلیل" اور "ترکیب" میں پاکستان کی علاقائی زبانوں کے الفاظ کا استعمال کر کے اردو غزل میں ایک نئے تجربے کا در کھولا ہے انہوں نے سندھی، بلوچی، پشتو، کشمیری اور ہندی زبانوں کے لفظوں کو اپنی غزلوں کا حصہ بنایا ہے اس حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ظفر اقبال نے اردو زبان میں ان الفاظ کا استعمال کر کے لفظی ذخیرے کو وسعت دی ہے اس عمل سے علاقائی یک جہتی کے سلسلوں کو بھی فروغ مل سکتا ہے۔

ے چل تو دیے ہیں سوچ سمجھ دے بغیر ای دشوار ہو رد یکھیئے، ہے رہگزار چھنت (تحلیل، ص2522)

اس شعر میں ظفر اقبال نے بلوچی کا لفظ "چھنت" مستعار لیا ہے۔ جس کے معنی "کتنا" کے ہیں۔ اس شعر چھنت کے لفظ کو مقامی لب و لہجہ اور معانی کے ساتھ اردوایا گیا ہے۔ بلوچی میں بھی اس لفظ کو استفہامیہ انداز میں برتا جاتا ہے اور اردو میں بھی اسے اسی معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ زبان برتنے سے پھلتی پھولتی ہے ظفر اقبال نے مقامی الفاظ کو شاعری میں خوبصورتی سے برتا ہے۔ یہ اردو زبان کی بھی صلاحیت ہے کہ وہ نئے نئے الفاظ کو جذب کرتی ہے۔ شان الحق حقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "جب تک زبان کی اختراعی صلاحیتیں کام کرتی ہیں، یہ اپنی ضرورت کے مطابق الفاظ کے ڈھیر لگاتی رہی اور برابر جولانیاں دکھاتی رہی۔ پھر اس کے پر باندھ دیے گئے۔ اگر اس کو اس بندھن سے رستگاری نصیب ہوئی تو یہ پھر اپنے تمام آزمودہ اسالیب سے کام لے گی اور پاکستان کے لئے ماحول میں یہاں کی مقامی بولیوں سے بھی بہت کچھ اکتساب کرے گی۔ جہاں جہاں لوگ اسے برتیں گے۔ اس میں اپنی بولیوں کے اچھے اچھے کار آمد الفاظ بھی آپ سے آپ ملاتے جائیں گے یہ عمل کچھ تو نادانستہ ہو گا کچھ دانستہ بھی، کہ کوئی موزوں لفظ زبان پر چڑھا ہو گا تو کیوں نہ برتا جائے گا جب یہ زبان بھی اپنی ہوئی اور وہ بھی۔"[20]

شان الحق حقی کی بات درست معلوم ہوتی ہے الفاظ کا مقامی اور غیر ملکی زبانوں سے لین دین کا عمل دانستہ اور نادانستہ دونوں طرف سے ہونا ضروری ہوتا ہے ظفر اقبال کے ہاں یہ عمل دانستہ طور پر دکھائی دیتا

ہے۔ اب دیکھنا یہ باقی ہے ان الفاظ کا چلن ہوتا ہے بھی یا نہیں۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ سوچے سمجھے بغیر چل دیے ہیں اب راستہ کتنا دشوار ہو گا دیکھیے بلوچی الفاظ کے استعمال ہونے والے اشعار کی مثالیں ملاحظہ کیجیے۔ یہ تمام مثالیں ان کی کتاب (تحلیل) سے لی گئی ہیں۔

ے ہوناسی آخر اس نے سر راہ کیا کہ اوہ ہو تا ہمارے ساتھ بسیرے میں ہور تور (تحلیل)

"ہور تور" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "گڈ مڈ" کے ہیں۔

ے اسی میں ہو جو حکایت ہمارے ہوون دی ہوئی ہے سر یہ جو اڈی ہوئی گھٹا تالان

"تالان" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "شائع" کے ہیں۔

ے ہم نے بیگاروی بھگتی اے، ظفرؔ ہور ہوں گے جنہیں پیاری اے پگار

"پگار" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "تنخواہ" کے ہیں

ے مسکراہٹ، اشارہ، لاگ لپیٹ آپ نوں ہو پسند جو دلگوش

"دلگوش" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "توجہ، التفات" کے ہیں۔

ے آکر سبھ نوں کر گیا کیسا جتا جتا گری

"جتا جتا گری" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "جداگانہ" کے ہیں۔

ے فرش تے گیرنے توں پہلاں ای سی آئینہ ہورت آرت

"ہورت آرت" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "چکنا چور" کے ہیں۔

ے مٹا دیا ہے یہ نزدیک و دور دا جھگڑا اساڈے پیش نظر اے جو فاصلہ آماچ

"آماچ" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "نشانہ" کے ہیں۔

ے آخر نوں اس دے چہرے تے بوسوں کا پھیلا یا چُرمٹ

"چُرمٹ" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "نقاب" کے ہیں۔

ے خزانہ جے اوہ کھول دے ٹھیک ٹھاک اجے ہور اے مال وزر در چکے

"در چکے" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "آدھا" ہیں۔

ے اس دا یقین ای ہمیں آتا نہیں کتے ایہ، واتری اے خواب زلیخا توں واتری

"واتری" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "واپسی" کے ہیں۔

ے آئے دن آپ کردار ہندا ہاں اپنا پیر ایہ بیاں ڈرتگ

''ڈرتگ''بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''مسمار'' کے ہیں۔

ے ٹھنڈی جو پڑی گرمی بازار اناگت ہونے لگے خود توی وی اوازار اناگت

''اناگت''بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''اچانک'' کے ہیں۔

ے خاک وچ گم ہوئے رفتہ رفتہ میری لاچار دعادے ارسن

''ارسن''بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''آنسو'' کے ہیں۔

ے جو وی ہوتے ہیں عام خاص ملور سبھی رہتے ہیں آس پاس ملور

''ملور''بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''اداس'' کے ہیں۔

ے ہم کتے راستے میں پڑے رہتے سی اجے ہمت سفر انکس

''انکس''بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''اتنی'' کے ہیں۔

ے دیکھ کے ہم پسر گئے سی وہیں اس دی آنکھوں میں سی ذرا دلگوش

دلگوش بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''التفات'' کے ہیں۔

ے جس قدر سی مری گفتار میں سرا ابرا جمع ہو تا رہا بیکار میں سرابرا

ے پڑے ساں ہم جو پسینا پسینا ایک طرف ہمارے واسطے کافی سی اوہ ہوا امباز

'امباز'' بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی آغوش کے ہیں۔

ے اِک اور بھوک اٹھالے گی آسماں سرتے کہ بھول جاؤ گے شور شکم دروکادیر

"دروکادیر" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی" تھوڑی دیر ہی میں" کے ہیں

ے تم سوچتے ساحل دی سجاوٹ میں رہو گم ہم اپنے سمندر میں اتر جائیں گے دخرا

"دخرا" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "تب تک" کے ہیں۔

ے زمانہ ہو گیا آواز دی تھی میں نے اسے سو آج تک ہے ایہ صحر اصدا میں ہوروسور

"ہوروسور" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "لت پت" کے ہیں

ے کچھ نہیں باقی بچا جد توں، ظفر اوہ ہوئے اس بے نواتے کاردات

"کاردات" بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "مامور" کے ہیں۔

''سرابرا''بلوچی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''الم غلم'' کے ہیں۔

ے ہے دریا پار اربیلو ہمارا یار اربیلو (تحلیل، ص،2527)

ظفر اقبال کا یہ شعر ان کی کتاب ''تحلیل'' سے لیا گیا ہے۔ جس میں انہوں نے سندھی زبان کے بہت سے الفاظ استعمال کیے مقامی بولیوں سے مستعاریت کا عمل ہمیں ظفر اقبال کے ہاں ملتا ہے ''اربیلو''سندھی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''البیلا'' کے ہیں۔ میر ایار البیلا دریا کے اس پار رہتا ہے اردو میں سندھی کا لفظ جوں کا توں استعمال کیا ہے۔ نہ اس کے معنی میں تبدیلی آئی نہ اس کی املا میں فرق پڑا اور لب و لہجہ بھی مقامی اس شعر میں برتا ہے۔

زبانوں کی توسیع کا عمل ایک فطری عمل ہے۔ تمام مقامی زبانیں ثقافتی اور تہذیبی حوالے سے ایک ایسے رشتے میں بندھی ہوتی ہیں جو کبھی الگ نہیں ہو سکتا کیوں کہ وہ ایک ہی اصل سے تعلق رکھتی ہیں اور ایک ہی خاندان (ہند آریائی) سے سندھی زبان کے الفاظ کو استعمال کر کے اردو زبان کے سانچے کھانچے بھرنے کی ایک کوشش ظفر اقبال کے ہاں ملتی ہے۔ سندھی اشعار ملاحظہ کیجئے۔

؎ کٹیا کٹیا پھیلدا پکھی واسے سوجھرو (تحلیل)

''سوجھرو''سندھی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''اجالا'' کے ہیں۔

؎ رات ٹرائے کئی روز توں بعد تیرے تالاب دے اوڑو پاڑو

''اوڑو پاڑو''سندھی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ''اڑوس پڑوس'' کے ہیں۔

؎ اقرار دی خبرون میں انکار دی خبرون حیران کیے رکھتی ہیں اخبار دی خبرون

''خبرون''سندھی زبان کا لفظ ہے جو ''خبریں'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ دھوکے بازی دے سواہیر اپھیری اے وہی دیکھا نہیں کدی یہاں جنٹلمین ملاکھڑا

''ملاکھڑا''سندھی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''کشتی'' کے ہیں۔

؎ جو کچھ یہاں اے سارے داسارا توبان جو پانی تمہارے اور کنارہ توبان جو

''توبان''جو سندھی زبان کا لفظ ہے جو ''تمہارا'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ بدلا نہیں ظفر نے لہجہ ٹھیل ٹکیل

''ٹھیل ٹکیل''سندھی زبان کا لفظ ہے جس ''بچا تلا'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ بے رنگی اے رنگ سدائیں خاموشی آہنگ سدائیں

''سدائیں''(سندھی) زبان کا لفظ ہے جس کے معنی جاودانی اور ہمیشہ کے ہیں۔

؎ زندگی دے ساحل تے کف بہ کف جھنجھر کو اے

''بھنبھر کو''سندھی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی''دھندلکا''کے ہیں۔

؎ پھروہی دربدرو یکھدے ویکدے   پھروہی جابجاہوریاں ہوریاں

''ہوریاں ہوریاں''سندھی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی''ہولے ہولے''کے ہیں۔

؎ حالات ہوں چاہے جس طرح دے   اپنی سی نبھائے گاٹپالی

''ٹپالی''سندھی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی''ڈاکیا''کے ہیں۔

؎ جوکچھ سی سبھی بہ گیاطغیان بلاوچ   ہم ڈھونڈے دے پھر دے رہے سیلاب میں گڑکھو

''گڑکھو''سندھی زبان کا لفظ ہے جو''روزن''کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ کچھ ہن تے، ظفر، صورت حالات عجب   الفاظ توں باہر سی خیالات داروئن

''روئن''سندھی زبان کا لفظ ہے جو''رونا''کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ دیکھ سکدے ساں آرپار، ظفرؔ   سی بدن وی اوہ کیا اچھواُجرو

''اچھواجرو''سندھی زبان کا لفظ ہے جو''صاف شفاف''کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ اسی کو ہن کوئی پروانہیں ہے   کیاخود جس نے ای بیمار مونکھی

''مونکھی''سندھی زبان کا لفظ ہے جو''مجھے''کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ کوئی بھرپور تماشاٹمٹار   سامنے سی کوئی دریاٹمٹار

''ٹمٹار''سندھی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی''لبالب''کے ہیں۔

؎ وہیں ڈوبنے داوی سامان سی   کنارے سفینہ لگارے جتی

''جتی''سندھی زبان کا لفظ ہے جو''جہاں، جس جگہ''کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

؎ بیمارہیں جوگئے تھے   اچھے بھلے ورسادماں   (ترکیب، ص2907)

اس شعر میں ظفر اقبال نے گجراتی زبان کا لفظ''ورسادماں''کو اردو زبان میں استعمال کیا ہے جس کے معنی''برسات میں''کے ہیں۔ ظفر اقبال کی شاعری میں پاکستان کی مختلف زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں انہوں نے نہ صرف ان الفاظ کو جوں کا توں برتا ہے بلکہ ان کے مقامی لب ولہجے کو بھی اپنی غزلوں کا حصہ بنایا ہے۔ ورسادماں کا لفظ گجراتی سے اردو میں اسی معنوں میں استعمال ہوا جس معنوں میں گجراتی میں استعمال ہوا تھا۔ اس عمل سے نہ صرف لفظی ذخیرے کو وسعت ملتی ہے بلکہ علاقائی یک جہتی کے سلسلوں کو بھی فروغ ملتا ہے گجراتی الفاظ کے استعمال والے اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ـــ راہ پر آنا ہے اس کو ایک دن چار دن ٹر خائے گا بے سی رہو (ترکیب)

''بے سی رہو'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''بیٹھے رہو'' کے ہیں۔

ـــ حسب دستور پھر کسی شے میں کچھ ملایا ہے آردھی راتے

''آردھی راتے'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''آدھی رات کے'' ہیں۔

ـــ جھاگ جھاگ ہے فصیل خون آبشار مون بولے چھے

''مون بولے چھے'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''خموشی بولتی ہے'' کے ہیں۔

ـــ رنگ پھر وہ نیا نرالا سا ایک انوکھی فضا میں تھا پر گٹ

''تھا پرگٹ'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''ظاہر ہو'' کے ہیں۔

ـــ اس دیوار محبت کو بہر خدا اوڈنگی جا

''اوڈنگی جا'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''پھلانگ جا'' کے ہیں۔

ـــ کچھ بھی غرض نہیں ہے، ہیں اپنے آپ ماں گم کوئی اب آئے جائے، بیٹھا اچھے اہیں

''بیٹھا اچھے اہیں'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''بیٹھے ہیں ہم یہاں'' کے ہیں۔

ـــ یہ پیار پودا کسی نے دل میں اگر لگایا پچھی شوں کر شو

''پچھی شوں کرشو'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''پھر کیا کروگے'' کے ہیں۔

ـــ دھوپ تاپتی ہے اک سورج مار کا چہرے ہی کی ظفر آب اس کو پاس بٹھائے رکھنا، سورج نو وشوارس نہ کروو

''سورج نو وشواس نہ کروو'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''سورج کا اعتبار نہ کرنا'' کے ہیں۔

ـــ پر اپنے خود ہی پھینک دیے تھے زمین پر کیسی رہی اڑان، منے کیں خبر نتھی

''منے کیں خبر نتھی'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی'' مجھے کچھ خبر نہیں'' کے ہیں۔

ـــ مرے پڑوس میں ہی اب تو ہے کہیں ترا مکاں، منے خیال پن نتھی

''منے خیال پن نتھی'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''مجھے خیال ہی نہیں'' کے ہیں۔

ـــ آلے جائے، ہوں جویا کروں آدمی یا سائے، ہوں جایا کروں

''ہوں جویا کروں'' گجراتی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''میں دیکھا کروں'' کے ہیں۔

ـــ عربی، فارسی کا ایم۔ اے ہوں ساگ کو کہنا چاہتا ہوں ساغ (رطب و یابس، ص،59)

اس شعر میں ظفر اقبالؔ نے ایک اصطلاح ایم۔ اے استعمال کی ہے جو کہ ایک انگریزی محففات (abbreviation) ہے۔ اس میں کسی لفظ کا پہلا لفظ استعمال کر کے بنائی جاتی ہے۔ - Master in Arts M.A یہ کوئی نئی اصطلاح نہیں بلکہ انگریزی سے اردو میں آئی ہے اردو زبان میں اس طرح کی اصطلاحات بنانا مشکل عمل ہے۔ جس کی وضاحت پچھلے صفحات پر دی جاچکی ہے۔ شاعر اس شعر میں یہ بتاتا ہے کہ میں نے عربی اور فارسی زبانوں میں ایم۔ اے کیا ہوا ہے اگر میں ساگ کو ساغ کہنا چاہتا ہوں یعنی گ اور غ کی آوازیں تقریباً ملتی جلتی ہیں۔ تو ساگ کو "گ" کی بجائے "غ" سے بھی تو لکھا جاسکتا ہے۔ ظفر اقبال کے ہاں زبان کی تو سیع کے بہت سے عمل دیکھے جاسکتے ہیں محففات ان میں سے ایک ہے۔

ڈی سی آفس کے بس سٹاپا بٹوے کو مرے لے اڑا کون ؎

(رطب و یابس، ص22)

اس شعر میں لفظوں کے بننے کے عمل کے دو طریقوں کا ذکر ملتا ہے ایک کسی لفظ کو جوں کا توں لے کر اس پر اپنی زبان کے قاعدے کا استعمال کر کے نئے روپ میں ڈھال لیا جائے جیسے لفظ (stop) انگریزی زبان کا لفظ ہے جیسے اردو میں ہندی، فارسی، پنجابی اور مرہٹی "آ" کا لاحقہ ملتا ہے اس کو انگریزی کے لفظ لا کے ساتھ لاحقہ لگا کر ایک نیا لفظ بنالیا۔ مستعاریت کا یہ عمل تمام زبانوں میں ہوتا ہے اس حوالے سے سہیل بخاری "لسانی مقالات" حصہ سوم میں "زبان میں تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں

> ان کی دو قسمیں ہیں ایک خارجی اور دوسری داخلی۔ خارجی تبدیلی اس وقت عمل میں آتی ہے جب دو زبانیں ایک دوسرے کے قریب آتی ہیں اور ان میں نہ صرف الفاظ کا بلکہ آوازوں کا بھی لین دین ہوتا ہے۔ اس برصغیر کی زبانیں اس تبدیلی کے کثیر ثبوت فراہم کرسکتی ہیں۔۔۔۔۔۔زبان کی داخلی تبدیلی تقلیدی نمونوں کے پیش نظر پیدا ہوتی ہے۔ جب مروجہ الفاظ کو مثالیں سامنے رکھ کر دوسرے الفاظ تیار کر لیے جاتے ہیں مثلاً اردو میں لفظوں پر "اکڑ" کا لاحقہ اضافہ کر کے اسما بنانے کا قاعدہ ہمیشہ سے چلا آرہا ہے۔"[21]

اردو میں اردوائے الفاظ کا عمل ہمیشہ سے جاری و ساری ہے اور ہمیشہ رہے گا کیونکہ زندہ زبانوں میں یہ عمل جاری رہتا ہے اور یہاں سٹاپ کے ساتھ "ا" کا لاحقہ لگایا تو یہ بطور حرف ندا استعمال ہوا اے ڈی سی آفس کے بس سٹاپ! تو ہی بتا کہ میرا بٹوا کون لے گیا۔ اردو میں مستعاریت کا عمل کئی طرح سے ہوتا ہے جن میں یہ

ایک طریقہ ہے اس شعر میں D.C کی اصطلاح یعنی مخففات کا استعمال بھی ملتا ہے۔ Deputy Commissioner = DC اس شعر میں لفظ سازی کے ساتھ ساتھ توسیع زبان کے مختلف طریقے ملتے ہیں۔ اس سے زبان کے عمل کو تیزی ملتی ہے۔

ے کس داہو اعتبار، کس دا نہ ہو اتنی ای دوستی اے جتنا دوکھ (تحلیل، ص 2601)

اس شعر میں ظفر اقبال نے کشمیری لفظ "دوکھ" کو اردو شاعری میں استعمال کیا ہے یہ مستعاریت کا ایک اہم عمل ہے جس سے مقامی زبان کے الفاظ کو اردوایا گیا ہے اور یہ ان کا اردو سے فاصلہ کم کرنے کی ایک کوشش ہے "دوکھ" کا لفظ "فریب" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لفظ کو کشمیری میں بطور اسم استعمال کیا جاتا ہے اور اس لفظ کو اردو میں بھی انہی معنوں میں اور اسی املا میں استعمال کیا ہے یعنی "دوکھ" کے لفظ کو جوں کا توں اردو میں برتا گیا ہے۔ شاعر نے کہا کہ کس کا اعتبار کریں اور کس کا نہ کریں۔ ہماری اتنی ہی دوستی ہے جتنا دغا، دھوکا وغیرہ۔ آج کل کسی کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا یہ زبان کو وسعت دینے کا ایک اہم عمل ہے۔ کہ مقامی زبانوں سے اردو کا رشتہ جوڑا جائے جیسے کشمیری زبان میں اردو کے بہت سے لفظ شامل ہو چکے ہیں ویسے ہی اردو مین کشمیری الفاظ کی شمولیت دونوں زبانوں میں آپس کے فاصلے کم ہونے کی ایک صورت ہے۔ اس طرح زبان میں توسیع ہوتی ہے اور زبان میں نت نئے الفاظ شامل ہوتے ہیں۔ کشمیری زبان کے استعمال سے لکھے گئے اشعار ملاحظہ کیجئے۔

ے جو نفرتاں دا بہت کاروبار کرداسی اساڈے دل توں محبت نہ کر سکا اپتم (تحلیل)

"اپتم" کشمیری زبان کا لفظ ہے جو "اخیر" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے کہانی اسے اصل معلوم اے کوئی ہور قصہ بتانداا اے بس

"بس" کشمیری زبان کا لفظ ہے جو "جو" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے چائے تے شوخ نوں بلا کے، ظفرؔ ایس بستر وی اک بچھایا سیت

"سیت" کشمیری زبان کا لفظ ہے جو "ساتھ" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے کیا بھلے لگ رہے سن آنکھوں کو تیر دے آب انتظار میں سرف

"سرف" کشمیری زبان کا لفظ ہے جو "سانپ" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے آتی ہیں دور دور توں کیسی صدائیں جئ اپنے تئیں تو جانتے آں بے صدا اے تب

"تب" کشمیری زبان کا لفظ ہے جو "آسمان" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے آسمانوں سے رابطہ ای نہیں کہ زمیناں تے ہے دعا دا دروگ

''دروگ'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جو ''قحط اور مہنگا'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے پرانے بہانے کیسے ترک، تے نواں کوئی قصہ سنایا اُسے

''اُسے'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جو ''ہمیں'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے کتے کر کے نہیں دیا اوہ وی آپ سے تھا جو پہلا پہلا کیم

''کیم'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جو ''کام'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے لیا کچھ تاں منت سماجت نوں کم لیا اے بقایا ودن دان توں

''ودن دان'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''گریہ وزاری'' کے ہیں۔

ے آخر آپ وی نکلے گا سارے تانے بانے یُتھ

''یُتھ'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جو ''جیسا'' کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

ے رات اندھیرے میں کٹ گئی آخر دن چڑھے ای کہیں سے آیا ژونگ

''ژونگ'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''چراغ'' کے ہیں۔

ے اینی دور اے منزل اُس دی نہیں جہاں تک میری واتھن

''واتھن'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''رسائی'' کے ہیں۔

ے گھر اں وچ تے وڑ کے بہت کی، سوہن سڑک تے وہ ہوون لگی پرژہ گار

''پرژہ گار'' کشمیری زبان کا لفظ جس کے معنی ہیں ''پوچھ کچھ'' کے ہیں۔

ے دیکھتا رہتا ہاں پانی اے نواں اتے، بے شک ایہ ہے دریا پیرون

''پیرون'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''پرانا'' کے ہیں۔

ے سرد مہری دی انتہا اے کوئی کچھ دناں توں اے اس دی خووچ تیڑ

''تیڑ'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''یخ'' کے ہیں۔

ے کیسا کیسا پڑا اے، ان میں سے منتخب کیجئے بھلا سا بڈ

''بڈ'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''بڑا'' کے ہیں۔

ے پانی سوکھنے کی اے دیر بن جائے گا دریا بوٹھ

''بوٹھ'' کشمیری زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''ساحل'' کے ہیں۔

ے مشکوک اے ویسے تے، ظفرؔ، ساری خدائی فی الحال تے ہیں اپنے ای ابہام وچ آدر

"آدر" کشمیری زبان کا لفظ ہے جو "مصروف" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

ے مجھ سے ڈرو! پُلس کا میں خاص آدمی ہوں (تخفیف، ص، 2775)

اس شعر میں ظفر اقبالؔ نے مقامی لب و لہجے کو اس شعر میں اپنایا ہے پولیس (police) انگریزی زبان کا لفظ ہے جو کہ بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ اس شعر میں پُلس کا لفظ استعمال کر کے مقامی لہجوں کو اپنی شاعری میں استعمال کیا ہے۔ یہ مستعاریت کا عمل ہے مگر لفظ کو اس کی صحیح لب و لہجے کی بجائے مقامی لہجے میں استعمال کرنا ایک منفرد عمل ہے۔ کیونکہ اردو میں آکر انگریزی کا یہ لفظ اپنے صحیح معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر اس کی اردو املا بھی لہجے کی مناسبت سے استعمال ہوئی۔ اس شعر میں شاعر کہہ رہا ہے کہ میں پولیس کا خاص آدمی ہوں مجھ سے ڈرو۔ یعنی دھمکی دی جارہی ہے کہ پولیس ہمارے ماحول میں لوگوں کی حفاظت کی بجائے لوگوں کو ڈراتی ہے۔

ے آو بھگت کیا ہوتی گئے تھے ہم بے ڈیٹے (تمجید، ص 1635)

ظفر اقبالؔ نے اس شعر میں "بے ڈیٹے" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ date انگریزی زبان کا لفظ ہے جو "تاریخ" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس شعر میں بے کا لاحقہ لگایا گیا ہے جو نفی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ظفر اقبالؔ نے لفظ date سے ڈیٹے بنایا ہے۔ یعنی انگریزی کے لفظ پر اردو قواعد لگا کر استعمال کیا۔ اس طرح یہ لفظ اردو کا ہی لفظ بن گیا کیونکہ اسے اردو قواعد کے ساتھ نیا روپ بخشا گیا کہ ہماری ادھر آو بھگت تو کیا ہوتی جب ہم پوچھے بغیر اور وقت اور تاریخ لے کر نہیں گئے۔ ظاہر ہے اس طرح بغیر اجازت لیے جانا میزبانوں کے لیے کوفت کا باعث ہوتا ہے۔

ے تمھاری بات اگر ہم نے ہی بڑھاونی تھی تمھارا بوجھ اگر ہم نے ہی اٹھاونا ہے (اطراف، ص، 996)

اس شعر میں ظفر اقبال نے لفظ "اٹھاونا" کو استعمال کیا ہے۔ جو قدیم روایت کا حصہ ہے۔ جس میں افعال کے مصادر بنانے میں "و" موجود ہوتی ہے۔ اس قدیم روایت کے حوالے سے دو صورتیں سامنے آسکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ شاعر کو قدیم روایت کا علم نہیں اور وہ قافیہ بنانے کے لیے اس لفظ کو استعمال کر رہا ہے۔ دوسرا یہ کہ وہ اس کا علم رکھتا ہے اور قدیم روایت کا احیاء کر رہا ہے۔ یعنی ترک شدہ الفاظ کو نئی زندگی بخش رہا ہے۔ یہ الفاظ موجودہ لغت میں شامل نہیں ہیں۔ ابو للیث صدیقی "جامع القواعد" میں لکھتے ہیں:

" علامت مصدر جو اردوئے معلیٰ اور جدید اردو میں صرف "نا" ہے، اس کی جگہ اردوئے قدیم میں "ناں" ہے ایسے افعال جو حروف علت پر ختم ہوتے ہیں، ان میں یہ علامت "ونا" یا "وناں" ہے مثلاً آؤنا یا آؤناں"[22]

آؤنا، اٹھاونا، جاونا وغیرہ کے الفاظ اس لیے متروک ہوئے کہ پہلے افعال آوے، جاوے اور اٹھاوے کا استعمال ہوتا تھا اور مصدر بنانے کے لیے آوَے سے آؤنا اور جاوے سے جاونا بنایا جاتا ہے تو اس سے مصدر آنا، جانا اور کھانا وغیرہ بنائے گئے ہیں۔ اس شعر میں پرانے طریقے سے بنائے گئے مصادر کو شاعری میں برتا گیا ہے۔ متروک الفاظ کو نئی زندگی دینے کی کوشش کی گئی۔

اسی حوالے سے مزید اشعار ملاحظہ کیجیے۔

ے جہاں سے اس کے گزرنے کا احتمال نہیں سو، ہم نے خود کو اسی راہ پر بچھاونا ہے (اطراف)

ے ہمارا عشق بھی خالص کہاں رہا ہے سو، اب خیال و خواب میں کچھ اور بھی ملاونا ہے

ے نہ کوئی شکل ہے جس کی نہ شائبہ ہے کہیں یہ اپنی ضد ہے کہ اس کا پتا لگاونا ہے

ے یہ شاعری بھی عجب راز ہے کہ دنیا سے کبھی چھپاونا ہے اور کبھی بتاونا ہے

ے بھلے ہی اتنا وہ بھولا ہے اور بھاونا ہے ہمارا عشق زیادہ ہی کچھ گھناونا ہے

ے ابھی تو محو تماشا ہے دور سے ہی وہ شوخ ابھی تو اس نے ہماری مدد کو آونا ہے

ے ہم اس لیے ہیں دیوار شعر سے کوئی زنگ کہیں اتارنا ہے اور کہیں جماونا ہے

ے برف سی کو سہارتے ہر سو چل رہی سی بس ایک غار میں ہور (تحلیل، ص،2569)

اس شعر میں مقامی زبان (پشتو) کا لفظ "ہور" کا استعمال کیا گیا ہے "ہور" کا مطلب "آگ" کے ہیں۔ پشتو زبان میں یہ لفظ بطور اسم استعمال ہوتا ہے اور ظفر اقبالؔ نے پشتو زبان کا لفظ مقامی معنی، ہیت و ساخت، بناوٹ اور لب و لہجے کو اردو میں استعمال کیا ہے۔ زبان میں توسیع ہونا زبان کا دامن وسیع ہونا زندہ زبانوں کی علامت ہے یہ تہذیبی و ثقافتی لین دین کا نتیجہ ہے جو زبانیں دوسری زبانوں سے الفاظ مستعار نہیں لیتی وہ وقت آنے کے بعد مردہ زبانوں میں شمار ہوتی ہیں اس حوالے سے ڈاکٹر نذیر احمد ملک لکھتے ہیں۔

"زبان ایک نامیاتی، تغیر آشنا اور ارتقا پذیر قوت ہے۔ کسی خطے کی زبان وہاں کے تہذیبی اور سماجی عوامل اور مجموعی تعمیر و ترقی سے متاثر ہوتی ہے یہ تہذیبی لین کے عمل کے نتیجے میں دسری لسانی اکائیوں سے متصادم ہو کر نئے الفاظ کو اپنے اندر جذب

کرتی ہے، انجذاب کا یہ عمل لسانیاتی اصولوں کے تابع ہوتا ہے۔ وہی بدیسی لفظ زبان کا حصہ بن جاتا ہے خواہ اصلی ہو یا بدلی ہوئی شکل میں، جو زبان کے مزاج سے متغائر نہ ہو"[23]

نذیر احمد ملک کی یہ بات درست معلوم ہوتی ہے کہ زبان کے تہذیبی اور سماجی عوامل مجموعی تعمیر و ترقی میں حصہ لیتے ہیں اور اسی لین دین کے نتیجے میں زبان نئے الفاظ کو اپنے اندر جذب کر لیتی ہے اسی طرح زبان کے سانچے بھرتے جاتے ہیں اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ اس زبان میں تمام عملی و سائنسی اصطلاحات و تراکیب بنائی جاتی ہیں۔ اس شعر میں برف کے کوہساروں کا ذکر کیا گیا کہ چاروں طرف برف کی چادر بچھی ہوئی ہے۔ صرف ایک غار ایسا ہے جہاں آگ جل رہا ہے یعنی زندگی کے امکانات نظر آ رہے ہیں۔ پشتو زبان کے استعمال کے حوالے سے ظفر اقبالؔ کے اشعار کا ملاحظہ کیجئے۔

ے جد شام رخصت ہو گئی　　　تو آئے گا اندیختہ (تحلیل)

"اندیختہ" پشتو زبان کا لفظ ہے جس کو "اندیشہ" کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔

ے اس توں آتے تھے پوچھ کر موسم　　　باغ سی اوہ ہرا بھرا داسے

"داسے" پشتو زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "ایسا، ایسی" کے ہیں۔

ے جو نہیں اے کتے نہیں، یہ خدائے　　　اس خدا تے مرا یقین، پہ خدائے

"پہ خدائے" پشتو زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "بخدا" کے ہیں۔

ے تمہیں وی شناسائی کافی تھی اس سے　　　ہمارا وی سی دیکھا بھالا کشالہ

"کشالہ" پشتو زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "ٹنٹا" کے ہیں۔

ے وہی خرابی نیت دی اے　　　وہی دوبارے آنے بانے

"آنے بانے" پشتو زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "ٹال مٹول" کے ہیں۔

ے رہ گیا اے اج اس اجڑی ہوئی محفل میں کیا　　　ہو گیا اے کیوں خدائی تے خدا نندارچی

"نندارچی" پشتو زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "تماشائی" کے ہیں۔

ے ہر صبح مچاتی ہوئی اک شور قیامت　　　ہر رات مچاندی ہوئی کہرام رپندے

"رپندے" پشتو زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "تھر تھراہٹ" کے ہیں۔

ے اجے جو کوئی نتیجہ نہیں نکل پایا　　　اجے لگا ہوا ہو گا قطار وچ ورغل

''ورغل''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''دھوکا''کے ہیں۔

ے عیب ظاہر نیں اساڈے ان پر اٹھ گئے عرض ہنر توں پخوا

''پخوا''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''آگے،پہلے''کے ہیں۔

ے اپنی فضامیں تازگی بے وجہ وی نہیں موسم اے ایک زخم ہوادار دے پسے

''پسے''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی ہیں''پیچھے''کے ہیں۔

ے مہکدے نہیں گفتگودے گلاب زمانہ ہوا انجمن شاڑ اے

''شاڑ''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''بنجر''کے ہیں۔

ے جو نکالی سی ہم نے اپنے لئی اوہ کیسے ہور وچ سمائی لار

''لار''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی ہیں''راہ''کے ہیں۔

ے وہیں سے ہم وہ ہوئے واپسی تے آمادہ جہاں توں ہونے لگا اختتام درغونہ

''درغونہ''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''سبزہ''کے ہیں۔

ے ہم پھسل ای گئے ساں آخر کار فرش سی چکنا اور خاصا پوخ

''پوخ''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''پکا''کے ہیں۔

ے اگر بند رکھا ہوا ہے اسے گٹکدا اے کیوں رات بھر کونترہ

''کونترہ''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''کبوتر''کے ہیں۔

ے خزانے میرے ای کام آن گے کدی اس دے چھپائے رکھدی اے مجھ سے جومال وزر زمکہ

''زمکہ''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''دھرتی''کے ہیں۔

ے جہاں پہ ختم سی میری توقعات دی حد گئی وہاں توں وہ آگے مری صد الگ لگ

''لگ لگ''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''کچھ کچھ،لگ بھگ''کے ہیں۔

ے جو اساڈے وی کم آسکے کوئی بندہ نہیں سم دلاس

''سم دلاس''پشتوزبان کالفظ ہے جس کے معنی''سردست''کے ہیں۔

ے ہم اس کو ڈھونڈلائیں گے وہ جہاں بھی ملا پتا کہیں تو اس کا زینہار چلے

(تجویز،ص،،ص3987)

اس شعر میں ظفر اقبالؔ نے ''زینہار'' لفظ کا استعمال کیا ہے جو کہ فارسی زبان کا لفظ ہے جس کی اردو میں املا ''زنہار'' کی لکھی جاتی ہے اور بطور اسم استعمال ہو تا ہے۔ ریختہ ڈکشنری میں اس کے معنی یوں بتائے گئے ہیں۔

''اسم، مذکر

پناہ، اماں، الاماں

حفاظت، بچاو، حمایت

مرکب از، ازین ہار''[24]

''زینہار'' ایک مرکب الفاظ ہے جو دو لفظوں (ازین + ہار) سے مل کر بنتا ہے لیکن اردو میں ''زنہار'' کا لفظ مستعمل ہے۔ لیکن ظفر اقبال نے اسے صحیح املا کے ساھت اس شعر میں برتا ہے۔ اس لیے اردوانے کے عمل میں اس کی املا میں تو تبدیلی واقع ہوئی مگر اس کے معنی اور قواعدی حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس حوالے سے مولانا شبلی نعمانی رقمطراز ہیں:

"لیکن اسے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ اساتذہ قدیم وجدید نے عربی وفارسی کے بہت سے الفاظ کو اردو زبان میں غلط طور پر برتا اور آج وہی غلط استعمالات فصیح اور بامحاورہ خیال کیے جاتے ہیں۔ بہر حال اس قسم کے الفاظ کے استعمال اور عدم استعمال کے لیے جو قاعدہ کلیہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جو الفاظ فصحا اور مسلم الثبوت اہل زبان کے عام استعمال میں آجائیں وہ صحیح الاستعمال ہیں اور جن کو اہل زبان نے عموماً قبول نہ کیا ہو ان کا استعمال صحیح نہیں"۔[25]

جب زبانیں مختلف زبانوں سے لفظ ادھار لیتی ہیں تو اکثر اوقات ان کی املا اور معنوں میں تبدیلی رونما ہو جاتی ہے یہ مستعاریت کا ایک عمل ہے کیونکہ بعض اوقات مستعار لینے والا اس کے صحیح تلفظ سے واقف نہیں ہوتا اور پھر وہ لفظ عوام میں مقبول ہو جاتا ہے تو پھر وہ لینے والی زبان میں اسی طرح استعمال ہو تا ہے۔

؎ کوئی کہہ نہیں سکتا کس طرح فروکش ہیں　　کس قدر فروکش ہیں، اور، مکان کتنا ہے (وہم وگماں)

''فروکش'' فارسی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''ٹھہرنے والا، کرنا'' کے ہیں یہ بطور صفت اردو میں استعمال ہو تا ہے۔

؎ لہولہانیہ شوھید خاک مشت خراب　　فنیگ فوج محاذ آرزو مہیا میں (گلافتاب)

؎ راکھ سیر اب سیہ جنگلاں میں پیاسانام نشاں کا پھر تا تھا اک واءورولا کچی پکی تھاں کا

(گلافتاب،ص110)

اس شعر میں ظفر اقبال نے پنجابی زبان کے بہت سے الفاظ استعمال کئے مثلاً جنگلاں ، واورولا ، تھاں وغیرہ اردو میں پنجابی کے الفاظ پہلے بھی سب سے زیادہ تھے بقول حافظ محمود شیرانی کہ اردو میں پنجابی کے ساٹھ فیصد الفاظ شامل ہیں۔ مزید الفاظ کو ظفر اقبال نے اپنی شاعری میں استعمال ہوتا ہے۔پنجابی اردو ڈکشنری میں اس کے معنی یوں درج ہیں۔

"تھاں:(مذ)۔(مث)= تھانو= تھاو

(1)مقام جگہ ٹھکانہ۔موقع

(2)مکاں۔نواس

(3)اسامی۔وعہدہ

(4)حصہ،بھاگ "[26]

اس شعر میں "تھاں" کا لفظ مقام، جگہ اور ٹھکانہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے قواعدی اعتبار سے اسم ہے اس شعر میں ایک خوفناک منظر کو بیان کیا ہے کہ سیاہ جنگل میں ایک ہوا کا بگولا راکھ اڑاتا پھر رہا ہے غیر یقینی سی صورتحال ہے، جنگل ہے سیاہ اور پانی کا کوئی نام ونشان تک نہیں اور ایسے میں کچی پکی جگہ پر ایک ہوا کا بگولا پھر رہا ہے۔ ایک خوفناک منظر ہے جو ظفر اقبال نے اس شعر میں بیان کیا۔ مستعاریت کے عمل کے ذریعے بہت سی زبانوں کے الفاظ اردو میں شامل ہو کر زبان کی توسیع کر رہے جو کہ ایک اہم عمل ہے۔ ظفر اقبال کے ہاں پنجابی زبان کے استعمال کی دیگر مثالیں ملاحظہ کیجیے۔

؎ اس دل کی حقیقت ہی ہم پر نہ کھلی اب تک جو خانہ بدوشی میں وسنیک بھی لگتا ہے (وہم گماں)

؎ لیتے ہو آیہاں ڈکار کھا کر چنگے چوسے تم (ترمیم)

؎ ابھی پاس ہے تو شباہت اس کی نظر میں رکھیے سنبھال کر جو چلا گیا تو دوبارہ جان بچھان میں نہیں آئے گا

(تنصیب)

؎ جانا تھا جنہیں وہ گئے آگئے، بہت آگے میں ہوں کہ ابھی چوں وچناں سے نہیں نکلا(توسیع)

؎ وصل ولیٹ الف انگیارے تانباتاس تناور تھر تھر ہونٹھ گداز گذیدہ ہاف حایل باھیں

(گلافتاب)

ے مکس محاسن لفظ لذائذ دستر خاں ہجومی بھاشابھات پکار پکارے بھکھ بھانبڑ ظفرائیں
(گلافتاب)

ے لہولہانیہ شوھید خاک مشت خراب فٹیگ فوج محاذ آرزومہیامیں (گلافتاب)

ے فلک فراز ہو دوز گردیناری عبت غباریاں کیمن شفاف مولا (گلافتاب)

ے دن درگاہوں لکھیا لیکھ ہواکے نیلے ورقاں رت کرت چمک چانن میں فرق زمیں اسماں کا
(گلافتاب)

ےجن ریتاں پر دھوپ دھڑکتی کپڑے لاہ کرناچے پلے باندھ ٹرے سفر اں کو چھلڑ سنگھنی چھاں کا
(گلافتاب)

ے جھرتی رت کا زہر نکیلا سانچھ سر پر میں رڑکے زرد ہو اسنسان خدانت تقشہ شہر گراں کا
(گلافتاب)

ے ہم اس کے وہ ہور کسے کا پکی پختہ ڈوری اپنادل اپنامذہب کیا جھگڑا چون چناں کا(گلافتاب)

ے سنکھ سریر بجے راتیں دم زنجیر یرانی لوہے کھول کے بیٹھے ظفرا، نانک ناتھ جتھاں کا
(گلافتاب)

ے دودھڑوں کے درمیاں جب گاوں میں گولی چلی آنگناں میں سنسنی تھی بیریاں پر بور تھا
(گلافتاب)

ے ویسے توپتنی ہوتی ہے کبھی ساتھ رہتی ہے سالی (ھے ہنومان، ص،1063)

اس شعر میں ہندی زبان کا لفظ "پتنی" استعمال ہوا ہے جو سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "بیوی" کے ہیں ہندی میں لفظ سنسکرت سے آرہاہے اور بطور اسم استعمال ہوتاہے اس شعر میں ظفراقبال نے معنی خیز انداز میں سالی کا ذکر کیا ہے جسے ہمارے معاشرے میں آدھی گھر والی کہا جاتا ہے۔ پتنی تو ظاہر ہے ساتھ رہتی ہے مگر کبھی کبھار سالی بھی آتی ہے۔ ظفر اقبال کے ہاں سنسکرت کے ساتھ ساتھ ہندی کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ مستعاریت کے اس عمل سے زبان کی توسیع ہوتی ہے اور غزل میں تازگی اور خوشگواریت کا احساس بڑھ جاتاہے۔

ے الٹیں گے سب آپ پر آپ جوہیں پردھان جی (ھے ہنومان)

"پردھان" سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "سردار" کے ہیں۔

- اس نے کچھ کویتائیں سنائیں   اور، کوی رہنے نہ دیا   (ھے ہنومان)

''کویتا'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''شاعری اور نظم'' کے ہیں۔

- من کی دبدھا کے لیے   دنیا بھر سے لڑے ہیں   (ھے ہنومان)

''دبدھا'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''تذبذب'' کے ہیں۔

- لمبی عمر ارداس ہوئی   واپس آئے جدھر گئے تھے (ھے ہنومان)

''اَردوس'' ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''درخواست'' کے ہیں۔

- بھگتی میں بھگوان تھا   اور، اوپر ہنومان تھا   (ھے ہنومان)

''بھگوان'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''دیوتا'' کے ہیں۔

- چڑیوں کا بہت شور مچاناوہ یکایک   جنگل سے اسی لمحے وہ سادھو کا نکلنا   (تفریق)

''سادھو'' سنسکرت زبان کا لفظ ہے اس کے معنی ''جوگی'' کے ہیں۔

- کانوں کان سنا سندیسا   لفظوں لفظ کھدیڑ ہو گئے   (تنصیب)

''سندیسا'' ہندی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''پیغام'' کے ہیں۔

درج بالا مثالوں میں ہندی زبان کے الفاظ ملتے ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی اردو زبان کو ہندی الاصل کہتے ہیں۔ کیونکہ اردو میں موجود افعال ہندی سے ہی لیے گئے ہیں اور ہندی کے الفاظ اردو میں ایسے رچ بس گئے ہیں کہ ان کو الگ نہیں کیا جاسکتا۔

ج۔ سمیع آہوجا کے افسانوی متون میں صفر الحاقیت اور لفظ سازی کی مثالوں کا تجزیہ:

نئے الفاظ کے بننے کا عمل ایک دلچسپ عمل ہے جو افراد میں موجود تخلیقی صلاحیتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ اس سے تخلیق کار نئے الفاظ بنانے یا موجودہ الفاظ کو نئے معنی دینے کے لیے وہ ان صلاحیتیوں کو بروئے کار لاتا ہے۔ زبان کے بارے میں یہ نقطہ نظر ہمیں انسانی رابطے کے کو بہتر بنانے اور اظہار کے ذریعے ایک منفرد لسانی منظر نامہ تیار کر سکتا ہے جو ان کے تخیل اور نقطہ نظر کا عکاس ہو۔ سمیع آہوجا کے ہاں زبان میں الحاقیت کے ساتھ ساتھ صفر الحاقیت اور لفظ سازی کی عمدہ مثالیں موجود ہیں۔

"اور تیزی سے ہاتھ چھوڑ کر اس نے کلچہ گال پر چٹکی بھری اور وہ یک دم بے قابو زور سے چلایا۔۔۔۔۔۔!"[27]

اس اقتباس میں لفظ "کلچہ" ایک نیا اختراع کردہ لفظ نہیں۔ یہ لفظ عام زندگی میں اکثر اوقات استعمال کیا جاتا ہے۔ فارسی زبان سے اردو زبان میں داخل ہوا ہے تو بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ ریختہ لغت میں اس کے معنی یوں ہیں۔

> "(فارسی میں کلیچہ تھا) خمیر یا معمولی آٹے کی پھولی ہوئی روٹی جو چپاتی سے کسی قدر دبیز اور چھوٹی ہوتی ہے۔ اس میں گھی اور عموماً دودھ کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔
> لکڑی کا گول گتا جو خیمے کی چوب میں لگا ہوتا ہے۔
> لوگوں سے چھپا کر اکٹھا کی ہوئی دولت"[28]

فارسی کا لفظ کلیچہ جب اردوایا گیا تو اس کے املا اور صورت میں ہمیں فرق نظر آتا ہے۔ مستعاریت کے عمل میں بعض اوقات ثقافتی اور تہذیبی اثرات کی بدولت لفظ کے تلفظ میں تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ کلچہ اردو اور فارسی میں نرم اور پھولی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں یہ بطور اسم مستعمل ہے اس اقتباس میں جب کلچہ گال کہا تو کلچہ کا لفظ اسم کی بجائے بطور صفت استعمال ہوا۔ یہاں نرم اور پھولے ہوئے گال کو کلچہ گال کہا گیا۔ کہ اس نے تیزی سے ہاتھ چھوڑ کر اس کے نرم گالوں پر چٹکی کاٹی اور زور سے چلایا۔ لفظوں کو نئے مفہوم میں استعمال کرنا اسان عمل نہیں۔ ڈاکٹر عابد سیال اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "لفظ کو کسی نئے مفہوم میں برتنا اتفاقیہ نہیں ہو سکتا یا یوں کہہ لیں کہ ہر بار اتفاقیہ نہیں ہو سکتا۔ یہ گہری ریاضت کا کام ہے اور زبان کے سماجی اور ثقافتی پس منظر کی واقفیت کے ساتھ ساتھ ادبی روایت کی آگاہی کے بغیر ممکن نہیں، سو یہ کام تو بڑے شاعروں کے لیے رکھ چھوڑتے ہیں۔ اس سے نسبتاً آسان کام لفظ کو نئی ترتیب و ترکیب کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔ سادہ لفظوں میں یہ کہ مرکبات کی جو مثالیں ہماری روایتی اور کلاسیکی شاعری میں وضع کی گئیں اور کثرت استعمال سے اپنی معنی و مفہوم کی ندرت کھو بیٹھیں ان کی جگہ نئے مرکبات اور لسانی سانچے اختراع کیے جائیں۔"[29]

سمیع آہو جانے اس اقتباس میں کلچہ کو نئے معنی و مفہوم میں استعمال کیا ہے۔ زبان میں یہ عمل اشتقاق کے زمرے میں آتا ہے۔ اس عمل کو تحویل (conversion) کہا جاتا ہے جس میں لفظ میں تبدیلی

لائے بغیر اس کو اس طرح استعمال کیا جائے کہ اس کے معنی و مفہوم اور اس کی قواعدی حیثیت میں تبدیلی واقع ہو جائے۔ زبان میں توسیع کا یہ ایک اہم عمل ہے جس سے لفظ کے معنی و مفہوم میں اضافہ ہوتا ہے۔ڈاکٹر عابد سیال کی اس بات سے اتفاق ہے کہ ایسا کرنا ہر بار اتفاقیہ نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کے بنانے والے کی گہری ریاضت کا کام دکھائی دیتا ہے۔ سمیع آہو جا کے ہاں ہمیں زبان کی توسیع کا عمل دکھائی دیتا ہے۔ جو زبان کے سانچے اور کھانچے بھرنے میں مدد دیتا ہے۔

> ''مگر اُس کے ہی مماثل ضرور ہے، اندر کے چھائے اندھیروں کو چکاچوند کرتا لمحہ دیگر، خیرگی و تیرگی آمیز، مکمل روشن کرتی گونجتی گشت کرتی، پہاڑوں سے ٹکراتی، نو سو میٹر سے اٹھارہ سو میٹر کی بلندی سے ٹکراتی لوٹتی بازگشت، خنجر کی تیز دھار پر چلتی، انگلی پکڑے کھینچتی، دوڑاتی، بدن پر نوک کے بل خردہ کاری اک قصابی سوچ، اس کے اندر جم کر بیٹھتا اک ذبح کرتا آواز پر سوز کا نیوتا، مگر جا بجا پھیلی ہزیمت سے تمام تر وجود مضمل، سمجھ بوجھ کر ابتذال کیسا۔۔۔؟''[30]

اس اقتباس میں لفظ ''قصابی'' نئے معنوں میں استعمال ہے یہ لفظ، اردو لغت کے مطابق سب سے پہلے 1915 میں سجاد حسین کی کتاب ''حاجی بغلول'' میں ملتا ہے۔ قصابی لفظ کا مادہ ''قصب'' ہے اس سے لفظ قصاب بنا اور پھر قصاب سے قصابی کا لفظ بنایا گیا عربی زبان سے ماخوذ صفت ''قصاب'' کے ساتھ ''ی'' بطور لاحقہ کیفیت ملانے سے ''قصابی'' بنا اردو میں بطور اسم مستعمل ہے قصابی کے معنی قصاب کا کام یا پیشہ کے ہیں۔ اس اقتباس میں قصابی کا لفظ اسم کی بجائے صفت استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ سوچ کے ساتھ آیا ہے قصابی سوچ یعنی ایسی سوچ جو بے رحمی اور سفاکیت کے عناصر رکھتی ہے۔ لفظوں کو ان کے نئے مفہوم و معنی میں برتنا ایک آسان عمل ہے لفظوں کو نئے معنوں میں برتنے کے عمل کو تحویل (conversion) کہا جاتا ہے۔ جس میں پہلے سے موجود لفظ کو نئے معنی کا پیراہن پہنایا جاتا ہے یہ لفظی اشتقاق (derivation) کا ایک اہم عمل ہے۔ اس حوالے سے ظفر اقبال لکھتے ہیں:

> ''لفظ کے استعمال میں کسی حد تک یا بقدر ضرورت من مانی کو روا رکھا جائے، کیوں کہ اس طلسم زار میں داخل ہونے کا دروازہ صرف اور صرف لفظ ہے۔ شعر میں ایک ہی لفظ کا غیر معمولی، غیر متوقع یا غیر حقیقی استعمال معنوی لحاظ سے اس کی کایا پلٹ سکتا

ہے۔ لفظ کبھی بھی اور کسی بھی مقام پر بے معنی نہیں ہو تا، اور نہ ہو سکتا ہے، بلکہ لفظ کا کوئی بھی عجیب استعمال معانی کے نئے در کھولنے کا باعث بنتا ہے۔ "[31]

ظفر اقبال نے یہ بات شعر کے حوالے سے کی کہ لفظ کا عجیب استعمال معانی کے نئے در کھولتا ہے۔ سمیع آہو جانے یہ بات نثر میں کر کے دکھائی نہ صرف ایسے ایسے نئے الفاظ بنائے بلکہ پہلے سے موجود الفاظ کو نئے معنی و مفہوم عطا کیا۔ اس بات سے پتا چلتا ہے کہ ان کے ہاں یہ عمل رواروی میں نہیں بلکہ زبان پر ان کی دسترس کا اظہار ہے جسے وہ اپنے لکھے گئے افسانوں میں برتتے ہیں یہ زبان کی توسیع کا ایک اہم عمل ہے جو ہمیں سمیع آہو جا کے ہاں ملتا ہے۔

"منہ زور طوفانی بحیرہ۔ خزر، سنہرے ریتلے ساحلوں سے ہوتی، فاصلوں کی قربت و دوری، اونچے نیچے مختلف ناموں کے پہاڑی سلسلے اور تیل نکالتے ڈیریکوں کے پھیلے جال پر گھومتی، پذیرائی کرتی، ٹرائی پاٹ پر لگی مقیاسی شیشوں پر جا ٹکی، متلاشی راہ لولہ نفت پر پھنسی کمند کہاں؟

تا حد فکر۔ !

ننگرین برات۔ !!

ساحل گوادر یہ وشاتک۔ !

آو دیکھو!

سامنے نیلاب۔۔۔۔۔

ٹھاٹیں مارتا طوفانی بحیرہ عرب۔ ! "[32]

اس اقتباس میں بلوچی زبان کے دو الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

وشاتک۔ خوش آمدید

ننگرین برات۔ کمزور کا یقینی مددگار بھائی

وشاتک کا لفظ دو لفظوں سے مل کر بنا ہے وش یعنی خوش اور اتک معنی آنا کے ہیں۔ اس کی املا دو طرح سے ملتی ہے ایک جو سمیع آہو جانے اپنے اس افسانے میں لکھی یعنی جوڑ کر۔ وشاتک، جبکہ زیادہ تر جگہوں پر اس کی املا الگ الگ کر کے لکھی گئی ہے وش آتک۔ یہ بلوچی میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ کسی کے آنے پر اظہار مسرت کے طور پر کہتے ہیں، مرحبا، بخوشی تشریف لائیے، خوش آمدید وغیرہ۔ اس اقتباس امیں بھی گوادر کے

ساحل پر آنے والے لوگوں کو خوش آمدید کہا جارہا ہے۔ سمیع آہو جا نے اس لفظ کو بلوچی سے جوں کا توں اٹھایا اور اردو میں شامل کر دیا۔ نہ اس کے معنوں میں تبدیلی آئی۔ مستعاریت کا یہ عمل انتہائی منفرد ہے۔ جس میں علاقائی زبانوں کا رشتہ اردو زبان سے جوڑ رہے ہیں اور اردو لنگوا فرانکا کا کام سر انجام دے رہی ہے کہ مقامی بولیوں کے خوبصورت الفاظ چن چن کر اردو میں ملاتے جائیں تو اردو زبان کی صلاحیتوں اور اس کی وسعت میں اضافہ کرتے جائیں۔

"پھر آہستہ بے چاپ کھلی پلک میں ایک درز، طلوع ہوتے چشمہ ءنور کی آتشیں گلابی لکر سے اک کرن کھلی اور اڑتا ہوا فضائی پیر اک، اک طلائی ذرہ گرا، شید رڑک، مسلتی آنکھوں میں میں بیت الحم سے لوٹتے سر تا پا سپید پوشاکوں میں ملبوس اڑتے اترے تین موگوش، عقل کے خمیر میں گندھے، سونا، لوبان اور مُر کے تحفے تحائف دینے والے اور ستاروں کے جھرمٹ میں مسکراتا، لحہ جنم متکلم، عفت کی قسم کھاتا، وہی لینے والا کیسے خالی ہاتھ لوٹاتا۔۔۔"[33]

اس اقتباس میں استعمال ہونے والا لفظ "موگوش" ہے جو کہ "ژند" زبان کا لفظ ہے۔ ژند کو قدیم اوستائی زبان کہا جاتا ہے جو کہ پیغمبر زرتشت پر اتری اور یہ لوگ آگ کی پوجا کرتے تھے ان کے ماننے والوں کو مجوسی یا موگوش کہا جاتا ہے۔ موگوش کے معنی مجوسی کے ہیں یہ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں بطور اسم مستعمل ہے۔ اردو میں عربی و فارسی کے بے شمار الفاظ غلط املا اور تلفظ سے برتے گئے ہیں جن کا صحیح کرنا بھی آسان نہیں کیونکہ وہ عوام میں مقبول ہو چکے ہیں۔ سمیع آہو جا عام طور پر ان الفاظ کو اپنے افسانوں میں شامل کرتے ہیں جن کا چلن عوامی ہو وہ اس بات کے قائل نظر آتے ہیں کہ زبان جیسے بولی جائے اس کو ویسا ہی لکھا جائے عربی و فارسی دونوں سے زبانوں سے اردو نے اسما و صفات ہی مستعار لیں۔ ڈاکٹر عصمت جاوید اس حوالے سے رقمطراز ہیں۔

"ہر زبان جو مستقل زبان کا درجہ رکھتی ہے ان اسماو صفات کو دوسری زبان سے اندھا دھند طریقے سے قبول نہیں کیا کرتی۔ چونکہ اردو ایک مستقل زبان ہے اس لیے اگر چہ اس نے فارسی اسماو صفات کثیر تعداد میں قبول کیے ہیں لیکن اپنا لسانی مزاج قائم رکھتے ہوئے ان پر ایک غیر شعوری روک بھی لگائی ہے۔"[34]

اردو زبان نے فارسی سے اندھا دھند طریقے سے اسماوصفات کو قبول نہیں کیا۔ سمیع آہو جا کے ہاں متعدد فارسی الفاظ ملتے ہیں۔ توسیع کے اس عمل میں نت نئے الفاظ زبان میں شامل ہوتے ہیں۔ سمیع آہو جا نے نہ صرف جدید زبانوں کے الفاظ کو افسانوں میں شامل کیا وہیں قدیم زبانوں کے الفاظ کو افسانوں میں شامل کیا وہیں قدیم زبانوں کے الفاظ بھی ان کے ہاں ملتے ہیں۔ یہ ان کی علمیت اور ذہانت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

"اور سویلین جو سدرن کمانڈ سے ناردن کمانڈ کے یونٹوں میں شراب کی سپلائی کے ٹھیکے دار، گوشت اور مچھلی کے سپلائر اور اسی فوجی سرکار کی اونچی کرسیوں پر براجمان ملازمین تھے، وہ اور یوم تعطیل پر یالام سے لوٹتے، یا چھٹیوں پر اپنے دیہی گھروں کو لوٹتے ٹامیوں کے نیٹو لشکریوں کے لیے ہر نوع خریداری کا مال، ان کو جکڑے اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔۔۔!"[35]

اس اقتباس میں استعمال ہونے والا لفظ نیٹو (NATO) ہے جس کو لسانیات میں مختصرات (Acronyms) کہتے ہیں یہ وہ الفاظ ہوتے ہیں جو کسی الفاظ کے ابتدائی حروف کو ملا کر لکھا جاتا ہے اور اس عمل سے ایک نیا لفظ وجود میں آتا ہے۔ نیٹو (NATO) کا لفظ (The North Atlantic Treaty Organization) کے پہلے پہلے الفاظ کو ملا کر بنا۔ یہ ایک بین الاقوامی تنظیم ہے اسے اردو میں شمالی اوقیانوسی معاہدے کی تنظیم کہا جاتا ہے یہ تنظیم 1949 میں سرد جنگ کے ابتدائی مراحل میں اپنے رکن ممالک کے مشترکہ دفاع کے لئے بطور سیاسی اور فوجی اتحاد کے طور پر بنائی گئی تھی۔ اردو زبان میں مختصرات نہیں بنائے جاتے بلکہ انگریزی اور عربی کے بنائے ہوئی مختصرات کو اردو زبان میں جوں کے توں استعمال کیے جاتے ہیں۔ آج کل ان مختصرات کا استعمال دن بدن بڑھتا جارہا ہے ایسے بننے والے الفاظ زبان کی توسیع میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔

"اگر دکان پر ہی کوئی ساڑھی یا شلوار قمیض میں چادر سے ڈھکی عورت یا برقعہ پوش خاتون دکان پر چکی نہ لا سکنے کی ملتجی لہجے میں مجبوری بیان کرتے گھر پر ہی مرمت کی فرمائش کرتی تو وہ اتا پتا پوچھ کر پہنچ جانے کا وعدہ کر لیتا اور پھر بھرے بازار سے اسی خاتون کو حقیقت، اور اونچ نیچ کی ٹوہ لے کر ہی اگلے روز اپنے اک کارندے کو بھجوا دیتا تھا، مگر اگر کوئی اڑ پھنس ہوتی تو اگلے دن اس کے دروازے پر دستک دے کر چکی رہانے سے معذرت کر لیتا ہے۔"[36]

اس اقتباس میں استعمال ہونے والا لفظ ''اڑ پھس'' ہے جو کہ دو لفظوں اڑنا اور پھنسنا سے مل کر ایک نیا لفظ بنا ہے اس طرح بننے والے الفاظ کو آمیختہ (Blending) کہتے ہیں۔ یہ ایک مار فیمیاتی عمل ہے یہ دو یا دو سے زیادہ الفاظ سے مل کر بنتا ہے انگریزی زبان میں یہ عمل کسی ایک لفظ کے شروع کے حروف اور دوسرے لفظ کے آخری لفظ لے کر بنتا ہے۔ مگر اردو میں ایسے الفاظ کم بنائے جاتے ہیں۔ جو بنائے جاتے ہیں وہ اس اصول کے تحت نہیں بنتے۔ جیسے اس لفظ ''اڑ پھس'' کے لیے حروف دونوں الفاظ کے شروع کے ہیں نہ کہ پہلے اور آخر کے۔ اڑ پھس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی چیز رکاوٹ بنے تو اس کی صفائی کی جاتی ہے۔ اس اقتباس میں سمیع آہو جانے چکی میں ہونے والے اڑ پھس کا ذکر کیا۔ آمیختہ (Blending) کا عمل اردو میں بے حد قدیم ہے۔ اس طریقہ کار سے نت نئے الفاظ بنتے ہیں اور توسیع زبان کی عمل تیز ہو تا ہے۔

''سوچ بچار اور کائیاں اکھیوں کا میل حریرہ ابھی پہلی آنچ کے ابال کے قریب ہی تھا، کہ ملحقہ دکان کی سیدھی سہل تجاویزاتی خوشبو ظفر کے منہ میں قوام بنے رال اتر بڑی، ممکن تھا کہ انکار پر وہ وہیں خشک ہو جاتی لیکن بول بچن کی مٹھاس میں گھوٹ لینے میں ہر ج ہی کیا۔۔۔۔۔؟''[37]

اس اقتباس میں نیا اور نامانوس لفظ ''تجاویزاتی'' ہے جو انگریزی لفظ (Suggestive) کا اردو ترجمہ ہے۔ مستعاریت کے عمل میں جہاں الفاظ جوں کے توں اردو میں منتقل ہوئے وہاں بہت سے لفظوں کو اردو قواعد میں ڈھال کر لفظ بنائے، وہیں انگریزی کے لفظوں کے ترجمے بھی کئے گئے۔ ایسے الفاظ جو اردو میں موجود نہیں ان کا اردو میں ترجمہ کرنا اردو کے ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کرنا ایک منفرد عمل ہے اس سے زبان کی توسیع ہوتی ہے۔ Suggestive لفظ کا ترجمہ عام طور پر تجویز کنندہ یا محرک خیال کا کیا جاتا ہے۔ مگر سمیع آہو جانے اس کا ترجمہ تجاویزاتی کیا۔ جو کہ ایک منفرد اور خوبصورت معنی خیز لفظ ہے Suggestive لفظ انگریزی میں بطور صفت استعمال ہو تا ہے۔ آکسفورڈ لرنرڈ کشنریز میں اس لفظ کے بارے میں کچھ یوں درج ہے۔

"Suggestive adjective

Suggestive (of something) reminding you of something or making you think about something."[38]

اس اقتباس میں بھی یہ لفظ بطور صفت استعمال ہوا ہے تجاویزاتی خوشبو۔ ایسی خوشبو جو اپنی طرف کھینچے باترغیب دے حریرہ کے بننے کی خوشبو اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ مستعاریت کے عمل کے کئی طریقے ہیں

ان میں سے ایک لغوی مادوں کی کمی کا ہونا اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے وہ اس لفظ املائی شکل نہیں بلکہ اس کا مفہوم اپنی زبان میں ترجمہ کر لیتا ہے۔ اس مستعار ترجمہ (Loan Translation) کہتے ہیں۔ اس اقتباس میں سمیع آہو جانے اس لفظ کا مفہوم سامنے رکھتے ہوئے ترجمہ کیا جو کہ اردو میں ایک خوبصورت اور منفر داضافہ ہے۔ "اس اندھیری اندھی بستی کے بھیتر جلتے دیوے میں اپنی کھڑاچی مورت کے کھرڈھونڈ نکالوں، بس ذرا ان کاسیوں کی کھیڈ ٹِک جائے"[39] اس اقتباس میں پنجابی لفظ "کھڑاچی" کو مستعار لیا گیا ہے۔ جس کے معنی "گم ہوئی" کے ہیں یہ لفظ مورت کے ساتھ لگایا گیا ہے۔ یعنی گم ہوئی مورت اس لفظ کو سمیع آہو جانے مقامی لب ولہجہ، ساخت اور املا کے ساتھ اردوایا ہے پنجابی سے یہ لفظ اردو میں آیا اور اس اقتباس میں اسے بطور صفت استعمال کیا گیا ہے۔ پنجابی لفظ کو اردوانے کے حوالے سے جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

> "عربی، فارسی ترکی الفاظ کے استعمال سے اردو کی قوت اظہار میں غیر معمولی اضافہ ہوا، ضرورت اس بات کی ہے کہ جیسے عربی کتابوں کے تراجم سے اردو زبان میں سینکڑوں الفاظ شامل ہوئے اسی طرح اگر سنسکرت اور دوسری ہندوستانی، پاکستانی زبانوں کے الفاظ بھی شامل ہو جائیں تو یہ بھی ویسا ہی فطری عمل ہو گا جیسا پاکستان میں متعدد الفاظ پنجابی، سندھی، سرائیکی، بلوچی، براہوی، پشتو اور ہند کو وغیرہ کے شامل ہو جانے سے ہوا ہے"[40]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے علاقائی زبانوں کے الفاظ کی اردو میں شمولیت کے عمل کو فطری قرار دیا ہے یہ ویسا ہی عمل ہے جیسے اردو میں دوسری زبانوں کے الفاظ شامل ہونے سے ہوا۔ اردو میں اس عمل کو مستعاریت کا عمل کہتے ہیں۔ اگر کوئی لفظ ہماری زبان کے مزاج سے آہنگ ہو جاتا ہے تو اس کو اپنا لینے میں حرج ہی کیا ہے اس اقتباس میں کام کرنے والوں کی اپنا لینے میں حرج ہی کیا ہے اس اقتباس میں کام کرنے والوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ہے کہ ذرا ان کا سیوں کا کام ختم ہو جائے تو اس اندھیری رات میں دیوے جلا کر گم ہوئی صورت کے کھرے یا نشان ڈھونڈ نکالوں گا مستعاریت کے اس عمل کے تحت نت نئے الفاظ اردو زبان میں شامل ہو رہے ہیں جس سے زبان کی توسیع کا عمل تیز ہوتا ہے۔

"لٹیرو۔۔۔۔۔۔۔!

اپنی رسوائی کے سنگ میں تمہیں بھی برباد کر دوں گا،اس کی نوپک کے پہلے فائر سے ہی،
اس کے دروازے کو گھیرے، بندوقوں کے کندوں سے ضربیں لگاتے چرپ زدہ مفرور
چہرے خون میں لت پت تڑپتے۔۔۔۔!"[41]

اس اقتباس میں مستعار لیا جانے والا لفظ توپک ہے جو کہ ترکی زبان کا لفظ ہے جس کو اردو زبان میں "تپک" کہا جاتا ہے۔ ریختہ ڈکشنری میں کے حوالے سے یوں درج ہے۔

"اسم۔ مونث
کسی پھوڑے پھنسی یا زخم وغیرہ میں رہ رہ کر جلن اور تڑپ کی کیفیت، پھوڑے کا درد جو
دم بدم اٹھتا ہے ٹیس (مجازا)
اضطراب، لپک (ہونا کے ساتھ)
توپ کی تصغیر، چھوٹی توپ"[42]

سمیع آہو جانے اس کی املا "توپک" لکھی ہے۔ یعنی اس لفظ کو ترکی کے مقامی لب و لہجے کا خیال رکھنے کی بجائے خود نئے املا کا استعمال کیا۔ عام طور پر کوشش یہ کرنی چاہیئے کہ درست الفاظ اور درست املا کو اردوایا جائے تاکہ املائی تغیرات رونما نہ ہو سکیں۔ مگر معنوی اعتبار سے اس لفظ کا جائزہ لیں تو سمیع آہو جانے اسے صحیح معنوں میں اردو میں شامل کیا ہے۔ اس اقتباس میں یہ لفظ چھوٹی توپ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے توپ کی تصغیر کو ترکی میں "تپک" کہتے ہیں اس کے پہلے ہی فائر سے مفرور چہرے خون میں لت پت ہو گئے۔

"کسی بھی طور، ہر پہلو، روز روشن کہ ہم سب پناہ گیر اور یروشلم اک جائے ملاقات،
ایسی کہ رفاقت کے دست پنجے میں جکڑے، پہلا تعارف تو موشے برزیلائی اور اس کی
بیوی شوشانا کا، جو دریا کے اس طرف حیفہ کے موجودہ باسی اور موشے برزیلائی عبرانی یو
نیورسٹی کا اک کامل استاد اور شوشانا لیٹن گراڈ کے مخطوطات کی سابق لائبریرین، آرامی
خط کی لفظالی، لہجے، آہنگ سے آشنا ہونے کے بل بوتے تالمود بابلی کے در و بست کی
ماہر اور دونوں کیمونسٹ پارٹی کے ایسے رکن جنہوں نے اپنی قلیل تعداد ہونے کے با
وجود سن انیس سو ستاسٹھ کی جنگ کے بعد مفتوح علاقوں سے اسرائیل کے فوری نکل
جانے کا پرزور مطالبہ کیا تھا۔"[43]

اس اقتباس میں پنجابی زبان کا ایک لفظ "لفظالی" استعمال ہوا ہے۔ جسے پنجابی زبان سے مستعار لے کر اردو میں برتا گیا ہے۔ پنجابی زبان میں یہ لفظ لفظاولی اور لفظالی میں دو الگ الگ علاقے کے لہجوں کا فرق نظر آتا

ہے۔ لفظالی کا لفظ لغت یا ڈکشنری کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اکثر ڈکشنریز یا لغات کے نام پنجابی میں ایسے ہوتے ہیں مڈھلی لفظالی، گوجری لفظالی وغیرہ اس اقتباس میں بھی آرامی خط (رسم الخط) میں لکھی ہوئی لغت مراد لیا ہے اور جو پنجابی و اردو دونوں زبانوں میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ "لفظ" سے بنایا گیا ہے۔ جہاں متعدد الفاظ کو اکٹھا کیا جاتا ہے اسے لفظالی کہا گیا۔ مستعاریت کے اس عمل کے ذریعے بہت سے نئے اسماوصفات اردو میں در آئیں ہیں۔

> "بلکہ نئی چھاونی کی مطبخی ضرورتوں کے علاوہ تمام تر دیگر لوازمات بھی اسی ٹکڑے سے وابستہ ہیں۔ اس کے چند قدموں کے فاصلے پر کنک منڈی ہے جہاں دو بھائیوں کی آٹے کی چکیاں ہیں۔ لام کے ایام میں جہاں سے چھاونی کے میسیز کو سپلائی جاتی تھی اور آگے چند قدموں پر شہر اور صدر کو ملاتا ریلوے لائنوں کے اوپر بنا آہنی سیڑھیوں کا پل ہے۔ چار سو گز پرے محصول چنگی ہے سامنے ہی ریلوے شیڈ ہے اور پھر سو گز کے آگے ریلوے سٹیشن ہے۔"[44]

اس اقتباس میں انگریزی سے مستعار الفاظ میسیز، لائنوں شیڈ اور ریلوے اسٹیشن لیے گئے ہیں۔ مگر ان الفاظ پر غور کریں تو ہمیں چار مختلف طرح کے الفاظ نظر آتے ہیں ان الفاظ کا باری باری جائزہ لیں گے۔ سب سے پہلا لفظ میسیز (Messes) ہے جو انگریزی لفظ (Mess) کی جمع ہے گوگل آکسفورڈ لینگویجز میں اس کے معنی یوں درج ہیں۔

> "Mess: noun
>
> A dirty or untidy state of things or of a place.
>
> Have one's meals with a particular person, especially as a member of an armed forces, mess."[45]

میس (Mess) انگریزی زبان میں بطور اسم اور فعل دونوں طرح سے استعمال ہوتا ہے اس اقتباس میں یہ لفظ بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ وہ جگہ جہاں آرمی کے لوگ بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں اس ہال کو میس ہال کہا جاتا ہے۔

اس اقتباس میں میں کی جمع میسیز (Messes) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ "ز" کا لاحقہ لگا کر اس کی جمع بنائی گئی ہے۔ "ز" انگریزی کا لاحقہ ہے جو اردو میں استعمال ہوتا ہے۔ اس لاحقے کو ڈاکٹر فہمیدہ بیگم اسم جمع کا

لاحقہ بتاتی ہیں سمیع آہو جانے اردو میں انگریزی کے لفظ کو ڈھال کر اور ”ز“کا لاحقہ بنا کر ایک نیا روپ عطا کیا ہے۔ مستعاریت کے اس عمل میں لفظ کو اپنی زبان میں نئی شکل دے دی جاتی ہے۔ اس طریقہ سے لفظ اردو زبان کا ہی محسوس ہوتا ہے۔ محمد بن عمر اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ۔

”جب لفظ ایک زبان سے دوسری زبان میں داخل ہوتے ہیں تو وہ اپنے ساتھ اپنی زبان کی گرامر کے قواعد نہیں لے جاتے بلکہ دوسری زبان کے صرف و نحو کی پابندی کرتے ہیں۔ چنانچہ پوری الفاظ جو اردو میں آ گئے ان کا استعمال عام طور پر ہماری زبان کے قواعد کے تابع ہے۔“[46]

محمد بن عمر کی یہ بات سمیع آہو جا کے بنائے ہوئے انگریزی کے ان الفاظ پر سچ ثابت ہوتی ہے جو انہوں نے انگریزی کے الفاظ پر اردو و ہندی کے قواعد لگائے جیسے اس پیراگراف میں استعمال ہونے والا لفظ ”لائنوں“ ہے لائن (Line) انگریزی زبان کا لفظ ہے۔ اس اقتباس میں ریلوے لائنوں کی بات کی جارہی ہے لائن کی جمع لائنز بن سکتی تھی جیسا کہ اس سے پہلے لفظ (Mess) سے (Messes) بنایا گیا۔ مگر یہاں سمیع آہو جانے انگریزی لفظ کو اردو میں ڈھال کر اس کے ساتھ اردو صرف و نحو کا قاعدہ لگایا۔ جو کہ اسم جمع کا قاعدہ ہے کسی لفظ کے ساتھ ”وں“کا لاحقہ لگا کر اسم جمع بنایا جاسکتا ہے۔ یورپی زبانوں سے جو الفاظ اردو میں آئے ان کا استعمال اردو زبان کے قواعد کے تابع ہو گا۔ اس اقتباس میں لائن () بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ گوگل آکسفورڈ لینگو ئجز میں اس کے معنی یوں درج ہیں۔

"Line – Noun

A long, narrow mark or band

A length of cord, rope, wire, or other material serving a particular purpose."[47]

انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں یہ لفظ بطور اسم مستعمل ہے اور جملے کے حساب سے الفاظ کی قواعدی حیثیت متعین ہوتی ہے۔ اس اقتباس میں یہ بطور اسم استعمال کیا گیا ہے۔

اس اقتباس میں استعمال ہونے والا تیسرا انگریزی لفظ ”شیڈ“ (Shade) ہے۔ جس کو انگریزی سے اردو املا میں ڈھال کر بنایا ہے۔ جس کا تلفظ میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ مگر اس کی شکل و صورت کو اردو ڈھنگ عطا

کیا۔ "Shade" شیڈ کا لفظ انگریزی میں کن معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس معنی کو گوگل ڈکشنری میں ملاحظہ کیجئے۔

"Shade - Noun

Comparative darkness and coolness caused by shelter from direct sunlight."[48]

ایسی چیز جو دھوپ اور سردی یا موسمی اثرات سے بچنے کے لئے استعمال ہو یا حفاظت کر لئے استعمال ہو شیڈ کہلاتا ہے۔ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں یہ بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ اس اقتباس میں بھی یہ حفاظت کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ صرف انگریزی لفظ کو اردوایا گیا ہے۔

اس اقتباس چوتھا استعمال ہونے والا لفظ ریلوے سٹیشن ہے۔ اردو میں عام طور پر لفظ "ریلوے اسٹیشن" میں "الف" لگایا جاتا ہے۔ سمیع آہوجا نے اس لفظ کو صحیح تلفظ اور صحیح صورت کے ساتھ استعمال کیا ہے لیکن جب ایک لفظ کا عوام میں چلن ہو جائے تو اسے ویسے ہی لکھا اور پڑھا جاتا ہے۔ درست الفاظ اور درست تلفظ کے ساتھ دوسری زبان میں مستعار لینا چاہئے لیکن اگر نہ ہو تو غلط تلفظ اور املا کے ساتھ بھی عوام میں چلن ہو جائے تو اس کو تبدیل کرنا درست عمل نہیں۔ علما و فصحا اس بات پر متفق ہیں اس لیے سمیع آہوجا کے اس عمل کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔

"وہ ان جھاڑیوں کی جانب لپک پڑے اور جھاڑیوں کے نیچے کیچڑ زدہ زمین گری خشک اور گیلی کیچڑ بھری چیریاں اٹھائیں اور برف میں مسلتے کھاتے جب پہاڑ اوپر پہنچ کر چاروں جانب نظریں دوڑائیں صرف زار اور برف ہی سے لادے درختوں جھاڑیوں کی جھکی ٹہنیوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا، پرند و چرند کہ درندوں کا بھی کوئی نشان ہی نہیں، مکمل سکوت کی چادر تلے لمبی نیند میں مگن۔"[49]

اس اقتباس میں انگریزی زبان کا لفظ چیری (cherry) سے اس کی جمع چیریاں بنایا گیا ہے۔ مستعاریت کا یہ عمل ہے۔ جس کے تحت الفاظ کو دوسری زبانوں سے مستعار / ادھار لے کر اپنی زبان کے قاعدے لگا کر اردوالیا جاتا ہے کیمرج ڈکشنری میں اس لفظ کے حوالے سے یوں درج ہے۔

"Cherry - Noun

A small, round, soft red or black fruit with a single hard seed in the middle, or the tree on which the fruit grows."[50]

چیری ایسا پھل ہے جو دنیا بھر میں نایاب ہونے کی وجہ سے مہنگا ہے۔ چیری کو محبت کی علامت بھی سمجھا جاتا ہے چیری کی سرخ رنگ اور گول ساخت میں ایک خاص کشش پائی جاتی ہے یہ پھل پاکستان کے علاقے گلگت بلتستان میں پایا جاتا ہے، اس چیری سے واقفیت چیری بلاسم پالش سے ہوئی تھی جب بچپن میں چیری کے دودانے اس پالش کی ڈبیا کے اوپر بنے ہوتے تھے ہمارے ہاں اس طرح کے گول اور اندر سخت بیج والا پھل بیری ہوتا ہے جس کی شکل وصورت چیری (cherry) سے ملتی ہے اردو زبان میں بیری جمع بیریاں بنائی جاتی ہے اردو میں کسی لفظ کی جمع بناتے ہوئے (اں) کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرز چیری سے لفظ چیریاں بنایا گیا۔ اور یہ لفظ عوام میں مقبول ہے اور عوام الناس اسے استعمال کرتے ہیں۔ مستعاریت کے عمل میں نئے اسما زیادہ جلدی مقبولیت پالیتے ہیں کیونکہ ان اشیا کے معنی یا اردو میں ترجمہ کرنا خاصا مشکل امر ہے اس لیے انہیں اکثر اوقات جوں کا توں استعمال کر لیا جاتا ہے اور کبھی ان الفاظ کو اردو صرف و نحو کے مطابق ڈھال لیا جاتا ہے۔

"جیالوجسٹوں کے تخمینے کے مطابق کیپسن سمندر کے ذخائر مقدار میں مشرق وسطی سے دس پندرہ فیصد کم ہونے کے باوجود اپنی عمدہ کوالٹی کی بدولت اکیسویں صدی کا نمایاں انرجی کا منبع، اور بعض تو اس پورے بیسن کو گیس اور تیل سے بھرا ہوا سمجھتے ہیں، گورکاوٹ جو کل بھی اس راہ میں حائل تھی وہی آج بھی ہے۔ طاقت، اثرورسوخ، تحفظ اور دولت، کھیل کا میدان پچھلی صدی سے تبدیل ہو چکا ہے۔"[51]

اس اقتباس میں مستعارہ شدہ لفظ جیالوجسٹوں ہے۔ جو جیالوجسٹ کے ساتھ "وں" جمع کا قاعدہ لگا کر بنایا گیا ہے۔ جیالوجسٹ (Geologist) انگریزی زبان کا لفظ ہے جو انگریزی میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ سمیع آہوجانے انگریزی کے لفظ کو اردو املا میں ڈھال کر لکھا ہے بہت سے لفظ ایسے ہوتے ہیں جو املائی تغیرات سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس لفظ کو اردو میں ماہر ارضیات کہتے ہیں۔ جیالوجسٹ وہ لوگ ہوتے ہیں جو زمین کے بارے میں تحقیقات کرتے ہیں کہ ماضی میں زمین کی کیا صورتحال تھی اور مستقبل میں اس کے کیا حالات ہوں گے۔ جیالوجسٹ کا لفظ اردو زبان میں بھی بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ "وں" کا لاحقہ جیالوجسٹ کے ساتھ لگا

کر اس لفظ کو اردوالیا گیا ہے۔ انگریزی کے لفظوں کے بڑھتے استعمال کے حوالے سے شمس الرحمن فاروقی لکھتے ہیں۔

> ''نئے الفاظ کو کھلے دل سے قبول کرنا، یا غیر زبانوں کے الفاظ کو اپنے لہجے اور مزاج سے ہم آہنگ کر کے اپنالینا، ہماری زبان کی شانوں میں سے ایک شان ہے اور اس صفت میں یہ انگریزی، روسی اور ایک حد تک جرمن اور جاپانی سے ملتی جلتی ہے۔ اس بات پر فخر کرنا چاہیے لیکن اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندی اور انگریزی کے بھونڈے اور غیر ضروری الفاظ کی بے محابا یلغار جو اچھی اور معیاری اردو کی دیواروں کو ہلائے جا رہی ہے۔ اس خطرے کا احساس عام کرنے اور اس کا تدارک کرنے کے لئے کچھ کیا جائے۔''[52]

شمس الرحمن کی یہ بات درست ہے کہ یہ دیکھنا بے حد ضروری ہے کہ نئے انگریزی کے الفاظ جو اردو میں شامل ہو رہے ہیں ان کی ہمیں ضرورت ہے یا ان کی وجہ سے اردو کے بہت سے قیمتی اور منفرد الفاظ کو ہم پیچھے دھکیل رہے ہیں۔ صرف ان الفاظ کو اردو میں برتا جائے جو زبان کے مزاج سے آہنگ ہو۔ یہ نہ ہو آنے والے دنوں میں ہمارے بہت سے قیمتی الفاظ متروک ہو کر رہ جائیں۔

> ''وہ اس سے بے خبر تو نہیں تھا، لیکن قبول کرنے سے قاصر، کہ ان لمحات میں جان کی بازی لگانے والے کسی بھی انقلابی کی اک گولی اس کی بنائی ایرانی تاریخ کی راہ تبدیل کرنے پر قادر، کہ جو شاہوں کے شاہ ظل الہی کے کھائے پہاڑ، ٹرنکولائزروں تلے دبے خوابوں کی ہلکی سی جھلک سے وہ چونک کر بیدار ہو جاتا ہے سرے سے پاوں تک پسینے سے شرابور''[53]

اس اقتباس میں لفظ ٹرنکولائزر کے ساتھ ''وں'' کا لاحقہ لگا کر ٹرنکولائزروں جمع کا صیغہ بنایا ہے ''وں'' جمع کا صیغہ ہے۔ انگریزی کے لفظ کو اردو املا میں ڈھال کر اردوایا گیا ہے اس کے تلفظ، صورت اور معنوں میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوا۔ اس طرح کے بہت سے الفاظ سمیع آہو جانے افسانوں میں استعمال کئے مثلاً کیمروں، ٹینکوں، ہیلی کاپٹروں، مارٹروں، ٹرنکولائزروں وغیرہ۔ ان میں سے کچھ اول الذکر الفاظ عوامی سطح پر مقبول و معروف ہیں اور عوام میں ان کا چلن ہے۔ موخر الذکر الفاظ آنے والے دنوں میں عوم کی

لفظیات کا حصہ بن سکتے ہیں۔ ٹرنکولائزروں کا لفظ عام چلن میں نہیں ہے مگر اسما و صفات سے بننے والے الفاظ جلدی عام میں چلن میں آجاتے ہیں۔

> "اسی کی بائیں جانب ، بد نظمی و خلفشاری مقامات کی فوری کمک کے لیے یار پوری کانوائے کی بھری ٹرین، بنا انجن اور سولین کی پوری ٹک بوگیوں کی قیام کا ہی اور برانچ لائنوں کا پلیٹ فارم، جس کا آہنی سلاخوں والا گیٹ عموماً بند ہی رہتا ہے، اسی پلیٹ فارم کے الٹے ہاتھ پر ریلوے کے بینگلوز، اور ریلوے ہسپتال کو چھوتے ہوئے سڑک نکل جائے گی رتہ امرال کی جانب ، آگے ریلوے کا آہنی پل پار نہ کریں تو بہتر ہے، آگے۔۔۔۔؟"[54]

اس اقتباس میں انگریزی الفاظ کو اردو املا میں لکھا گیا ہے جس میں انجن، ٹرین، ٹک، پلیٹ فارم شامل ہیں۔ لائنوں لفظ کے بارے میں پیچھے لکھا جا چکا ہے۔ ایسے الفاظ جن کو اردو قواعد (صرف و نحو) کے حساب سے تبدیل کیا گیا یہاں بینگلو کے ساتھ "ز" کا لاحقہ لگا کر اردوایا گیا ہے یہ جمع کا لاحقہ ہے۔ مستعاریت کے اس عمل سے بہت سے الفاظ اردو میں داخل ہوئے ہیں سمیع آہوجا کے افسانوں میں ہمیں مختلف زبانوں کے الفاظ کے ساتھ انگریزی کے بہت سے الفاظ ملتے ہیں۔

> "اور اگلی دکان سکول اور کالج کی کتابوں اور سٹیشنری کی اک بھرپور دکان، ایک دروازہ اس کا چرچ سٹریٹ کی جانب اور دو جا بڑے بازار کے رخ پر کھلتا تھا، سڑک پار جمن فارمیسی کے روبرو، نالے کے اوپر سیمینٹڈ تھڑے پر راہ روکتے شوکیسز پر لٹکے ہوئے، تقریباً چیختے ہوئے طلبا کبھی دو چار کی تعداد میں اور کبھی انگنت ہجوم، جگدیش مالک دکان اور اس کے سات سے آٹھ کارندے طلبا کی ضروریات پوری کرتے ہوئے ہلکان ہو جاتے۔"[55]

شوکیسز (Showcases) کا لفظ انگریزی کا ہے۔ شوکیش کے ساتھ "ز" کا لاحقہ بنا کر بنایا گیا ہے۔ اور سیٹیشنری، چرچ سٹریٹ اور سمنٹڈ الفاظ کو اردو رسم الخط میں لکھ کر اردو میں استعمال کیا ہے یہ مستعاریت کا ایک منفرد عمل ہے جس سے زبان کے سانچے کھانچے بھرنے میں مدد ملتی ہے۔

> "لیکن مقامی مراعات یافتہ طبقے اور فرنگی جانوں کے زیاں کی بدولت شش و پنج میں بھی مبتلا ہوئی۔ لیکن مقامی مراعات یافتہ طبقے نے لوہے کی دیواریں ان کی حفاظت کے گرد بنا ڈالی تھیں۔ تمام ترپلانگ ٹامیوں کی اور گولی کھانے کو سپنہ نیٹو (native) کا۔ مگر

اٹھارہ سو ستاون کی فوجی بغاوت کے سبب ٹامی سرکار کے کمپنی گماشتوں کو ہوش آ گئی۔
اور گہری سوچ بچار سے اگتی انجینئرنگ پلاننگ کے بعد قدم اٹھے اور اٹھارہ سو اکسٹھ میں
ریلوے کی شروعات پنجاب اور نارتھ فرنٹیئر ایریا میں ہوئی۔"[56]

اس اقتباس میں سمیع آہو جانے ایک لفظ کو اردو کے روپ میں ڈھالا۔ مگر اس کے اردو روپ کو اگر اس کے ساتھ انگریزی نہ لکھی جائے تو وہ لفظ دوسرے معنوں میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔ (native)انگریزی زبان کا لفظ ہے جو اردو میں مقامی لوگوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ (native)کی اردو املا سمیع آہو جانے "نیٹو" لکھی جا کہ ایک ادارہ ہے جو تمام دنیا کے ممالک جو اس میں شامل ہے کو سیکیورٹی فراہم کرتا ہے۔ اور نیٹو اس کا مخفف ہے۔ لفظ کے تلفظ سے اس کا فرق واضح ہوتا ہے۔ مگر اس کا املاک ایک ہی۔ ہم بہت سے لفظوں کو اس کے تلفظ اور اس کے جملے میں آنے والے معنوں سے سمجھتے ہیں۔ یہاں اس اقتباس میں یہ دونوں لفظ صحیح لگتے ہیں۔ مستعار لینے والے اس بات کا دھیان رکھنا ضروری ہے اور اس کے اوپر اعراب لگا دیں تو آسانی ہو گی جیسے سمیع آہو جانے انگریزی لکھ کر بہت سے لوگوں کو تذبذب کا شکار ہونے سے بچایا۔

"بس سننے میں آیا کہ کردستان سے کوئی عزیز آیا تھا۔ کہ جب اس کا تعاقب کرنے والوں نے پوچھ گچھ شروع کی تو وہ بے حرمتی میں لپٹے سوالات کا جواب دینے کی بجائے یوزی سے فائر کرتا ہوا، تین کو موت کے گھاٹ اتارتے، دو ایک کو زخمی کرتے بھاگ نکلا۔ مگر۔؟

مگر پشت کا تعاقب کرتی گولیوں کی رگبار برسات میں وہ مارا گیا۔ اب یہ تو پتہ نہیں کہ اس کی موت کا دکھ کسے ہوا؟"[57]

اس اقتباس میں دو لفظ مستعاریت کی بدولت انگریزی اور فارسی سے اردو میں داخل ہوئے پہلا لفظ یوزی(uzi) ہے۔ جو کہ ایک ہتھیار کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ اس گن کو اسرائیل نے بنایا تھا۔ یہ ایک ہلکی ، صحیح نشانہ لگانے والی اور استعمال میں آسان گن ہے۔ سمیع آہو جانے اس افسانے میں یوزی گن کے لفظ کا استعمال کیا کہ وہ فضول سوالوں کے جوابات دینے کی بجائے یوزی سے فائر کرتا ہوا تین لوگوں کو موت کے گھاٹ اتارتے ہوئے وہاں سے بھاگ نکلا۔ یوزی کا لفظ یہاں بطور اسم استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ کو اردو املا میں ڈھال کر لکھا گیا ہے۔ مستعاریت کے اس عمل میں عام طور پر اسم اور صفات کو زبان میں شامل کیا جاتا ہے۔

اس طرح کے الفاظ مزاج میں ڈھل کر اردو کے ذخیرے کو بھرتے چلے جاتے ہیں۔ یوزی کا لفظ اردو میں صحیح تلفظ میں استعمال کیا گیا ہے۔ اور یہ لفظ اردو میں بھی اسی معنوں میں استعمال ہوا جن معنوں میں انگریزی میں استعمال ہوتا ہے۔

اس اقتباس میں دوسرا استعمال ہونے والا لفظ "رگبار" ہے جو کہ فارسی زبان کا لفظ ہے۔ جو کہ فارسی میں بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ جب بارش میں تیزی آئے جسے ہم اردو میں بوچھاڑ کہتے ہیں۔ یا بہت سی گولیاں ایک ساتھ چلیں تو اس لفظ کے لیے فارسی میں رگبار کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وکی بیپڈیا اس لفظ کے معنی یوں بتاتا ہے۔

"Ragbar – Noun person word

Shower (of intense rain)

A large number of bullets shot at the same target"[58]

اس اقتباس میں بھی رگبار کا لفظ گولیوں کی بوچھاڑ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ لفظ فارسی سے اردو میں جوں کا توں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے املا، تلفظ اور صورت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی اور اسی مضمون میں استعمال کیا گیا۔ مستعاریت کے اس عمل ایک خوبصورت لفظ اردو کے ذخیرہ الفاظ میں شامل ہوا۔ یہ آنے والا وقت طے کرے گا کہ اس کا چلن عوام میں ہوتا ہے یا نہیں۔

ہر زندہ زبان کی طرح اردو کے ذخیرہ الفاظ میں بھی سیاسی، ثقافتی اور معاشرتی تبدیلیوں کے زیر اثر ردوبدل ہوتا رہتا ہے یہ درست ہے کہ اردو میں دخیل الفاظ کی کثرت ہے لیکن اس نے وہی الفاظ قبول کئے جو اس کے مزاج کے مطابق تھے یا جنہیں وہ اپنے مزاج میں ڈھال سکتی تھی۔ بہت سے الفاظ جو علما و فصحا نے اپنی کتب میں استعمال بھی کئے مگر ان کا چلن نہ ہو سکا۔ اس لیے ہر زمانے میں نت نئے الفاظ بنتے ہیں مگر ان میں سے چلن کم لفظوں کا ہی ہوتا ہے۔

"اوئے لعنتی ماميا تیرا اکھ نہ رہوے پِٹ سیاپا میرے کھاتے میں کیوں ڈالا۔۔۔۔۔؟

بدنامی دُھول سے اٹا میرا چھاٹا۔۔۔۔۔!"[59]

اس اقتباس میں نیا بننے والا لفظ "ماميا" ہے جو لفظ "مامے" کے ساتھ الف کا لاحقہ لگا کر بنایا گیا ہے۔ ماما ماں کے بھائی کو کہا جاتا ہے جو بطور اسم استعمال ہوتا ہے۔ الف کے لاحقہ کے حوالے سے تاریخی اردو لغت میں درج ہے کہ اگر الف لفظ کے آخر میں آئے تو ندا یا پکارنے کے لئے استعمال ہوتی ہے جیسے ساقیا، ناصحا اور پترا

وغیرہ۔ الف کا یہ لاحقہ ہمیں اردو زبان کے ساتھ ساتھ پنجابی، فارسی اور مرہٹی زبانوں میں بھی ملتا ہے۔ اور ان تمام زبانوں میں بطور حرف ندا مستعمل ہے۔ اس کا حوالہ پیچھے دیا جا چکا ہے اس طرح ماما یا اسم فاعل ہے۔ اور مامے کو پکارنے کے لئے بے تکلفی کی زبان میں ماما کہا گیا ہے۔ یہ توسیع زبان کی ایک صورت ہے کیونکہ یہ لفظ پنجابی سے اردو میں آیا ہے تو یہ مستعاریت کی صورت اردو میں داخل ہوا۔

"اور دادی نے پیار سے اوپر تلے کئی بار اس کے سر کو تھپکا تو۔۔۔۔۔؟
تو انو مرلی فوراً ہنس دیا۔۔۔۔!
میری دادی کا تو تم نے سارا پیار اسمیٹ لیا مگر۔۔۔۔۔؟
مگر یہ مت سمجھنا کہ میں اک بالک ہوں اور گھر آئے محترم کو دینے کے لئے میرے
پاس کچھ نہیں۔۔۔۔!
لیکن میرے پاس بہت کچھ ہے فی الحال تو۔۔۔۔؟
میرے پاس تم تینوں کی اک امانت ہے۔۔۔۔؟"[60]

اس اقتباس میں استعمال ہونے والا لفظ "بالک" ہے اس کے معنی چھوٹا شیر خوار بچہ کے ہیں۔ سنسکرت زبان کا لفظ ہے اور اردو میں بطور اسم مستعمل ہے۔ سمیع آہو جا نے اس لفظ کا استعمال اسی معنوں میں کیا ہے۔ کہ مجھے اب کوئی چھوٹا بچہ نہ سمجھے۔ اردو میں ہندی اور سنسکرت کے الفاظ کم برتے جا رہے ہیں۔ ہماری نانیاں اور دادیاں اس لفظ کو استعمال کرتی تھیں۔ مگر نئے آنے والے بچے اس لفظ سے ناواقف دکھائی دیتے ہیں۔ جب کوئی لفظ کسی موڑ پر آکر کم بولے جانے لگے تو سمجھو وہ متروک ہونے کی طرف جا رہا ہے۔ اردو زبان میں انگریزی اور علاقائی زبانوں کے لفظوں کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ اور ہندی اور سنسکرت کے لفظوں کا چلن کم ہوتا جا رہا ہے "جرید" کا شمارہ (25) میں متروک الفاظ کے بارے میں یوں درج ہے۔

"متروک الفاظ متروک ہوتے اور مر جاتے ہیں، نئے لفظ گھستے چلے آتے ہیں۔ لفظ کو موت اچانک نہیں آتی، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتا ہے کوئی شخص کسی لفظ کی موت کی صحیح تاریخ اور وقت نہیں بتا سکتا۔ ہمارے لفظ یعنی وہ لفظ جو ہم بولتے یا استعمال کرتے ہیں متروک نہیں ہوتے۔"[61]

اخذ و ترک کا عمل دنیا کی تمام زبانوں میں ہوتا ہے بعض اوقات بہت سے ترک شدہ الفاظ دوبارہ زندہ ہو جاتے ہیں۔ بالک، لوگائی اور اس طرح کے الفاظ ابھی متروک نہیں ہوئے مگر اس کے بولنے والے کم ہوتے

جارہے ہیں یا یہ کم مستعمل ہیں اور متروک ہونے کی دہلیز پر ہے ان الفاظ کو اپنے افسانوں میں استعمال کر کے ان کر مرنے سے بچانے کی ایک کوشش ہے۔

"گلیوں بازاروں کے ناکوں پر لشکری پہرے لگے۔۔۔ قانون بنانے والوں کو اسی قانون کی طاقت سے وہ ڈسپلن دینے لگے۔۔۔ اور ہم اس بوجھ تلے اس ڈسپلن کو سویکار کرے پر خوش بھی اور دہشت زدہ بھی۔۔۔ اور بے ساختہ زیر لب گنتی کرتے سورج کا تنا چھاتا سر سے اتر گیا، مگر حکم نامے کی ساری شقوں کی پوری گنتی نہ ہو سکی"[62]

اس اقتباس میں مستعار لیا ہوا لفظ "سویکار" ہندی زبان کا لفظ ہے جو ہندی میں سنسکرت سے آیا ہے۔ ہندی زبان کے زیادہ تر الفاظ سنسکرت سے لیے گئے ہیں۔ سوئیکار کا لفظ اردو زبان میں دو طرح سے لکھا جاتا ہے۔ سویکار یا سوئیکار اس لفظ کی املا، شکل وصورت، ساخت وغیرہ وہی نہیں ہے کیونکہ ہندی کا رسم الخط اردو سے مختلف ہے۔ ہندی دیوناگری میں لکھی جاتی ہے اور اردو نستعلیق میں۔ اس لیے اس لفظ کو ہندی سے اردو رسم الخط میں لایا گیا ہے یعنی اسے اردو کا پیراہن پہنایا گیا ہے۔ پڑھنے میں یعنی تلفظ دونوں کا ایک ہے اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں۔

"اردو زبان ہندی الاصل ہے اسی لیے اردو جملے کی ساخت اور کینڈا بھی ہندوی ہے اس کے ضمائر او افعال بھی سب ہندوی ہیں اور ذخیرہ الفاظ، محاورات اور کہاوتوں کی غالب اکثریت بھی ہندوی ہے"[63]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اردو زبان کی اصل ہندی قرار دیا جو کہ ایک درست بات اور حقیقت بھی ہے۔ اس اقتباس میں سمیع آہو جا ہندی زبان کے الفاظ کو مستعار لے کر اردوایا ہے۔ سوئیکار کا لفظ اردو میں بطور اسم مستعمل ہے۔ اس کے معنی منظور کرنا، قبول کرنا اور مان لینا کے ہیں۔ ہندی سے اردو میں اسی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ سنسکرت برہمنوں کی زبان ہے۔ کسی بھی زبان کا تعلق کسی مذہب کے ساتھ نہیں جڑا ہوتا۔ زندہ قومیں اپنے زور عمل سے ہر چیز حتیٰ کہ غیر زبان کو بھی مسخر کر لیتی ہیں۔ تہذیبی و ثقافتی اعتبار سے اردو اور ہندی ایک ہی ماحول میں پلی بڑھی ہیں۔ اس لیے دونوں زبانوں پر ایک دوسرے کے اثرات آسانی سے دیکھے جاسکتے ہیں۔ سوائے اس بات کے کہ ہندی پر سنسکرت کے اثرات زیادہ ہیں اور اردو پر عربی وفارسی کے۔

صفر الحاقیت لسانیات کا ایک اہم جز ہے اس کے تحت نت نئے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ صفر الحاقیت کا سب سے اہم رکن ہے جس میں لفظوں میں کوئی تغیر رونما نہیں ہوتی مگر اس میں لفظ کی معنوی اور قواعدی حوالے سے تبدیلی آتی ہے۔ اس طرح ایک ہی لفظ تبدیل ہوئے بغیر اسم، فعل اور صفت میں استعمال ہوتا ہے یہ عمل ہمیں ظفر اقبال اور سمیع آہو جا دونوں کے ہاں ملتا ہے۔

ظفر اقبال اور سمیع آہو جا دونوں کے ہاں مستعاریت کا عمل (جو کہ توسیع زبان کا اہم عمل ہے) کثیر تعداد میں ملتا ہے۔ اس حوالے سے اظہر غوری لکھتے ہیں۔

> "گو اردو زبان معرض وجود میں ہی اس لئے آئی تھی کہ یہ ہر خطے کے باسیوں کو شیر و شکر کر دے، لیکن ظفر اقبال نے قومی اور ملکی سطح پر علاقائی زبانوں اور لوگوں کو صوبائی سطح پر ایک دوسرے کے قریب لانے اور ماضی الضمیر جاننے کے لائق بنانے کا جتن کیا ہے۔ پاکستان کے پانچ صوبوں اور کشمیر کے باسی ایک دوسرے کی بولی سے ناواقف ہیں ، لہذا اردو ہی ان اہم وطنوں کے روز مرہ اور ثقافتی روابط کو موثر اور مستحکم بنا سکتی ہے۔"[64]

اظہر غوری کی اس بات سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ پاکستان کے پانچ صوبوں کے ساتھ ساتھ کشمیری، گجراتی کے الفاظ دانستہ اپنی شاعری میں استعمال کیے ہیں جس کا مقصد ہم وطنوں کے روز مرہ اور ثقافتی روابط کو بڑھایا جا سکے اردو زبان مختلف زبانوں کے الفاظ سے مل کر بنی ہے۔ اس میں انجذاب کی صلاحیت باقی زبانوں کی نسبت زیادہ ہے کہ انہوں نے جن الفاظ کو اردو میں شامل کرنے کی کوشش کی ہے ان الفاظ کے لیے پہلے سے اردو میں لفظ موجود ہیں۔ اس طرح ان کی یہ کوشش رائیگاں جاتی دکھائی دیتی ہے۔ ظفر اقبال کی شاعری مقامی زبانوں کے علاوہ انگریزی، فارسی، ہندی اور سنسکرت کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔

اس کے برعکس جب ہم سمیع آہو کی نثر کا جائزہ لیتے ہیں تو سمیع کے ہاں انگریزی الفاظ کی مستعاریت کا عمل بہت زیادہ ہے انگریزی کے الفاظ کو جوں کے توں اردوایا، اور بہت سے الفاظ کو اردو رسم الخط میں ڈھال کر لکھا گیا۔ اور انگریزی کے بہت سے الفاظ کو ہندی، فارسی اور عربی قواعد میں ڈھال کر استعمال کیا گیا۔ سمیع آہو جا کے ہاں نہ صرف علاقائی زبانوں کے الفاظ ملتے ہیں۔ بلکہ مختلف علاقوں میں بولی جانے والی بولیوں کے مختلف لہجے میں ملتے ہیں۔ اس کے ملکی زبانوں کے ساتھ ساتھ غیر ملکی زبانیں اور قدیم اوستائی زبانوں کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ بہت سی اصطلاحات کا استعمال ملتا ہے، مخففات، مختصرات اور آمیختہ کا عمل ملتا ہے۔

ہر زبان کے مخصوص صرفی و نحوی قواعد ہوتے ہیں اس سے مل کر ہی اس زبان کی لسانی ساخت بنتی ہے اس ساخت میں الفاظ تعمیری حیثیت رکھتے ہیں۔ اس ذخیرے میں صرف وہ الفاظ ہی راہ پاتے ہیں جو عموماً اسما و صفات پر مشتمل ہوتے ہیں مستعاریت کے عمل میں ہمیں سمیع آہو جا اور ظفر اقبال دونوں کے ہاں اسما و صفات پائی گئیں، یہ اسما و صفات زبان کو نقصان پہنچائے بغیر لفظی خزانے کو بھرتی جاتی ہیں مستعاریت تاریخ کے ہر دور میں اہم رہی ہے کوئی بھی قوم یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ ان کی تہذیبی اور ثقافتی ترقی میں کسی دوسری قوم کا کوئی عمل دخل نہیں اردو بھی دیگر زبانوں کی طرح مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے۔ اگر ان الفاظ کو ترک کرنا مناسب نہیں کیوں کہ وہ زبان میں گھل مل چکے ہیں ان کو ترک کرنے سے زبان کو ہی نقصان پہنچ سکتی ہیں۔ سمیع آہو جا کے مستعار لیے لفظ ظفر اقبال کے مستعار لیے لفظوں سے زیادہ بہتر نظر آتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے لفظوں کو اردو قواعد میں ڈھال کر استعمال کیا ہے۔

سمیع آہو جا کے لسانی تجربات نہ تو لسانی آفاقیت کی بنیاد رکھنے کے لیے ہیں اور نہ ہی فیشن کے طور پر وہ تو اپنے مشاہدے کے بل بوتے پر لفظوں کو کاغذ پر منتقل کرنے کا جتن کرتے ہیں ان کی زبان از خود استعارہ بن جاتی ہے۔ زبان کو اس وسعت کو کام میں لینا لسانی تشکیلات کا ایک عمل ہے۔ جس کو سمیع آہو جا نے بے حد خوبصورتی سے سرانجام دیا ہے۔

نئے تصورات اور نئے نظریات اپنے ساتھ نئے نام بھی لاتے ہیں کبھی کبھی ان اصطلاحات کے ترجمے کر لیے جاتے ہیں۔ اور زیادہ تر ان اصطلاحات کو جوں کا توں برت لیا جاتا ہے۔ انگریزی نے بھی اصطلاحات کے سلسلے میں یونانی اور لاطینی سے مرکبات اخذ کیے اور اسی طرح اردو نے یہ کام عربی و فارسی کے ذریعے کیا مگر جدید چلن کے مطابق آج کل اصطلاحات کے ترجمے کا کام نہیں ہو رہا دنیا کے گلوبل ویلیج بننے سے اردو میں انگریزی اصطلاحات کا جوں کا توں استعمال زیاد ہو رہا ہے یہی وجہ ہے کہ ظفر اقبال اور سمیع آہو جا دونوں نے انگریزی کی اصطلاحات کو اردو رسم الخط میں ڈھال کر اپنے متن میں پیش کیا ہے۔

سمیع آہو جا کے افسانوں میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ وہ جیسا بولتے ہیں لفظ کو ویسا ہی لکھتے ہیں پشاور کو پیشاور لکھتے ہیں۔ اس ضمن میں شمس الرحمن فاروقی کے بقول اس عمل سے اردو میں معیاری اور غیر معیاری الفاظ برت جا رہے ہیں۔ اور دلیل یہ دی جا رہی ہے کہ جیسا بولیں گے ویسا لکھیں گے اس عمل سے ادبی اور عوامی زبان کا فرق مٹ جائے گا اور اردو جو تہذیب و شائستگی کی زبان ہے۔ اس کا فرق ختم ہو جائے گا۔

توسیع زبان اور صفر الحاقیت کا عمل ہمیں نثر اور شاعری دونوں جگہ ملتا ہے۔ یعنی ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کے ہاں دانستہ و نادانستہ دونوں طرح کا عمل ملتا ہے۔ اردو میں زبان پر کام کرنے والے افراد گنتی میں ہے اس لئے اس عمل کو سراہے جانا چاہیے جیسے لسانی تشکیلات والوں نے شروع کیا اس کا اثر ہمیں ظفر اقبال اور سمیع آہو جا دونوں کے ہاں نظر آتا ہے۔

حوالہ جات

1.Rochelle Liber Introducing Morphology, Cambridge University press, Uk, 2009, pg 49

2۔ خلیل صدیقی زبان کیا ہے، بیکن بکس، ملتان، 2019، ص 69

3.Rochelle Liber Introducing Morphology, , pg 51

4.Quirk, A Comprehensive Grammer of he English language, longman Group Limited, USA, 1985,P 1581

5۔ شمس الرحمٰن فاروقی، لغات روزمرہ، طبع چہارم، مدینہ سٹی مال، کراچی، 2012ء، ص 297

6۔ علی رفاد فتیحی، اردو لسانیات: نظریاتی مباحث، بھٹو پرنٹنگ پریس، لاہور، 2022، ص 177

7۔ عصمت جاوید، ڈاکٹر، اردو پر فارسی کے لسانی اثرات، اساق پبلیکیشنز، مہاراشٹر، 1987، ص 41

8۔ گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1985، ص 360

9۔ احمد دین، سرگزشت الفاظ، عالمگیر پریس، لاہور، 1932، ص 180-192

https://www.urdulinks.com/urj/?p=2504.10

11۔ منیبہ زہرا، ظفر اقبال کی شاعری میں لسانی تجربات کا تحقیقی مطالعہ، مثال پبلیشرز، فیصل آباد، 2017، ص 92-93

12۔ طارق ہاشمی، اردو غزل نئی تشکیل، بزم اردو لائبریری، انڈیا، س ن، ص 176

13۔ شمیم حنفی، ظفر اقبال، مضمون مشمولہ "انگارے"، ظفر اقبال نمبر، گل گشت کالونی، ملتان، طبع چہارم، 2006، ص 55

14, https://www.collinsdictionary.com//dictionary/english/brassiere 13.03.24, 2:35 P.M

۔15https://dictionary.cambridge.org/dictionary/english/load load13.03.24, 4,17 P.M

16http://g.co/kgs/gcXz7Km 15-03-2014, 4:06 PM

۔17https://g.co/Kgs/aLsQXRT 15-03-24, 4:23 P.M

18۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو میں دخیل اور دخیل نما الفاظ، جامعہ کراچی دار التحقیق برائے علم و دانش، کراچی، س ندارد، ص 4

18۔ عصمت جاوید، ڈاکٹر، اردو پر فارسی کے لسانی اثرات، ص 231"

19۔ شان الحق حقی، لسانی مسائل و لطائف، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1996، ص 55

20۔ سہیل بخاری، ڈاکٹر، لسانی مقالات (حصہ سوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ص 22

21۔ ابو للیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد (حصہ صرف)، طبع سوم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2012ء، ص 52

22۔ نذیر احمد ملک، پروفیسر، کشمیری سرمایہ الفاظ کے سرچشمے، پیش لفظ، حامدی کشمیری، انڈین پرنٹنگ پریس، سری نگر، 1993، ص، 8

23۔ https://www.rekhtadictionary.com/meaning-of-zinhaar?lang=ur
19.03.24 12:17 AM

24۔ عصمت جاوید، ڈاکٹر، اردو پر فارسی کے لسانی اثرات، ص 23

25۔ سردار محمد خان، پنجابی اردو ڈکشنری، جلد اول، سجل سٹوڈیوز، پاکستان پنجابی بورڈ، لاہور، 2009، ص 536

26۔ سمیع آہو جا، متن گمشدہ، سانجھ پبلیکیشنز، لاہور، 2019ء، ص 42

27 https://www.rekhtadictionary.com//meaning-of-kulcha?long=ur
12.02.2024, 10:12 P.M

28۔ عابد سیال، اردو غزل (چند زاویے)، عکس پبلیکیشنز، لاہور، 2018، ص 19-18

29۔ سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، سانجھ پبلیکیشنز، لاہور، 2014، ص 687

30۔ ظفر اقبال، جدید اردو غزل اور نئی شعریات کی ضرورت، شب خون، الہ آباد، شمارہ نمبر 192، مارچ، 1994، ص، 8

31۔ سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص 661

32۔ ایضاً، ص 662

33۔ عصمت جاوید، ڈاکٹر، اردو پر فارسی کے لسانی اثرات، ص 95

34۔ سمیع آہو جا، متن گمشدہ، ص 42

35۔ ایضاً، ص 67

36۔ سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص 485

37- http://www.oxfordlearnerdictionaries.com/definition/American-english/suggestive 22-03-24, 11:45 P.M

38- سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص479

39- جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ، ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2006، ص528

40- سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص152

41- https://www.rekhtadictionary.com/meaning-of-tapak-1?lang=ur 23-03-24, 4:35 P.M

42- سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص732

43- سمیع آہوجا، متن گمشدہ، ص10

44- Mess meaning https://g.co/kgs/BBZESNd 21-03-24, 9:07 A.M

45- محمد بن عمر، اردو میں یورپی الفاظ کا لسانیاتی مطالعہ، کتب خانہ عابد روڈ، حیدر آباد دکن، 1955، ص10

46- Line meaning https://g.co/kgs/Li33khd 21-03-24, 10:04 A.M

47. Shade meaning https://g.co/kgs/49Km2uk 21-03-24, 10:15 P.M

48- سمیع آہوجا، متن گمشدہ، ص82

49- https://dictionary.cambridge.org/dictionary/English/cherry 22-03-24, 4:01 P.M

50- سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص686

51- شمس الرحمن فاروقی، لغات روزمرہ، ص18

52- سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص178

53- سمیع آہوجا، متن گمشدہ، ص46

54- ایضاً، ص64

55- ایضاً، ص144

56- ایضاً، ص108

57- https://en.wikitionary.org/wiki 22-03-2024, 3:38 P.M

58- سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، ص478

59۔ سمیع آہو جا، متن گمشدہ، ص39

60۔ جریدہ شمار نمبر25والیم10، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، جامعہ کراچی، 2004، ص11

61۔ سمیع آہو جا، ننانوے کے پھیر میں، ص358

62۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اوردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2006، ص528

63۔ ظفر اقبال، اب تک، جلد چہارم، عرض ناشر، اظہر غوری، ملٹی میڈیا افیئر، لاہور2012، ص3158

باب چہارم

لفظی اشتقاق بطور توسیع زبان: ردو قبولیت کے امکانات کی صورتیں

بولیاں جب زبانیں بن جاتی ہیں تو انہیں تحریری شکل میں لایا جاتا ہے بولنے والوں کا پھیلاؤ وسعتیں لاتا ہے۔ ضروریات زندگی میں مختلف اختراعات اور استعمالات کی وجہ بن جایا کرتی ہیں۔ رسم و رواج میں تبدیلیاں، نئے نئے انداز فکر اور سوجھ بوجھ تخلیق کے نئے سانچے پیدا کرتی ہیں۔ ادبی تخلیقی سرگرمیاں نئے پیرائے اور نئے سلیقے پیش کرتی ہیں اس کے ساتھ ساتھ شعبہ ہائے زندگی میں ہونے والی ترقیاں اور ایجادات بھی اپنے سیاق وسباق کے ساتھ ادب کا حصہ بن جاتی ہیں اس طرح کے عملی وفنی وسماجی اور معاشرتی اختلاط کے نتیجے میں ذخیرہ الفاظ میں مسلسل اضافہ ہوتا رہتا ہے یہ اضافہ فطری ہوتا ہے جہاں نئے الفاظ کا اضافہ زبان میں ہوتا ہے۔ وہیں ترک ہونے کا عمل بھی ساتھ چلتا ہے نئے تصورات، نئے نظریات، نئے خیالات کی ترجمانی اور ان کی ترسیل کسی دریا کے بہاؤ کی طرح رواں دواں رہتی ہے اسی طرح نئے الفاظ کی قبولیت کے ساتھ ساتھ اس کے استرداد کا عمل بھی جاری وساری رہتا ہے۔ نئے الفاظ کب ادبی تخلیقات سے لغت کا حصہ بن جاتے ہیں یا بہت سے نئے الفاظ کتب میں رہ کر مر جاتے ہیں یا متروک ہو جاتے ہیں یا ان الفاظ کا چلن عوام میں نہیں ہوتا یا کوئی لفظ کس بنیاد پر لغت میں شامل ہوتا ہے۔ وہ کون سی وجوہات ہوتی ہیں جن کی بنا پر لفظ کو لغت میں شامل ہونے کی قبولیت ملتی ہے۔ لغت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جس وقت شائع ہوتی ہے اسی وقت وہ پرانی ہو جاتی ہے اسی طرح ایک اور سوال قبولیت کے زمرے میں جنم لیتا ہے کہ جو لفظ عوام بناتی ہے۔ ان الفاظ کو قبولیت کا درجہ کب ملتا ہے۔ سلینگ (slang) لفظ کب تخلیقیت کے درجے پر فائز ہوتا ہے یا اگر عوام کسی لفظ کو رد کر دیتی ہے تو اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں۔ کسی بھی لفظ کی قبولیت اور استرداد کی کیا وجوہات ہیں یہ وہ تمام سوالات ہیں جن کے وجوہات ڈھونڈنے کی کوشش اس باب میں کریں گے۔

الف۔ نئے الفاظ میں قبولیت کے امکانات کی صورتیں

نئے الفاظ کے بننے کا عمل دانستہ اور غیر دانستہ دونوں سے ہوتا ہے۔ دانستہ عمل سے مراد وہ عمل ہے کہ ضرورت کے تحت لفظ کو اپنی زبان میں شامل کیا جائے یا اس کو بنایا جائے کتب میں شامل ہونے والے الفاظ دونوں طرح سے بنائے جاتے ہیں۔ یہ فطری عمل ہے اور نہیں بھی۔ الفاظ جس عمل کے ذریعے بنتے اور قبول

کئے جاتے ہیں وہ بولنے والوں کی جانب سے قبولیت اور حتمی اشاعت کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ ایک بار جب کوئی لفظ بن جاتا ہے تو بولنے والے کی طرف سے بولی اور تحریری ابلاغ میں اس کا استعمال اس کی مقبولیت اور مقبولیت کا تعین کرتا ہے سماجی عوامل مثلاً ثقافت۔ ٹیکنالوجی، رجحانات اور بول چال کی ضروریات الفاظ کی قبولیت کو متاثر کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ٹیکنالوجی کے عروج نے لفظ "سیلفی" اور "ایموجی" جیسے الفاظ کو عام استعمال میں متعارف کرایا ہے جب کوئی لفظ عوام میں مقبول ہو جاتا ہے تو پھر اسے لغات انسائیکلوپیڈیا، اسٹائل گائیڈز اور دیگر شائع شدہ کاموں میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ لغت نگار، ماہر لسانیات اور زبان کے ماہرین مختلف سیاق و سباق میں الفاظ کے استعمال کی نگرانی کرتے ہیں۔ تاکہ یہ طے کیا جاسکے کہ اشاعتوں میں کن الفاظ کا استعمال کیا جاسکے جیسے جیسے استعمال کی تعداد، وسیع پیمانے پر لفظ کی قبولیت اور وقت کے ساتھ استحکام کا پیدا ہونا اس بات پر اثر کرتا ہے کہ لفظ کو لغت کا حصہ بنا دیا جائے بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں جو وقتی طور پر مقبول ہوتے ہیں لیکن پھر عوام جلد ان کو بھول جاتی ہے۔ ایسے الفاظ ہنگامی الفاظ کہلاتے ہیں جو نئے الفاظ روایت کا حصہ بن جاتے ہیں وہی الفاظ آنے والے وقتوں میں استعمال کیے جاتے ہیں کیونکہ جب تک کوئی لفظ عوام استعمال کرتی رہے گی اس کا وجود برقرار رہے گا زبان فطری طور پر متحرک رہتی ہے بولنے اور لکھنے والے اپنی ضروریات کے مطابق ڈھالتے رہتے ہیں اور موثر طریقے سے بول چال میں استعمال کرتے ہیں کوئی نیا لفظ بڑے پیمانے پر استعمال ہوتا ہے اور عوام میں مقبول ہو جاتا ہے تو پھر وہ ادبی حلقے میں استعمال کیا جاتا ہے تو لفظ عوامی سطح سے اٹھ کر تخلیقی سطح پر استعمال ہوتا ہے تو پھر وہ آہستہ آہستہ زبان کے حصے کے طور پر قبول کر لیا جاتا ہے۔

شائع شدہ کاموں میں الفاظ کی قبولیت کی ثقافتی رجحانات، تکنیکی ترقی، عالمگیریت اور مختصر اور درست اظہار کی ضرورت جیسے عوامل سے بھی متاثر ہو سکتی ہے شائع شدہ کاموں میں نئے الفاظ کی قبولیت زبان کے متحرک ہونے کا ثبوت ہے یہ انسانی ابلاغ اور اظہار کی بدلتی ہوئی نوعیت کی عکاسی کرتی ہے مثلاً 2020 عالمی سطح پر آنے والی بیماری جسے کرونا کا نام دیا گیا۔ اس کے ساتھ بہت یہ نئے الفاظ ہمارے سامنے آئے، قرطینہ، کووڈ، کوویڈ، پینڈیمک، وغیرہ موبائل فون میں نت نئی ایپلیکشن اور سسٹم کے آنے سے جو نئے لفظ بنے ان میں ویب نار، سیلفی، ایموجی، انٹرنیٹ، وغیرہ یہ وہ لفظ تھے جو ضرورت کے تحت بنائے گئے اور ان کا استعمال وقفے وقفے سے میڈیا پر کیا گیا جس سے یہ الفاظ عوام کی ذہنوں میں رچ بس گئے اور ان کے حوالے سے ادبی سطح پر بہت سے ناول لکھے گئے شاعری کی گئی اور پھر ان الفاظ کو ڈکشنری میں شامل کر لیا گیا۔ شائع شدہ کاموں میں قبول ہونے

کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں تاہم پبلشرز اور ایڈیٹرز ان لسانی اختراعات کو قانونی حیثیت دینے اور پھیلانے میں بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔

نئے الفاظ کو بنانا اتنا مشکل امر نہیں جتنا اس کو عوام میں مقبول بنانا۔ مقبولیت کا یہ عمل ہمارے ہاتھ میں نہیں۔ ہمارے ہاں ناولوں، افسانوں اور شاعری میں بہت سے نئے الفاظ، محاورات اور روزمرہ کا استعمال ہوتا ہے ان الفاظ کو علما و فصحاء سراہتے بھی ہیں۔ مگر نہ ان الفاظ کو لغت میں شامل کیا گیا اور نہ انہیں عوامی مقبولیت ملی۔ ڈاکٹر نذیر احمد لکھتے ہیں۔

> "یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیئے کہ زبان ایک جمہوری ادارہ ہے اس میں انفرادی کو ششوں کی گنجائش بھی ہے اور اہمیت بھی لیکن جب تک ان کوششوں پر اکثریت اپنی مہر تصدیق ثبت نہیں کرتی، ان کا چلن نہیں ہو سکتا۔ ایک لفظ زبان زد عام ہو جاتا ہے تو وہ زبان کی لفظیات کا حصہ بن جاتا ہے چاہے یہ لفظ اختراعی کوششوں کا نتیجہ ہو، کسی زبان سے مستعار ہو، ترکیبی، تصریفی یا اشتقاقی اصولوں پر مبنی ہو یا توسیع لفظی یا تقلیل معنی سے بنا ہو۔"[1]

زبان میں اگر کسی لفظ کا چلن ہو جاتا ہے تو پھر اس کو زبان کا حصہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ وہ لفظ زبان کی لفظیات کا حصہ بن جاتا ہے۔ چاہے وہ کسی بھی طرح یا طریقے سے زبان میں شامل ہو، اور جن الفاظ کا چلن نہیں ہوتا وہ چاہے کسی بڑے ادیب کی کتاب ہو یا شاعر کی شاعری وہ اسی کتاب میں لکھے لکھے متروک ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ زبان ایک جمہوری ادارہ ہے اس میں انفرادی کوششوں کو سراہا جاسکتا ہے مگر اس کا چلن ان کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔

لغات (Dictionaries)

نئے الفاظ جب عوام میں یا ادبی و تخلیقی سطح پر بنتے ہیں اور عوام میں ان کا چلن بھی ہو جاتا ہے مگر ان کو لغت میں شامل نہیں کیا جاتا ہے اگر لغت میں نئے الفاظ کو قبول کرنے کے عمل میں الفاظ کو مختلف مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔

1- لغتیں، خاص طور پر وہ جو نئے بننے والے الفاظ کے عمل پر غور و حوض کرتی ہیں۔ وہ مختلف ذرائع جیسے ادب، میڈیا، علمی اشاعتیں اور روزمرہ کی گفتگو میں زبان کے استعمال کی مسلسل نگرانی کرتے ہیں اور مشاہدہ کرتے ہیں کہ ایک لفظ کتنی کثرت سے اور کن سیاق و سباق سے استعمال ہو رہا ہے۔

2- ایک بار جب کسی لفظ کے مسلسل اور وسیع پیمانے پر استعمال ہونے کے طور پر شناخت ہو جائے تو لغت نگار اس کے استعمال کی نگرانی کرتے ہیں اور پھر اس لفظ کے حوالے سے معلومات کو اکٹھا کیا جاتا ہے تا کہ اس کے معنی، گرامر کے استعمال اور ہجے یا تلفظ میں آنے والی تبدیلیوں کو جانچا اور پرکھا جائے۔

3- لغت نگار جمع شدہ مثالوں کا تجزیہ کرتے ہیں تا کہ لفظ کے معنی اور اس کی قواعدی حیثیت کا تعین کیا جا سکے اور لفظ کے معنی اور اس کی قواعدی حیثیت کا تعین کیا جا سکے اور لفظ کی وضاحت میں درستی کو یقینی بنانے کے لئے لسانی ماہرین سے مشورہ کرتے ہیں۔

4- نئے الفاظ کے لیے، خاص طور پر وہ الفاظ جو موجود الفاظ سے اخذ کیے گئے ہیں لغت نگار ان کی اصل اور عمل اشتقاق کے حوالے سے جانچ پڑتال کرتا ہے۔

5- نئے الفاظ لغت میں شامل ہونے سے پہلے ماہرین کے درمیان اتفاق رائے کا ہونا ضروری ہے۔

6- ایک بار جب کوئی نیا لفظ ضروری معیار پر پورا اتر جاتا ہے تو اسے دستاویزی شکل دے دی جاتی ہے اور اسے لغت کے تازہ ترین ایڈیشن میں شامل کر لیا جاتا ہے۔

7- بالآخر عوام کی طرف سے نئے لفظ کی قبولیت ایک اہم عصر ہے جو عام طور پر روز مرہ کی بول چال میں استعمال ہوتا ہے اس کا لغات میں شامل ہونے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

8- لغتیں جامد نہیں ہوتیں وہ وقت کے ساتھ زبان میں ہونے والی تبدیلیوں کی عکاسی کرتی ہیں۔ نئے ایڈیشن، نئے قبول شدہ الفاظ کو شامل کرنے، متروک الفاظ کو ہٹانے اور موجودہ اندراجات کو اپ ڈیٹ کرنے کے لیے باقاعدگی سے شائع کی جاتیں ہیں تا کہ استعمال اور معنی میں آنے والی تبدیلیوں کو ظاہر کیا جاسکتے۔

خلیل صدیقی اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> "چوں کہ زبان جامد نہیں ہوتی اس میں تغیرات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ بہت سے الفاظ اور محاورے متروک ہو جاتے ہیں نئے جنم لے لیتے ہیں معانی بھی تبدیل ہو سکتے ہیں اس لیے لغت پر نظر ثانی بھی لازمی ہوتی ہے۔ اور وقتاً فوقتاً اس میں اضافے ضروری ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کسی لغت کو حتمی اور قطعی قرار دینا مناسب نہیں جس وقت وہ وجود میں آتی ہے اس میں وہ دقیع اور مستند ہوتی ہے اگر نظر ثانی نہ ہوتی رہے تو مستند نہیں رہ جاتی۔"۔[2]

لغات میں نئے الفاظ کو قبول کرنے کا عمل ایک متحرک اور جاری و ساری رہنے والا عمل ہے۔ جو زبان کے استعمال ثقافتی تبدیلیوں اور لسانی اصولوں کے ارتقا کے باعث ہوتا ہے لغات زبان کے ذخیرے کے طور پر کام کرتی ہیں۔ جو بول چال میں آنے والی تبدیلیوں کی نوعیت کی عکاسی کرتی ہے۔ نئے الفاظ لغت میں شامل کرنے کے ذریعے قانونی حیثیت اور قبولیت حاصل کرتے ہیں۔ اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ نسل در نسل کیمو نیکیشن کے تحفظ اور تفہیم کو یقینی بنایا جاسکے۔ لغت میں نئے لفظ کا اندراج لفظ کو صحیح طریقے سے سمجھنے اور استعمال کرنے کے لئے ایک حوالہ فراہم کرتا ہے۔

علمی مقالہ جات(academic papers)

علمی مقالوں میں نئے الفاظ کی قبولیت کو زبان کی ارتقاعی نوعیت اور نئے ابھرتے ہوئے تصورات، ٹیکنالوجی اور مظاہر کو درست طریقے سے بیان کرنے کی ضرورت سے منسوب کیا جاسکتا ہے۔ جب کوئی نیا لفظ کسی خاص شعبے میں وسیع پیمانے پر استعمال کیا جاتا ہے تو اسکالرز کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اسے اپنی تحریر میں استعمال کریں۔ تاکہ خیالات اور نتائج کو موثر طریقے سے پیش کیا جاسکے مزید براں، علمی مقالے اکثر عصری زبان کے استعمال کی عکاسی کرتے ہیں۔ جس سے لسانی رجحانات اور اختراعات کے استعمال کی اجازت ملتی ہے لہذا علمی مقالوں میں نئے الفاظ کی قبولیت زبان کے ارتقائی حالت کو ظاہر کرتی ہے۔

نئے لفظ کا کثرت سے استعمال (frequent use)

تقریر اور تحریر دنوں میں نئے لفظ کا کثرت سے استعمال زبان میں اس کی قبولیت میں اہم کردار ادا کرتا ہے جب لوگوں کے سامنے بار بار کسی لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے چاہے وہ گفتگو میں ہو یا تحریری تحریروں میں ان کی اس لفظ سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ یہ واقفیت لفظ کے معنی اور استعمال کی زیادہ سمجھ کا باعث بنتی ہے جس سے لوگوں کے لئے اسے اپنے الفاظ میں شامل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ مزید براں، ایک نئے لفظ کا وسیع پیمانے پر استعمال زبان کی معاشرے میں ان کی مطابقت اور افادیت کو ظاہر کرتا ہے اگر کسی لفظ کو مقررین اور مصنفین مختلف سیاق و سباق میں بار بار یا مستقل طور پر استعمال کرتے ہیں تو یہ اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ یہ جس تصور کی نمائندگی کرتا ہے وہ اہم اور لسانی اظہار کے لائق ہے ایک نئے لفظ کا روز مرہ کی زبان میں انضمام کی عکاسی کرتا ہے ایسے نئے الفاظ مصنفین اور پبلشرز کے لیے زیادہ پر کشش ہوتے ہیں اور لغت میں موجود خلا کو پر کرتے ہیں وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب ان الفاظ کا استعمال بڑھتا چلا جاتا ہے تو یہ لسانی منظر نامے میں ضم ہو جاتا ہے اور آہستہ آہستہ ایک نیا پن کے طور پر اپنی حیثیت کو ختم کر دیتا ہے اور اس کے بجائے زبان

کا کا ایک تسلیم شدہ اور قبول شدہ حصہ بن جاتا ہے اور آخر کار اس کی قبولیت اور لغت میں انضمام آسان ہو جاتا ہے۔

میڈیا(Media)

لفظ کی قبولیت اس لفظ کے مسلسل استعمال سے ہوتی ہے لفظ کی مقبولیت میں ڈراموں، فلموں اور ریلز (reels) میں الفاظ کا مسلسل استعمال عوام میں مقبول بناتے ہیں۔ بار بار دیکھنے اور بننے عمل سے لوگ اس لفظ کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ اس لیے لفظ کی مقبولیت میں میڈیا کا کردار انتہائی اہم ہے آج ہم انفارمیشن ٹیکنالوجی اور ذرائع مواصلات کے ذریعے تبدیل ہوتے انسانی معاشرے میں رہ رہے ہیں۔ جس سے نہ صرف انفرادی سطح پر بلکہ اجتماعی طور پر بھی زندگی کو بے حد متاثر کیا ہے۔ ہم جس سوسائٹی میں رہ رہے ہیں وہ پوری طرح انفارمیشن سوسائٹی بن کر رہ گیا ہے۔ کمپیوٹو اور انٹرنیٹ کی مدد سے دنیا بھر کی خبریں لمحوں میں دستیاب ہو جاتی ہیں اس تیز رفتار زندگی نے سوچ و فکر کے نئے زاویے سامنے آئے اور دنیا عالمی گاؤں یا گلوبل ویلیج میں تبدیل ہو گئی۔ انٹرنیٹ کے توسط سے جہاں انسان کو آسانیاں میسر آئیں وہیں دوریاں بھی سمٹ گئیں اس کے ساتھ ساتھ نسل، ذات پات اور مذہب کی عصبیت کا انٹرنیٹ کی دنیا سے کوئی تعلق نہیں اس نظام سے فائدہ ہر ملک، ہر نسل اور ہر ذات سے بالاتر ہو کر استفادہ کر رہے ہیں تیزی سے بے شمار آسانیاں میسر کرنے والا یہ وہ نظام بن چکا ہے جس کے بغیر زندگی یقینی طور پر دشوار ہو جائے گی۔

انٹرنیٹ کے اس دور میں انگریزی زبان کے بغیر دو جملے بولنا مشکل ہے۔ در حقیقت انگریزی زبان میں موجودہ دور میں دنیا کی غالب زبان کی حیثیت سے ہمارے ہاں پائی جاتی ہے میڈیا میں انگریزی کا استعمال دن بدن بڑھتا جا رہا ہے انگریزی نہ صرف سائنس اور ٹیکنالوجی کی زبان ہے۔ بہت سی سائنسی اصطلاحات اور عملی تصورات کا اظہار ہمیں صرف انگریزی میں ملتے ہیں اس وجہ سے نہ صرف اردو اور دوسری زبانوں نے انگریزی کے جملوں اور الفاظ کو اپنایا ہے بلکہ بہت سے ممالک، پاکستان سمیت نے عالمی اہمیت کے پیش نظر اپنے تعلیمی نظام میں دوسری زبان کے طور پر شامل کر لیا ہے۔ جب نئی نسل انگریزی اور اردو دونوں زبانوں کو پڑھتی ہے تو دونوں زبانوں کے الفاظ اپنی بول چال کی زبان میں استعمال کرتی ہے۔ اس لیے اردو میں انگریزی زبان کے بہت سے الفاظ اردو میں شامل ہو رہے ہیں۔

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز پر استعمال ہونے والی زبان سے اردو زبان پر منفی اثرات پڑ رہے سوشل میڈیا کی زبان نہ صرف عوامی بلکہ ادبی حلقوں میں بھی ان الفاظ کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ مخففات کا استعمال

دن بدن بڑھ رہا ہے ایموجیز کا استعمال معمول بن چکا ہے۔ گفتگو کا یہ غیر رسمی طریقہ اب تحقیقی مقالوں کا بھی حصہ بن چکا ہے۔ واٹس ایپ، انسٹا گرام، اسنیپ چیٹ، فیس بک اور ٹویٹر جیسے متعدد سوشل میڈیا پلیٹ پر بات کرتے ہوئے اور اسٹیٹس لگاتے وقت لوگ تلفظ، املا اور ہجوں کا دھیان نہیں رکھتے گرامر کی بے شمار غلطیاں ملتی ہیں بڑے بڑے شاعر غالب اور اقبال جیسے کو بھی لوگوں نے نہیں بخشا ان کے ناموں سے دوسرے شاعروں کے کلام انٹرنیٹ پر موجود ہیں۔ عام بول چال میں سلینگ (slang) کے استعمال کے رجحان کا اضافہ ہوا۔ معیاری بول چال کا دھیان نہیں رکھا جاتا ہیش ٹیگز کے استعمال نے طلبا کی سوچ کو محدود کر دیا ہے اپنے خیالات کو درست طریقے سے بیان کرنے کی بجائے ہیش ٹیگز کا محض ایک لفظ لکھ رہے ہیں سوشل میڈیا کوئی حقیقی زندگی نہیں یہاں پر کوئی لفظ بھی جب شوشل ٹرینڈ بن جاتا ہے تمام اشخاص اسے استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں سوشل میڈیا کے ذریعے نئے الفاظ کی مقبولیت کا یہ ایک نیا طریقہ ہے۔

گلوبلائزیشن (Globalization)

گلوبلائزیشن کی بدولت جہاں دنیا میں آنے والی معاشی سماجی اور ثقافتی تبدیلیاں زبان پر اثر انداز ہوتی ہیں جیسے جاپان سے سوشی اور دوسرے ممالک میں پائے جانے والے پھل (Avocado) اور بروکلی وغیرہ اب پوری دنیا میں ملنے لگے۔ نئے نئے اسم سے واقفیت بھی گلوبلائزیشن کی ایک شکل ہے نہ صرف ہم دوسرے ممالک کی ثقافت اور رسم ورواج کو اپناتے جارہے ہیں وہیں ہمارا اپنا کلچر اور زبان نسل کشی کی طرف جارہے ہیں وہیں گلوبلائزیشن کی بدولت انگریزی زبان لنگوا فرانکا بن گئی ہے۔ اس کے ذریعے ہی ایک دوسرے سے رابطے کی رفتار میں اضافہ ہوا ہے۔ میڈیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی میں ہونے والی ترقی نے دور دراز علاقوں کو قریب لانے میں اہم کردار ادا کر رہے ہیں۔ دنیا گلوبل ویلیج کی صورت اختیار کر رہی ہے دنیا کی آبادی کا ایک بڑا حصہ نئے بین الاقوامی رجحانات، مسائل تجزیات اور علوم سے استفادہ حاصل کر رہا ہے۔ کسان اور آجروں کی معاشی ترقی اور سرمایہ کاری کے نئے نئے مواقع حاصل ہو رہے ہیں۔ گلوبلائزیشن نے مجموعی طور پر انسانی زندگی کے کم وبیش سبھی شعبوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی ہے۔ میدیا اور انفارمیشن ٹیکنالوجی سے معلومات کی ترسیل میں تیز رفتاری آئی ہے۔ پس ماندہ ممالک کے عوام بین الاقوامی رجحانات اور جدید ترین تحقیقات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں بیرونی سرمایہ کاری سے روزگار میں اضافہ ہوا ہے۔ آن لائن گھر بیٹھے لوگ انٹرنیشنل اداروں کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ غیر ملکی تجارت میں اضافہ ہوا ہے۔ صارف دوست کلچر وجود میں آیا ہے۔ مختلف ثقافتیں ایک دوسرے سے متعارف ہوئی تعلیم عام ہوئی۔

گلوبلائزیشن نے زندگی کے ہر شعبے کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اب زبان اور ادب کے لیے الگ تھلگ رہ کر اپنا وجود قائم رکھنا ممکن نہیں جب زندگی یا معاشرہ کسی شے، عمل، انداز طریق کار یا نظریے سے متاثر ہوتا ہے۔ تو لا محالہ ادب اور زبان بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔ گلوبلائزیشن کے زیر اثر دنیا میں رابطے اور علمی و ادبی ترسیل کی یکساں زبان کے فروغ کی کوششوں کے سلسلے میں اردو سمیت دنیا کی سب زبانیں متاثر ہوئی ہیں۔ اردو زبان میں انگریزی اور دیگر زبانوں نے نہ صرف ذخیرہ الفاظ میں اضافہ کر کے اس کا دامن وسیع ہی نہیں کیا بلکہ زبان کی صرفی اور نحوی ترکیب کو بھی متاثر کیا ہے۔ اردو زبان کی گرامر میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے نئے افعال اختراع کئے۔ مخلوط زبان اردو پر گلوبلائزیشن کے اثرات کی مرہون منت ہے اس حوالے سے سہیل بخاری لکھتے ہیں۔

> "کسی بولی کے سب کے سب بول جو ہم آج دیکھ رہے ہیں بولی بنانے یا کسی ایک آدمی نے ایک جگہ بیٹھ کر ایک سانس میں نہیں بنائے کیونکہ بولوں کی بناوٹ یہ بتاتی ہے کہ وہ کام پڑنے پر گھڑے گئے ہیں اور ان کے بنانے میں کیا پڑھے لکھے اور کیا ان پڑھ سبھی بولنے والے اپنی اپنی بسات ہر کام کرتے رہے ہیں یہ ٹھیک ہے کہ جنہوں نے کوئی بولی بنائی تھی وہی اس کے اصول جانتے تھے اور یا پھر وہ لوگ بھی انہیں کچھ کچھ سمجھ لیتے ہیں جو بولی پر برابر دھیان دیتے رہتے ہیں اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ بس یہی لوگ نئے نئے بول بھی گھڑ سکتے ہیں پر دیکھنے میں آیا ہے کہ ان پڑھ اور کپڑ لوگ بھی کچھ بول بنا لیتے ہیں اور یہ دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوتا ہے ان کے بنائے ہوئے بول بھی بولی کے اصولوں پر پورا اترتے ہیں اور سماج میں چالو ہو جاتے ہیں۔"[3]

زبان کی قبولیت میں سماج اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اور سماج میں اگر لفظ قبول ہو جائیں تو اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ لفظ کس نے بنائے انگریزی کے تتبع میں اضافتوں کے خاتمے اور علاقائی زبانوں، لہجوں، زبان، جارگن اور سیلنگ کا بھی معیاری زبان کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے دنیا میں ہونے والی تخلیق، واقعہ بڑی تیزی سے دنیا میں پھیل جاتا ہے اور وہ مقامی ادب اور ادیب دونوں کو متاثر کرتا ہے جسے نائن الیون کا واقعے نے پوری دنیا کے ادیبوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ ایسے ہی کرونا جیسی بیماری نے عالمی سطح پر دنیا میں ڈکشنری میں نئے الفاظ کے اضافے کا باعث بنی اس کے ساتھ ساتھ شاعر حضرات اپنی نظموں کے نام نہ صرف انگریزی

میں رکھ رہے ہیں۔ بلکہ دنیا کی دوسری زبانوں کے الفاظ شاعری اور نثر میں استعمال ہو رہی ہے اس حوالے سے۔ سید روح الامین لکھتے ہیں۔

> "ہر زندہ جاندار اور متحرک زبان میں دیگر زبانوں سے اخذ و انجذاب کا عمل جاری رہتا ہے اور اردو زبان بھی اس دائمی و عالمگیر لسانی حقیقت سے مبرا نہیں۔ لاتعداد الفاظ انگریزی و دیگر زبانوں سے اردو کا حصہ بن چکے ہیں اور یہ عمل جاری ہے اور لسانیات میں اس قدرتی عمل جذب و انجذاب پر کوئی قدغن نہیں لگائی جاسکتی۔ یوں تو ہر زبان اس عمل سے گزر رہی ہے مگر موجودہ دور میں ہمارے ذرائع ابلاغ، اخبار، ریڈیو اور ٹی وی پر جس طرح بلاضرورت اور بلاجواز طریقے سے اردو میں انگریزی الفاظ کو ٹھونسا جا رہا ہے وہ بلاشبہ اردو زبان کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔"[4]

نئے انگریزی الفاظ کی قبولیت کی اہم وجہ ذرائع ابلاغ میں اس کا اندھا دھند استعمال ہے۔ اس سطح پر معیار بندی وقت کی اہم ضرورت ہے جب اردو کے الفاظ پہلے سے موجود ہیں تو اس کی جگہ انگریزی متبادلات کو اہمیت دینا درست عمل نہیں۔

عربی اور فارسی کے الفاظ کا استعمال تو ابدی ہے۔ مگر اردو میں انگریزی کے ساتھ ساتھ علاقائی زبانوں مثلاً پنجابی، ہندی، پشتو، سرائیکی، سندھی اور بلوچی وغیرہ کے الفاظ شاعری میں تسلسل سے استعمال ہو رہی ہیں جس نے ایک مخلوط زبان کو رواج دیا جا رہا ہے۔ جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ شامل ہیں اس حوالے سے پروفیسر ڈاکٹر ایوب صابر لکھتے ہیں۔

> "اردو زبان بھارت میں ہندی اور پاکستان میں انگریزی والوں کا مقابلہ کرتے ہوئے سندھی، پشتو، بلوچی اور پنجابی کی بانہوں میں بانہیں ڈالے آگے بڑھ رہی ہے اردو دوسری پاکستانی زبانوں پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ اور ان کے اثرات قبول کر رہی ہے ان کا ربط ہم روز افزوں اور قربت لسانی یکجہتی کی نقیب ہے۔"[5]

علاقائی زبانوں کے دخیل الفاظ کا اردو زبان میں داخلہ دن بدن بڑھتا جا رہا ہے اس سے اردو کا لب و لہجہ لکھنوی اور دہلوی سے تبدیل ہو رہا ہے۔ اب اس میں علاقائی یکجہتی کو فروغ مل رہا ہے اور ان علاقائی لفظوں کے استعمال سے زبان وسیع ہونے کا عمل بڑھ رہا ہے اور اس سے زبان کے سانچے کھانچے بھر رہے ہیں۔

اصطلاحات(Terminology)

آج کل اردو زبان میں بیرونی اصطلاحات کا جوں کا توں استعمال روز مرہ زندگی میں بڑھتا جا رہا ہے۔ مثلاً کمپیوٹر، سی ڈی، فون، انٹرنیٹ، ویب سائٹ، ویب نار، فیس بک، کال، واٹس اپ وغیرہ دوسرے وہ اصطلاحات جن کا اردو میں ترجمہ کر لیا گیا ہے۔ مثلاً(Economics) سے معاشیات(Psychology)سے نفسیات، معاشیات (Structuralism) سے ساختیات وغیرہ اردو ادب میں ان اصطلاحات کا استعمال دن بدن بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ نئے الفاظ جیسے جیسے ادھار لیے جاتے ہیں ویسے ہی مختلف ثقافتیں ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ استوار کرتی ہیں نئے مستعار لینے والے الفاظ مختلف معاشروں کی مشترکہ تجربات اور اقدار کی عکاسی کرتے ہیں زبان میں نئے الفاظ کی قبولیت کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم کی رائے دیکھئے۔

> "زبان میں نئے الفاظ کی آمیزش، خون میں سرخ خلیات کی مانند، زبان کے لیے حیات بخش ہوتی ہے۔ اگر زبان میں نئے الفاظ کے داخلہ کے لیے در بند کر دیا جائے تو یہ جامد پانی جوہڑ میں تبدیل ہو جائے گا۔ جس طرح دریا کی روانی کے لیے لہر در لہر سلسلے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح زبان میں بھی نئے الفاظ روانی کی صورت میں اسے متحرک اور فعال رکھتے ہوئے زبان کو باثروت بناتے ہیں"[6]

ڈاکٹر سلیم اختر کی اس رائے سے اتفاق کرتے ہوئے نئے الفاظ کی شمولیت زبان میں انتہائی ضروری ہے ورنہ وہ علمی و ادبی زبان سنسکرت کی طرح ختم ہو جائے گی اس لیے اسے تازہ خون کی ضرورت ہوتی ہے جو زبان کی زندہ رکھنے کا کام سرانجام دیتے ہیں۔

ثقافت(Culture)

زبان صرف کھوکھلی آوازوں کا مجموعہ نہیں ہوتی بلکہ اس میں پوری قوم کا کلچر ہمیں سانس لیتا نظر آتا ہے۔ ہر قوم کی اپنی ثقافت یا کلچر ہوتا ہے اور یہ کلچر اپنے بولنے والوں کے تجربات کا عکاس ہوتا ہے جب بہت سی قوموں کے لوگ آپس میں ملتے ہیں تو مختلف کلچر سے نئے الفاظ زبان میں شامل ہوتے ہیں اور اس طرح زبان میں نئے الفاظ شامل ہوتے ہیں اس حوالے سے مزید احمد رضا لکھتے ہیں۔

> "زبان و ثقافت کی ترقی زمانے کے ساتھ چلتی ہے۔ وہ معاشرے سے اثر لے کر زندہ رہتی ہے اگر ایک زبان اپنے معاشرے سے اثر لینا چھوڑ دے وہ منجمد ہو کر دنیا سے اپنا

وجود کھو دیتی ہے۔ زبان صرف لفظوں کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ ذریعہ اظہار کے ساتھ ساتھ ایک قوم کے خیالات و تصورات کا ترجمان ہے"[7]

نئے الفاظ کی شمولیت گلوبل ویلیج ہونے سے دنیا کے کلچرز سے بھی ہم متعارف ہوئے ہیں۔ اور ان کی بے شمار رسومات اب ہمارے ہاں بھی ہونے لگی ہیں جیسے برائیڈل شاور، بے بی شاور، ویلنٹائن ڈے وغیرہ اب یہ الفاظ ہماری زبان کی لفظیات کا حصہ بن چکے ہیں یہ الفاظ زبان میں قبولیت اختیار کر چکے ہیں۔ ثقافتی ہم آہنگی مختلف معاشروں کے درمیان مثبت بات چیت کے تبادلوں سے آگے بڑھتی ہے۔

ادبی زبان میں قبولیت(Acceptance in language)

نئے الفاظ کی ادبی زبان میں قبولیت اس کے کثرت سے استعمال پر ہوتی ہے نئے بننے والے الفاظ اگر بار بار تحریر اور تقریر میں استعمال ہوں تو ان کے قبول ہونے کے امکانات اتنے ہی بڑھ جاتے ہیں۔ اس کی مثال ادب میں ہم سمیع آہوجا کے افسانوں میں دیکھتے ہیں۔ ان کے ہاں نئے لفظوں کا استعمال بار بار ان کے مختلف افسانوں میں ہوتا ہے اس سے پتا چلتا ہے کہ لفظ کس کس سیاق وسباق میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برعکس بہت سے شعرا جنہوں نے نت نئے الفاظ بنائے ان کو بس ایک دفعہ استعمال کر کے چھوڑ دیا۔ جس کی وجہ سے وہ قبولیت حاصل نہ کر سکے نئے بنائے گئے الفاظ و اصطلاحات زبان فطری طور پر اس طرح رچ بس جائیں کہ زبان کا حصہ معلوم ہوں اور ان الفاظ کو عام بول چال میں بھی استعمال کیا جاسکے۔

نئے بنائے گئے الفاظ و اصطلاحات جب معنوی لحاظ سے شفافیت کی سطح کو برقرار رکھتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ان کے معنی کا انداز اس کے اجزا، حصوں اور سیاق وسباق سے لگایا جاسکے یہ شفافیت مقررین و قارئین کو اس لفظ کی سمجھنے میں مدد کرتی ہے تو ایسے الفاظ جب ادبی کاموں میں ظاہر ہونے لگیں تو وہ ایک خاص سطح پر قبولیت کا اشارہ دے رہے ہوتے ہیں زبان کے ارتقا پر مصنفین کا بے حد اثر ملتا ہے ان کے نئے الفاظ استعمال لسانی رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ جیسے جلیل عالی کے ہاں ظفر اقبال کے سے تجربات ملتے ہیں۔ انہوں نے بہت سے مصادر اور افعال بنائے اس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ لسانی تشکیلات والوں نے جس نظریے کی داغ بیل ڈالی اب وہ روایت کا حصہ بن گئی ہے۔ اسی طرح عزیز فیصل کے ہاں بھی آمیختہ کی بے حد خوبصورت صورتیں ملتی ہیں۔

مخففات / آمیختہ

ہمارے ہاں آج کل اخبارات، سوشل میڈیا میں مخففات کا استعمال بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ ان مخففات کا بکثرت استعمال ہے جیسے پچھلے چند سالوں میں ہمارے ہاں سموگ کا لفظ اتنا تیزی سے پھیلا کہ کوئی

ان کا مطلب جانے یا نہ جانے اس لفظ کا صحیح استعمال جانتا ہے ہر سال موسم سرما میں دھند ہوتی تھی لیکن دو تین سالوں اسے دھند نہیں سموگ کا نام دیا گیا جو کہ مرکب سموک + فوگ = سموگ اخبارات میں سموگ کے حوالے سے خبریں کچھ ہوں ملتی ہیں۔ ''سموگ ایس او پیز کی خلاف ورزی''[8] یہ لفظ اس تواتر سے خبروں، اخبارات اور سوشل میڈیا پر استعمال ہوا کہ اب یہ ہمارے قبولیت اختیار کر گیا ہے۔ اسی طرح محففات کے حوالے سے انگریزی میں بنائی گئی محففات کا استعمال روز بروز بڑھتا جا رہا ہے۔ ایک خبر ملاحظہ کیجئے۔

> ''صدر کا کردار متنازعہ، انتخابات سے قبل مستعفی ہو جانا چاہیے۔ ترجمان جے یو آئی''[9]

> ''PDM کا حصہ تمام جماعتوں سے سیٹ ایڈ جسٹمنٹ ہو سکتی ہے۔ اسحاق ڈار''[10]

ان خبروں میں محففات جے یو آئی اور پی ڈی ایم کا استعمال کیا گیا ہے۔ محففات کا استعمال نہ صرف انگریزی میں بلکہ اردو میں بھی بنائے جا رہے جیسے تو روالی کا ادارہ ا۔ ب۔ ت (ادارہ برائے تعلیم و ترقی)۔ ان تمام محففات کو قبولیت کی سند مل چکی ہے اور اس کا رجحان بھی دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔

ب۔ نئے الفاظ میں استرداد کے امکانات کی صورتیں:

ادب میں نئے الفاظ کا استرداد مختلف عوامل سے پیدا ہو سکتا ہے جن میں عدم مطابقت، لہجے یا انداز، اسلوب کے ساتھ عدم مطابقت، کثرت سے استعمال یا لفظ میں پایا جانے والا ابہام بھی ہو سکتا ہے۔ ادب میں نئے الفاظ کی قبولیت کا انحصار مطابقت، وضاحت اور ثقافتی عوامل سے قریب تر ہونے پر ہوتا ہے اگر کسی لفظ میں ان خصوصیات کا فقدان ہو یا زبان کے چلن میں خلل پیدا ہو تو اسے وسیع پیمانے پر قبول نہیں کیا جا سکتا۔ مزید براں لسانی روایت پسندوں کی مزاحمت یا بولنے والوں کے درمیان رائے میں تبدیلی ہونے کی وجہ سے لفظ کا اپنانے میں رکاوٹ کا باعث بن سکتی ہے۔ تاہم زبان ایک متحرک شے ہے اور اس میں تبدیلیاں وقت کے ساتھ آتی رہتی ہیں اکثر سماجی تبدیلیوں اور ترقی کی عکاسی کرنے کے لئے لغت میں نت نئے الفاظ شامل کئے جاتے ہیں لیکن عوامی سطح پر ان کا چلن نہ ہونے کے باعث یہ الفاظ متروک ہو جاتے ہیں۔ نئے الفاظ کی زبان میں شمولیت نہ ہونے کی صورتیں درج ذیل ہیں۔

لسانی مطابقت (Linguistic Fit)

اگر کوئی نیا لفظ زبان کے گرامر کے اصولوں اور صوتی لحاظ سے پابندی نہیں کرتا تو اس کے مسترد ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں عام طور پر نئے لفظ دو طرح سے بنتے ہیں ایک وہ جو دوسرے لفظوں سے

ادھار لے کر اپنی زبان میں شامل ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو زبان میں موجود لفظ سے بنتے ہیں جو زبان میں پہلے سے موجود لفظ سے بنائے جاتے ہیں وہ زبان کی گرامر اور قواعد کے مطابق ہی بنائے جاتے ہیں۔ اول الذکر موضوع مستعار یا ادھار لیے گئے الفاظ ہوتے ہیں جب انہیں ادھار لیا جاتا ہے تو انہیں جس زبان میں داخل کیا جاتا ہے تو پھر اس کو اسی زبان کے قواعد یا گرامر کے مطابق ڈھال لیا جاتا ہے اور اس طرح وہ لفظ اسی زبان کی لفظیات کا حصہ بن جاتا ہے اگر کوئی لفظ صوتی اور صرفی اعتبار سے زبان کی گرامر اور قواعد کی پابندی نہیں کرتا تو اس کا زبان کی لفظیات میں شامل ہونے کے امکانات کم ہو جاتے ہیں اور اس کے رد ہونے اور کم استعمال ہونے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔

معنوی وضاحت(Semantic clarity)

اگر کسی نئے لفظ کا مفہوم غیر واضح یا مبہم ہو تو وہ لفظ رد ہو سکتا ہے کیونکہ بہت سے لفظوں کے لوگ معانی نہیں سمجھتے یا ان کے معنی سمجھنے میں وقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر یہ ایسا لفظ مصنفین اور ایڈیٹرز اپنے کام میں استعمال کرنے سے گریز کرتے ہیں جن سے الجھن پیدا ہو۔ لفظوں کے رد ہونے کی ایک اہم وجہ معنوی لحاظ سے لفظ کا غیر واضح ہونا ہے۔ نئے الفاظ جب پہلی بار استعمال ہوں تو ان کے معنی مختلف ہو سکتے ہیں اور ایسا بھی ممکن ہے کہ وسیع پیمانے پر لفظوں کی لوگوں کو سمجھ نہ آئیں ان کے معنی کی تشریحات بھی الگ ہو سکتی ہے۔ اور یہ بات بھی الجھن کا سبب بن سکتی ہے کہ ان الفاظ کا تلفظ کیا ہو گا اور ان الفاظ کو جملے میں کیسے استعمال کیا جائے گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس لفظ کو کیسے پڑھا جائے یہ تمام باتیں لفظ کی عدم قبولیت کی وجہ بھی بن سکتی ہیں۔ ظاہر ہے جب کسی لفظ کے تلفظ، لہجہ اور معنی میں ابہام پایا جائے تو اس لفظ کے رد ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں کیونکہ لفظ کی قبولیت اس صورت میں ممکن ہے کہ اس کا ابلاغ واضح اور درست ہو۔

قدامت پسندی(Conservatism)

نئے الفاظ کے قبول نہ ہونے کی ایک صورت قدامت پسندی بھی ہے۔ عام طور پر زیادہ تر لوگ مانوس الفاظ کو استعمال کرنا پسند کرتے ہیں اور نئے الفاظ کو غیر اہم سمجھتے ہیں اور ان کو اپنانے اور استعمال کرنے کو ترجیح نہیں دیتے عوام کے ساتھ ساتھ مصنفین اور ایڈیٹرز بھی نئے الفاظ کو شامل کرنے کے بجائے مانوس الفاظ پر قائم رہنے کو ترجیح دیتے ہیں نئے الفاظ کی عدم قبولیت کی بڑی وجہ قدامت پسندی لوگ اپنی زبان کی خالصیت کو برقرار رکھنے پر زور دیتے ہیں اس کے پیچھے یہ رویہ بھی ہوتا ہے کہ جب زبان میں مطلوبہ الفاظ معنی کے اظہار کے لئے موجود ہیں تو پھر نئے الفاظ کی موجودگی غیر ضروری ہے اس کے برعکس نئی نسل کو جدید اور نئے الفاظ

استعمال کرنا زیادہ پسند ہوتا ہے جب کہ روایت پسند لوگوں کو پرانی زبانی کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے۔ جو کہ ایک فطری عمل ہے لیکن نئے الفاظ کو بھی کھلے دل سے قبول کرنا چاہیے یہ زبان کی توسیع کا فطری عمل ہے۔

عوامی توقعات(Audience Expectations)

مصنفین، ایڈیٹرز اور مقالہ نگار عام طور پر نئے الفاظ استعمال سے گھبراتے ہیں اور وہ اپنی تحریر میں عوام کی ترجیحات اور توقعات کو مد نظر رکھتے ہیں۔ اگر کسی لفظ کا عوام میں چلن ہو جاتا ہے تو وہ اس لفظ کو اپنی تحریر میں استعمال کر لیتے ہیں مثلاً سوشل میڈیا پر ایک لفظ "وڑ گیا" ٹرینڈ میں آیا اور اسے ہمارے شعرا کرام نے بھی اپنی شاعری میں استعمال کر لیا۔ عزیز فیصل کا شعر ملاحظہ کیجئے۔

بزی ہے جنوری تک تیرا فیصل

اسے کہنا دسمبر "وڑ گیا ہے"[11]

یہ ایک ایسا لفظ ہے جو غلطی سے منہ سے نکلا اور اتنا مشہور ہوا کہ شاعری میں استعمال ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے دنوں میں یہ اردو لغت میں شامل ہو جائے۔ یہ صرف اس صورت میں واقع ہو سکتا ہے۔ جو آنے والے دنوں میں اس لفظ کا چلن باقی رہے۔ لیکن جن الفاظ کا چلن عوام میں نہ ہو اسے استعمال کرتے ہوئے ہمارے لکھاری بھی گھبراتے ہیں۔ اگرچہ اصل میں یہ ایک غیر شائستہ لفظ ہے لیکن کثرت استعمال اسے قابل قبول بنا رہا ہے۔

ادبی روایت (Literary Tradition)

ادبی روایت میں زبان کے استعمال پر نظر ڈالیں تو یہ پتا چلتا ہے کہ بہت سے نئے محاورے، الفاظ اور روز مرہ زبان میں وقتاً فوقتاً شامل ہوتے رہتے ہیں اور زندہ صرف وہی رہے جن کا عوام میں چلن ہوا۔ اور استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا حصہ بن گئے اور بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جو صرف کتابوں کی زینت ہی بنے رہے۔ نئے الفاظ شامل ہونے کی وجہ بہت سی ادبی تحریکیں بھی ہیں جو اپنے ساتھ بہت سے نئے لفظ لے کر آئیں۔ لیکن وہ الفاظ جو ادبی روایات اور انواع میں زبان کے استعمال کے حوالے سے زبان کا مستقل حصہ بن گئیں ہیں۔ نئے لفظوں کی قبولیت کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ انہیں لکھاریوں، شعرا کرام اور ایڈیٹرز کی جانب سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جو نئے لفظوں کی عدم قبولیت کی بڑی وجہ ہے۔

تنقید(criticism)

اگر نئے الفاظ ادبی نقادوں یا تنقید نگار کے ہاتھوں تنقید اور تضحیک کا نشانہ بنتے ہیں تو ان الفاظ کو ادب میں قبولیت حاصل کرنے کے لیے بے حد جدوجہد کا سامنا کرنا پڑتا ہے تنقید نگاروں کا خیال ہے یہ نئے الفاظ

گفتگو کے لیے ناموزوں ہیں اس کے استعمال سے زبان کے درست استعمال پر فرق پڑتا ہے۔ معاشرے میں نئی زبان اور نئے الفاظ کو قبول نہ کرنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ زبان ایک جامد شے ہے زبان کے متعلق ان کا یہ رویہ نئے لفظوں کی قبولیت میں ایک رکاوٹ کا باعث ہے۔ جیسے ظفر اقبال نے نئے لفظ اختراع کیے تو انہیں ادبی نقادوں کی جانب سے لعنت ملامت کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اس کے نتیجے میں دوسرے ایڈیشن میں تبدیلیاں کی گئیں ایسے الفاظ جو دانستہ طور پر بنائے جائیں انہیں کم ہی مقبولیت ملتی ہے زیادہ تر معاشرے میں ایسے الفاظ کا چلن کم ہوتا۔

استعمال میں کمی (Lack of exposure)

کسی بھی لفظ کے رد ہونے کی سب سے اہم وجہ اس لفظ کے استعمال میں کمی ہے نئے لفظ کو روزمرہ کی زبان میں ضم ہونے کے لیے اس کی پبلسٹی کی ضرورت ہوتی ہے جب تک اس لفظ کو میڈیا کے ذریعے پھیلایا نہیں جائے گا وہ لفظ عوام کے لیے نامانوس رہے گا اور اس کے استرداد کے چانسز زیادہ ہوں گے جب تک نیا لفظ مصنفین اور شعرا کرام کی تحریروں اور بولی میں لوگوں کے سامنے نہیں آئے گا تو اسے غیر ضروری اور غیر متعلقہ ہی سمجھا جائے گا۔ زبان فطری طور پر سماج میں جنم لیتی ہے۔ اور لفظ کے اپنانے کا انحصار سوشل نیٹ ورکس اور کمیونیٹیز پر ہوتا ہے۔ اگر کمیونٹی کے بااثر افراد یا گروہوں کے ذریعے لفظ قبول نہیں کیا جاتا تو اسے پھیلانے میں بہت زیادہ جدوجہد کرنی پڑ سکتی ہے جب زبان میں پہلے سے اس شے کے لیے لفظ موجود ہے۔ یا اصطلاحات موجود ہیں تو پھر ایک نئے لفظ جو کہ اسی معنوں میں استعمال ہو رہا ہو قدم جمانا مشکل ہوتا ہے اگر نئے لفظ ادارہ جاتی سطح پر متعارف کروائے جائیں تو بھی ضروری نہیں کہ عوام میں ان کا چلن ہو۔ جیسے مقتدرہ قومی زبان اپنی ویب سائٹ پر انٹرنیٹ کا اردو ترجمہ "برخط" کا استعمال کرتی ہے ادارہ جاتی سطح پر تو یہ کام ممکن ہے۔ مگر ان الفاظ کا چلن عوام میں نہیں ہوا تو یہ الفاظ بھی عدم قبولیت کے زمرے میں آئیں گے اس کے رد ہونے کی وجہ سے پہلے سے لفظ انٹرنیٹ کا چلن ہے۔ جو کہ عوام میں مقبول ہو چکا ہے۔ جس پہلے سے کسی لفظ کا چلن ہو تو اس لفظ کا ترجمہ یا نیا لفظ یا اصطلاحات موجود ہوں تو نئے لفظ کا استعمال اور اس کا چلن ہونا بے حد مشکل امر ہے۔

کچھ نئے لفظ مخصوص واقعات، رجحانات یا مظاہر سے منسلک ہوتے ہیں جو عارضی یا قلیل المدتی ہوتے ہیں اگر کوئی لفظ عارضی رجحان یا رجحان کے جواب کے طور پر ابھرتا ہے تو رجحان ختم ہونے کے بعد اس کی مطابقت میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور پھر وہ آخر کار مسترد ہو جاتا ہے۔

اسکول، میڈیا، آؤٹ لیٹس اور دیگر ادارہ جاتی ماحول میں اگر نئے الفاظ کو فروغ نہیں دیا جاتا تو وہ عام آبادی یا عوام میں قانونی حیثیت اور قبولیت حاصل کرنے کے لیے انہیں جد وجہد کرنا پڑے گی نئے الفاظ کے استر داد میں استعمال کی کمی رکاوٹ بنتی ہے جو بالآخر زبان کے ابھرتے ہوئے منظر نامے میں ان کے مسترد ہونے کا باعث بنتی ہیں۔

نسلی اختلافات(Generational differences)

نسلی اختلافات مختلف وجوہات کی بنا پر نئے الفاظ کو مسترد کرنے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مختلف نسلوں کی الگ الگ زبان کی عادات اور ترجیحات مختلف ہوتی ہیں جو ان کی پرورش، سماجی ماحول اور ثقافتی اثرات سے بنتی ہیں نئے الفاظ نئی نسل میں زیادہ معروف ومقبول ہوتے ہیں جبکہ پرانی نسل میں ان الفاظ کو غیر رسمی یا سیلنگ سمجھا جاتا ہے۔ یہی وجہ نئے الفاظ کے مسترد ہونے کا باعث سمجھی جاتی ہے نئے الفاظ پرانی نسلوں کی طرف سے رد کر دیے جاتے ہیں اور اس کی وجہ لفظوں میں آنے والی معنوی تبدیلی ہے۔ بہت سے الفاظ نئے معنوں میں استعمال ہونے لگتے ہیں جو پرانی نسل کی سمجھ سے باہر ہوتے ہیں اس لیے پرانی نسلیں اس لسانی تبدیلی اور اختراع کے خلاف مزاحمت کرتی ہے وہ زبان کے قائم کردہ اصولوں پر چلنے کو ترجیح دیتی ہے۔ نئے الفاظ روایتی گرامر سے ہٹ جاتے ہیں قدامت پسندوں کو ان کے استعمال میں شک وشبہات کا سامنا کرنا پڑتا ہے نسلی اختلافات کی وجہ سے بہت سے نئے الفاظ کو رد کر دیا جاتا ہے۔

مستقل مزاجی(consistency)

زبان کا تعلق بولنے سے ہے۔ اگر کوئی نیا لفظ بولنے والوں میں استعمال ہو رہا ہو اور لوگ اسے مسلسل بول چال میں استعمال کر رہے ہوں تو وہ لغت میں شامل ہو جاتا ہے اور زبان کی لفظیات کا حصہ بن جاتا ہے اگر اس نئے لفظ کے استعمال میں مستقل مزاجی میں کمی واقع ہو جائے تو اس لفظ کے مسترد ہونے کے چانسز بڑھ جاتے ہیں۔

ترجمے کی مشکلات(Translation difficulties)

ترجمہ کرتے وقت زبان میں آنے والے مسائل اور رکاوٹیں نئے الفاظ کو مسترد کرنے کا سبب بن سکتی ہیں ایک زبان سے دوسری زبان میں نئے الفاظ متعارف کرواتے وقت ترجمہ میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں ہو سکتا ہے براہ راست ترجمہ اصل لفظ کے مکمل معنی ومفہوم کو بیان نہ کر سکے جس سے الجھن یا غلط تشریح کا

باعث بنے۔ نئے الفاظ جن کا درست ترجمہ کرنا مشکل ہو۔ واضح اور فہم کے بارے میں خدشات کی وجہ سے ہدف کی زبان میں مسترد ہو سکتے ہیں۔ ترجمے کرتے وقت جو نئے الفاظ اس حوالے سے مرزا حامد بیگ لکھتے ہیں۔

> "ترجمہ کرتے وقت جہاں نئے الفاظ، استعاروں کے روپ میں جنم لیتے ہیں وہیں پرانے اور برتے گئے الفاظ کو آکسیجن مہیا ہوتی ہے۔ نئے محاورے اور نئے محاکات کے جنم کے ساتھ نئے علوم وفنون سے اشائی ہوتی ہے ہمیشہ نئی اصناف ادب کا ورد ترجمے کے ذریعے ہی ممکن ہو سکا ہے یوں کہا جا سکتا ہے کہ آج اردو زبان جس منصب پر فائز دکھائی دیتی ہے اس میں بہت کچھ ترجمے کا بھی کیا دھرا ہے۔"[12]

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمے کی بدولت بہت سے الفاظ اردو میں داخل بھی ہوئے اور ان کو قبولیت بھی حاصل ہوئی مگر ایک ہی لفظ کے جب کئی ترجمے ہمارے سامنے آتے ہیں تو استعمال کنند گان پریشانی کا شکار ہو جاتا ہے اور ان تراجم کو مسترد کر کے دوسری زبان کا اصل لفظ استعمال کرنے لگتا ہے کیوں کہ لفظ کو نئے ماحول میں جا کر مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس حوالے سے صفدر قریشی لکھتے ہیں۔

> "کوئی لفظ جب کسی غیر مانوس ماحول میں جاتا ہے تو اس ماحول سے لفظ کا متاثر ہونا ایک فطری بات ہے۔ اس تاثر کا انحصار ماحولیاتی اشتراک اور اختلاف پر ہے نئے ماحول میں اگر اس لفظ کی اصلی شکل میں قبول کرنے کی اہلیت ہو تو وہ لفظ بغیر کسی صوتی و معنوی تغیر کے اس زبان میں رائج ہو جاتا ہے۔ ورنہ اپنے تلفظ کے لحاظ سے بدل جاتا ہے۔۔"[13]

انگریزی، فارسی، عربی، ترکی اور دیگر زبانوں کے الفاظ اپنی اصلی شکل میں ہی اردو میں رائج ہو گئے ہیں ماہر لسانیات کے مطابق لفظوں کو مستعار لینے والی زبان کے قواعد کے حوالے سے تبدیل ہونا چاہیے۔ تا کہ وہ اس زبان میں رچ بس جائے۔ لیکن اکثر اوقات ایسے الفاظ زبان میں رائج ہو جاتے ہیں اور قبولیت کی سند پا لیتے ہیں۔ جو لفظ قبولیت کی سند نہیں پاتے وہ مسترد کر دیئے جاتے ہیں۔

ہر زبان کا اپنا صوتی نظام ہوتا ہے اس میں بشمول آوازیں، بل (stress) اور لہجہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے نئے الفاظ جن میں صوتی یا صوتیاتی ڈھانچہ ہدف کی زبان میں موجود نہ ہو تو اس کا درست تلفظ ادا کرنے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اس وجہ سے بہت سے نئے الفاظ اور لسانی اختراعات کے ترجمے میں مشکل پیش آسکنے کی صورت میں رد ہو سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہجے، رموز اور اوقاف کے اصول ہر زبان میں مختلف

ہوتے ہیں۔ اور تحریری زبان کے اپنے حروف ہوتے ہیں۔ جو ہدف زبان سے مختلف ہوتے ہیں ان سے نا واقفیت کی بنا پر پڑھنے لکھنے میں مشکل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ جیسے فرنچ لینگوئج انگریزی سے بالکل مختلف ہے دیکھنے میں انگریزی کی طرح دکھائی دیتی ہے۔ مگر بولنے میں بالکل الگ ہے اس کو پڑھنے سے زبان میں تلفظ کے مسائل پیدا ہوسکتے ہیں۔ جس کی بنا پر نئے الفاظ کو رد کر دیا جاتا ہے۔

ترجمہ کرتے وقت ہمیں نہ صرف معنی بلکہ اس زبان کے ثقافتی سیاق وسباق کی باریکیوں کو بھی دھیان میں رکھنا ہوتا ہے جس آسانی سے ایک زبان سے دسری زبان میں منتقل نہیں ہو سکتی جس سے الفاظ کے جملے میں معنی و مفہوم مکمل سیاق وسباق سے ہدف زبان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے جملے کا اصل مفہوم قاری تک نہیں پہنچ پاتا جس کی بنا پر وہ نئے الفاظ جو معنوی لحاظ سے صحیح حق ادا نہ کر سکیں رد ہو جاتے ہیں اسی طرح ہر زبان کے مختلف رجسٹر ہوتے ہیں جو کہ رسمی اور غیر رسمی، تکنیکی، عام بول چال کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ اگر نئے الفاظ جو دوسری زبان سے متعارف کروائے گئے ہوں اگر وہ ان رجسٹر کے موافق نہیں ہیں تو ان نئے الفاظ کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔

ثقافتی مطابقت (Cultural relevance)

ثقافتی مطابقت نئے الفاظ کو مسترد کرنے کا ایک اہم عنصر ہے کیونکہ نئے الفاظ جو مخصوص ثقافتی حوالوں، طریقوں یا مظاہر سے جڑے ہوئے ہیں ان کو اپنے ثقافتی تناظر سے باہر مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر کسی لفظ میں آفاقیت نہیں پائی جاتی ہے بلکہ اس میں مطابقت (relevancy) کا فقدان ملتا ہے تو ایسا لفظ معاشرے میں اپنی جگہ نہیں بنا سکتا ہے۔ اور اس کے رد ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ ماہرین لسانیات کی جانب سے جو بنیادی خدشہ زبان کے متعلق ظاہر کیا گیا ہے وہ لسانی شناخت کا تحفظ ہے۔ زبان کے ذریعے ہی ثقافتی اقدار ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی ہیں جب اردو میں اندھا دھند انگریزی کے الفاظ ٹھونس دیے جارہے ہوں تو ماہرین لسانیات کے خدشوں کو سمجھنا بھی بے حد ضروری ہے جب انگریزی کے ان لفظوں کے متبادلات اردو میں پہلے سے موجود ہوں تو اردو کے لیے خطرہ کی بات ہے کیونکہ ایسا کرنے سے ہماری ثقافتی شناخت گم ہونے کا خطرہ ہے۔

زبان سماجی اصولوں، اقدار کے حوالے سے حساسیت کی عکاس ہے اور ایسے نئے موضوعات جو متنازعہ ہوں ان میں استعمال ہونے والے نئے الفاظ کو مسترد کر دیا جاتا ہے۔ تاہم دنیا جو ایک گلوبل ویلیج بن چکی ہے وہاں تیزی سے تبدیل ہوتے معاشروں میں زبان میں بھی تبدیلی کا عمل تیز سے تیز تر ہوتا جارہاہے اردو میں

انگریزی کا بڑھتا ہوا استعمال انگریزی کی غلبے کی بات کو تقویت دیتا ہے۔ بہت سے ماہر لسانیات اپنے معاشروں کو روایتی مشکل و صورت میں محفوظ رکھنے پر زور دیتی ہیں کہ زبان کی خالصیت بر قرار رہ سکے اور غیر ملکی زبانوں کے مستعار الفاظ کو شامل کرنے کی مخالغت کرتی ہیں اہل زبان اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اردو ایک بھرپور لفظیات کا خزانہ رکھتی ہے جو انسانی تجربے کی مناسب انداز میں تفہیم کرتی ہے اس لیے اگر ضرورت پڑے بھی تو علاقائی زبانوں کے الفاظ کی حوصلہ افزائی کر لے لیکن میڈیا کے ذریعے جو ثقافتی بالادستی پوری دنیا پر انگریزوں نے قائم کی ہے اس کی بدولت عوام میں انگریزی الفاظ کا چلن بڑھتا جا رہا ہے۔ زبان میں آنے والی اس تبدیلی کی بدولت اردو میں انگریزی الفاظ کا چلن بڑھ چکا ہے۔ اب کسی ناسخ کی ضرورت ہے۔ جو نئے الفاظ کے حوالے سے میعار بندی کر سکے۔

مزاحمت(Resistance)

نئے الفاظ کی معاشرے میں عدم قبولیت کی اہم وجہ مزاحمتی رویے کا رجحان ہے ایسا عام طور پر اس وقت ہوتا ہے جب لوگ عام طور پر روایتی اور پرانے الفاظ کو استعمال کرنے کے عادی ہوتے ہیں اسی وجہ سے نئے الفاظ کو اپنانے میں مزاحمت کرتے ہیں۔ کیونکہ لوگوں کی جڑت ماضی کے ساتھ ہوتی اور وہ ان سے جذباتی لگاؤ رکھتے ہیں اس کے علاوہ اہل زبان، ماہرین تعلیم، ماہر لسانیات اور مدیران اور دیگر زبان کے حکام اکثر لسانی سالمیت اور اس کے معیارات کو بر قرار رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں وہ لوگ نئے الفاظ کو اپنانے میں مزاحمت کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے لغات میں ان نئے الفاظ کو شامل نہیں کیا جاتا اور اس کی وجہ سے طلبا تک یہ نئے الفاظ کی رسائی نہیں ہوتی اور کتب میں نئے الفاظ کی شمولیت کی مخالفت کی جاتی ہے کیونکہ ماہر لسانیات کی جانب سے روایات کو محفوظ رکھنے کو ترجیح دیتے ہیں اور نئے الفاظ کو زبان میں غیر ضروری یا فضول اضافے کے طور پر دیکھتے ہیں۔

زبان میں نئے الفاظ کو قبول یا مسترد کرنے کا فیصلہ ثقافتی، نظریاتی یا ذاتی تعصبات پر مبنی بھی ہو سکتا ہے ایسے تمام الفاظ کو مسترد کر دیا جاتا ہے جو مروجہ سماجی اصولوں، اقدار یا طاقت کے ڈھانچے کو چیلنج کرتے ہوں۔ ہر نئی چیز کو اپنانے میں ہمیشہ رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں چاہے وہ کوئی نئی ٹیکنالوجی ہو کائی نیا سافٹ ویئر ہو یا کوئی نئی بات یا کوئی نیا الفاظ۔ ہر چیز کو مزاحمت کا سامنا کرنا پڑتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ اگر وہ شے کھڑی رہی تو روایت کا حصہ بن جاتی ہے ورنہ مسترد ہو جاتی ہے۔

تکنیکی ترقی(Technological Advancement)

تکنیکی ترقی کی وجوہات کی بنا پر نئے الفاظ کو مسترد کرنے میں معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ ٹیکنالوجی کر تیز رفتار دنیا میں، ابھرتے ہوئے تصورات، مصنوعات اور ٹیکنالوجیز کو بیان کرنے کے مسلسل نئے الفاظ و اصطلاحات بنائی جاتی ہیں تاہم ان میں سے بہت سی اصطلاحات تیزی سے متروک ہوتی جاتی ہیں۔ ہر شعبے کی اپنی زبان ہوتی ہے جسے جارگن (Jargon) کہا جاتا ہے چاہے وہ سائنس کا کوئی شعبہ ہو یا انڈسٹری کی کوئی اصطلاح، وقت کے ساتھ ساتھ نئی نئی اصطلاحیں سامنے آتی ہیں مگر ان نئی اصطلاحوں اور نئے الفاظ کو اپنی جگہ بنانے کے لیے بہت جدوجہد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اکثر اصطلاحات پیچیدہ تصورات کو بیان کرتی ہیں عام افراد کا انہیں سمجھنا مشکل ہوتا ہے۔ بہت سے الفاظ و اصطلاحات اپنی پیچیدگی کے باعث مسترد کر دی جاتی ہیں یا پھر ان کی کوئی شارٹ فارم معاشرے میں مقبول ہو جاتی ہے۔

تکنیکی اختراعات کا بہت زیادہ استعمال معاشرے میں بے چینی کی کیفیت پیدا کر سکتا ہے جس کی وجہ سے نئی اصطلاحات کے خلاف مذاحمت کا عنصر پیدا ہو سکتا ہے ابھرتی ہوئی ٹیکنالوجیز کے وابستہ نئے الفاظ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہونے کے سبب ان کو مسترد کر دیا جائے تکنیکی ترقی اکثر مخصوص ثقافتی ماحول میں شروع ہوتی ہے جس سے متعدد زبانوں میں نئے الفاظ کی تخلیق ہوتی ہے تاہم لسانی رکاوٹیں نئی ٹیکنالوجی سے متعلق اصطلاحات کو ثقافتی طور پر اپنانے میں رکاوٹ بن سکتی ہے اس کے علاوہ اگر ان اصطلاحات کا صحیح معنی و مفہوم سے ترجمہ نہ پایا جائے اس سے ابہام جنم لیتا ہو۔ یا اس لفظ کی غلط تشریح کی گئی ہو تو ایسے الفاظ مسترد کر دیے جاتے ہیں بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ الفاظ پیدا ہونے کے فوراً بعد ہی متروک ہو جاتے ہیں۔

میڈیا(Media)

میڈیا اور اس پر اپنا اثرورسوخ رکھنے والے لوگ بھی نئے الفاظ کی استرداد کی وجہ بن سکتے ہیں میڈیا اپنے مخصوص الفاظ اور تاثرات کی بدولت کسی خاص ذہنیت کی عکاسی کرتے ہیں۔ اسی طرح اپنے تاثرات اور الفاظ کے استعمال سے خاص رجحانات کی تشکیل کرتے ہیں جہاں وہ نئے الفاظ کو فروغ دے سکتے ہیں۔ وہیں وہ نئے الفاظ کی استرداد میں بھی اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ جن نئے الفاظ کو وہ رد کرتے ہیں تو ان الفاظ کا استعمال صحیح طرح سے نہیں کرتے اس طرح وہ الفاظ عوام میں جگہ نہیں بنا پاتے اس کی وجہ سے میڈیا کوریج اور نئے الفاظ کی تصویر کشی، عوامی تاثر اور قبولیت کو متاثر کرتا ہے اگر نئے الفاظ کو منفی انداز میں پیش کیا جاتا ہو یا ان الفاظ کا مذاق اڑایا جائے تو انہیں نامناسب رویوں یا تاثرات سے وابستہ ہونے کی وجہ سے مسترد کیا جاتا

ہے۔ مسترد کرنے کی ایک وجہ بااثر شخصیات اور حکام بالا جو میڈیا پرسن ہوتے ہیں وہ اور ماہر زبان جب ان نئے الفاظ رد کر دیے جاتے ہیں۔

جب میڈیا آؤٹ لٹس اور اس پر اثر انداز ہونے والے تجارتی مفادات کو لسانی اختراع پر ترجیح دیتے ہیں تو نئے لفظ قبولیت کے مراحل سے گزرتے ہیں ایسے لفظ جو مارکیٹنگ کی حکمت عملیوں اور عوام کی ترجیحات کے عین مطابق ہوں قبول کر لیے جاتے ہیں لیکن جو نئے الفاظ تجارتی مفادات کو پرا نہیں کرتے یا میڈیا کے مروجہ بیانیے کے اندر رفٹ نہیں آتے انہیں نظر انداز کیا جاتا ہے۔

سوشل میڈیا(Social Media)

سوشل میڈیا پلیٹ فارمز زبان کے پھیلاؤ اور اختراع کے حوالے سے بااثر چینل بن چکے ہیں صارفین اکثر وائرل مواد اور رجحانات کے ذریعے نئے الفاظ اور تاثرات کو اپناتے اور مقبول بناتے ہیں میڈیا پر جن لوگوں کے فالوورز ملین میں پہنچ چکے ہیں۔ ان پلیٹ فارمز سے نئے الفاظ کو مقبول و معروف کیا جاتا ہے اور اس طرح زیادہ سے زیادہ لوگو ان نئے الفاظ سے متاثر ہو سکتے ہیں لیکن اس کے برعکس اگر ان پلیٹ فارمز کو نئے الفاظ کو منفی انداز میں پیش کیا جائے تو یہ پلیٹ فارمز الفاظ کے مسترد ہونے میں بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

محففات(Abbreviation)

محففات معلومات کو پہچاننے کا ایک جامع اور موثر ذریعہ ہے جو ہر زبان استعمال کرنے والے کو بے حد پسند ہے جو بول چال میں اختصار اور زبان کو سمجھنے میں آسانی لاتا ہے۔ نئے الفاظ جو موجودہ محففات سے زیادہ لمبے بوجھل اور دقیق ہیں اس لیے نئے الفاظ کو استعمال کرنا زیادہ مشکل ہے اس کے برعکس محففات کا استعمال ہماری روز مرہ زندگی میں بڑھتا چلا جارہا ہے کیونکہ زبان کے استعمال کنندگان محففات سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لیے اپنی سہولت اور آسانی کی وجہ سے نئے الفاظ پر محففات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے بہت سے محففات جو ہم روز مرہ زندگی میں استعمال کرتے ہیں ان کے پیچھے جو الفاظ موجود ہیں ان سے ناواقف ہوتے ہیں۔ محففات عام طور پر مخصوص تصورات یا اصطلاحات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اور ان کے معانی عام طور پر متعلقہ ڈومینز یا سیاق و سباق میں اچھی طرح سمجھے جاتے ہیں نئے الفاظ جو اسی طرح کے معنی بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگر ان میں قائم کردہ محففات کی معنوی وضاحت اور درستی کا فقدان ہو تو انہیں رد کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس سے ابلاغ میں الجھن اور ابہام پیدا ہوتا ہے۔

محففات ثقافتی اور لسانی اصولوں سے تشکیل پاتے ہیں۔ اور ان کا استعمال مختلف زبانوں اور خطوں میں مختلف ہو سکتا ہے نئے الفاظ جو ناواقف محففات متعارف کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر وہ مطلوبہ ہدف کے لوگوں کے ثقافتی اور لسانی کنونشن کے مطابق نہیں ہوتے ہیں تو انہیں مسترد کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے زبان میں لسانی یا ثقافتی اختلافات پیدا ہوں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محففات کا استعمال اختصار، واقفیت، معنوی وضاحت، ثقافتی اور لسانی اصولوں، تکنیکی حدود کی ترجیحات کی وجہ سے نئے الفاظ کو رد کرنے کی وجہ بن سکتا ہے لیکن ان الفاظ پر محتاط غور وفکر کریں تو پتہ چلتا ہے کہ بول چال میں ان محففات کا استعمال کے بغیر آج کل کے دور میں بولنا ناممکن نظر آتا ہے۔

سماجی و اقتصادی عوامل(Socio – economic factors)

سماجی اور اقتصادی عوامل نئے لفظوں کے رد ہونے کی ایک وجہ بن سکتے ہیں۔ ہمارا ملک ایک ترقی پذیر ملک ہے یہاں تعلیم کا حصول ایک مشکل عمل ہے تعلیم جیسا مذہبی فریضہ کا حصول بھی پیسوں کی بدولت ممکن ہوتا ہے تعلیم تک رسائی سب کے ہاتھ میں نہیں اس لیے ناخواندگی کی شرح زیادہ ہونے کی وجہ سے پسماندہ سماجی و اقتصادی پس منظر سے تعلق رکھنے والے افراد کو نئے الفاظ اور لسانی اختراعات تک پہنچ نہیں پاتے نئے الفاظ سے ناوواقفیت اور سمجھ کی کمی وجہ سے غیر مانوس الفاظ کے مسترد ہونے کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں سماجی و اقتصادی عوامل زبان کی سمجھ بوجھ اور اس کی مہارت کی سطح کر متاثر کرسکتے ہیں اعلیٰ سماجی و اقتصادی پس منظر سے تعلق رکھنے والے لوگ اکثر زبان کے وسائل (tools) اور زبان میں آنے والی نت نئی تبدیلیوں سے واقف ہوتے ہیں وہ نئے الفاظ اور لسانی اختراعات کو با آسانی اپنا لیتے ہیں جب کہ زبان کی کم سمجھ بوجھ یا مہارت رکھنے والے افراد نئے الفاظ و اختراعات کو سمجھنے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے بہت سی نئی لسانی اخترا عات سے لوگ ناواقف بھی ہوسکتے ہیں۔

سماجی و ثقافتی حیثیت کا ثقافتی سرمائے سے گہرا تعلق ہے جس میں علم، ہنر اور ثقافتی وسائل شامل ہیں۔ جو افراد کے پاس ہوتا ہے۔ اعلیٰ سماجی و اقتصادی حیثیت کے حامل افراد ثقافتی رجحانات، میڈیا اور فکری گفتگو سے زیادہ متاثر ہو جاتے ہیں جس سے وہ ثقافتی وقار اور نفاست سے وابستہ نئے الفاظ اور لسانی اختراعات کو قبول و رد کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مراعات یافتہ طبقہ لسانی تنوع اور اختراع کے حوالے سے زیادہ مثبت رویہ رکھتے ہیں جب کہ پسماندہ پس منظر کے حامل افراد زیادہ تر قدامت پسند ہوتے ہیں اور نئی لسانی اختراعات کے خلاف مزاحمت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

میڈیا میں زیادہ سماجی اور اقتصادی حیثیت والے لوگوں کی رسائی ہوتی ہے کیونکہ وہ ایسے پس منظر سے تعلق رکھتے ہیں جب ان کا واسطہ زیادہ تر سوشل نیٹ ورکس اور ثقافتی اثر و رسوخ سے پڑتا رہتا ہے جو نئے الفاظ اور لسانی اختراعات کو فروغ دیتے ہیں اس کے برعکس کم سماجی و اقتصادی پس منظر رکھنے والے افراد کا اثر و رسوخ محدود سطح کا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ الفاظ کے مسترد ہونے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں پیشہ ورانہ حالات میں پیشہ ورانہ تقاضے اور زبان کی ضروریات کو متاثر کرسکتے ہیں اعلیٰ درجوں کے پیشوں یا صنعتوں میں کام کرنے والے افراد اپنی ملازمت کے درمیان بہت سے نئے الفاظ و اصطلاحات کو اپنانے اور اس کو اپنی زبان میں ضم کرلیتے ہیں۔ اس کے برعکس کم درجے کے پیشوں والے افراد کا نئے الفاظ اور لسانی اختراعات سے سامنا کم پڑتا ہے۔ اس وجہ سے عوام کی طرف سے نئے الفاظ اختراعات کی جانب سے مزاحمت کا خدشہ ہوتا ہے۔

مجموعی طور پر سماجی و اقتصادی عوامل زبان کے مختلف رویوں، وسائل تک رسائی، ذرائع ابلاغ تک اثر ورسوخ، پیشہ ورانہ مطالبات اور سماجی نیٹ ورکس کے ساتھ جوڑتے ہیں، تاکہ نئے الفاظ اور لسانی اختراعات کو با آسانی قبول کیا جاسکے نئے الفاظ کو معاشرے میں قبول کرنے کے لئے راہ میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کی ضرورت ہے۔

نمائشی / مصنوعی پن(Perceived artificiality)

مصنوعی پن یا نمائشی نئے الفاظ کئی وجوہات کی بنا پر رد ہو سکتے ہیں۔ یا تو ان کو زبردستی اور اپنی عملی دھاک بٹھانے کے لیے بنایا جاتا ہے۔ ایسے الفاظ کو نمائشی الفاظ کہا جاتا ہے زبان میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جو قدرتی اور فطری عمل سے سامنے نہ آئیں ہوں۔ اور ان کو شہرت کے حصول اور مخصوص مقاصد یا ایجنڈوں کے تحت بنایا گیا ہو۔ اس حوالے سے سہیل بخاری لکھتے ہیں۔ " کبھی لوگ اپنی بولی کے بول اس لیے چھوڑ دیتے ہیں کہ بدیسی بول لکھ کر دیسی لوگوں پر اپنے علم کی دھاک بٹھائیں۔"[14] سہیل بخاری کی اس بات سے اتفاق کرتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ عملی دھاک وقتی طور پر بیٹھ بھی جائے تو یہ سب ایک وقتی عمل ہو گا۔ الفاظ وہی قبول ہوتے ہیں جو قدرتی اور فطری ضرورت کے تحت بنے ہوں ورنہ ایسے نئے الفاظ رد کر دیے جاتے ہیں۔

زبان استعمال کرنے والے بول چال میں صداقت اور سچائی کو اہمیت دیتے ہیں ایسے الفاظ جو غیر مستند اور بول چال یا ادب میں زبردستی داخل ہوں انہیں زبان کے چلاؤ میں مزاحمت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اس کے ساتھ ساتھ جو نئے الفاظ مخصوص لسانی یا مارکیٹنگ کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں اس میں مصنوعی پن پایا جاتا ہے ایسے الفاظ وقتی طور پر یا ہنگامی طور پر تو استعمال ہوتے ہیں لیکن کچھ عرصے بعد یہ لفظ

متروک ہو جاتے ہیں کیوں کہ زبان کے ماہرین اور روایت پسندوں کی بھی جانب سے پسندیدگی سے نہیں دیکھا جاتا۔

لفظوں کے قبول اور رد ہونے کی بے شمار صورتیں ہمارے سامنے آئیں جن میں زیادہ اہم وجہ کثرت سے نئے الفاظ کا استعمال ہے۔ اگر نئے الفاظ کو میڈیا پر بار بار دکھایا جائے بولا جائے یا تقریر و تحریر کا حصہ بنایا جائے تو لفظ بہت جلد قبولیت اختیار کر جاتے ہیں اور اس کے برعکس سوشل میڈیا اور ذرائع ابلاغ پر ان الفاظ کا استعمال منفی طرح سے کیا جائے تو ایسے الفاظ و اصطلاحات رد کر دی جاتی ہیں۔

حوالہ جات

1۔ نذیر احمد ملک، کشمیری سرمایہ الفاظ کے سر چشمے، انڈین پرنٹنگ پریس، سری نگر 1933، ص14

2- خلیل صدیقی، اردو کے لسانیاتی مباحث، مرتبہ ڈاکٹر نعمت الحق، بکس اینڈ ریڈرز، ملتان، 2024، ص90

3۔ سہیل بخاری، اردو کا روپ، کنول آرٹ پریس، لاہور، 1971، ص274-273

4۔ سید روح الامین، اردو ہے جس کا نام، عزت کادمی، گجرات، 2004، ص179

5۔ ایوب صابر، اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کا ربط باہم، مرتبہ پروفیسر فتح محمد ملک، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2010، ص44

6۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، 2013، ص95

7۔ http://www.humsub.com.pk/436985/farid-ahmad-raza-sp20-04-24, 10:55 P.M

8۔ روزنامہ ایکسپریس، اسلام آباد پانچ نومبر 2023، جلد23، شمارہ157

9۔ روزنامہ دنیا، اسلام آباد، پانچ نومبر 2023، جلد29، شمارہ242

10۔ روزنامہ جنگ (راولپنڈی)، چھ نومبر 2023، جلد65، شمارہ3030

11۔

https://www.gacebook.com/share/iqprjaamhsbkbqh3/?minbextid=xfxf2i

9 Nov, 2023 3:12 P.M

12۔ مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2013، ص47

13۔ صفدر قریشی، وحدت اللسان، فیض الاسلام پرنٹنگ سنٹر، راولپنڈی، 1999، ص31

14۔ سہیل بخاری، اردو کا روپ، کنول آرٹ پریس، لاہور، 1971، ص113

باب پنجم

مجموعی جائزہ، نتائج و سفارشات

مجوزہ مقالے کا بنیادی سروکار ان مباحث سے تھا کہ زبان کی توسیع کس طرح ہوتی ہے اور لفظی اشتقاق کا عمل کیسے زبان کی توسیع میں اپنا کردار ادا کرتا ہے اور اردو میں نئے الفاظ جو ظفر اقبال اور سمیع آہوجا نے شاعری اور افسانے میں بنائے، ان کو لفظی اشتقاق کی عملی صورتوں میں جانچا اور پرکھا جائے اور ان کے نئے الفاظ بنانے سے زبان کے خزانے میں کیسے توسیع ہوئی اور نئی زبان کے رد و قبول کی کون سی صورتیں ہیں جو زبان کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہیں اور کیسے ان الفاظ کو قبول کیا جاتا ہے۔ اور اس کا چلن کیسے ہوتا ہے۔ ماہرینِ لسانیات اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ زبان کا ارتقاء فطری عمل ہے۔ زبان کسی اصول کی پابند نہیں۔ وہ اپنا چلن خود پیدا کرتی ہے اور اس کی حفاظت بھی خود کرتی ہے۔ زبان پہلے اور اس کے قواعد و قانون بعد میں بنتے ہیں اور ارتقا کے عمل میں نئے نئے قواعد بنتے چلے جاتے ہیں اور کچھ قواعد متروک ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لفظ اتنی آسانی سے ختم نہیں ہوتے بلکہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اس کی موت واقع ہوتی ہے۔ زبان کیونکہ ایک سماجی عمل ہے اس میں فطری طور پر لچک پائی جاتی ہے اور نت نئے الفاظ کا اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ زبان کی توسیع کا عمل تین طرح سے ہوتا ہے۔ ایک عوامی سطح پر، دوسرا علمی سطح پر اور تیسرا ترجمے کی سطح پر۔

زبان کی تشکیل میں عوام کا کردار نہایت اہم ہے۔ عوامی زبان کی تخلیق میں اپنی مرضی و ارادہ شامل نہیں ہوتا بلکہ کچھ حالات و واقعات دراصل ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنے لفظی خزانے میں اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ وہ اکثر اوقات محسوس بھی نہیں کرتے کہ یہ اضافہ کس طرح سے عمل میں آرہا ہے۔ زبانوں میں آنے والی تبدیلیوں میں حذف و اضافہ عوام کے سیاسی اور اقتصادی حالات اور تغیر و تبدّل کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عوام میں بنائے جانے والے الفاظ ارادی تشکیل کے تحت نہیں بنائے جاتے بلکہ عوام کی زندگیوں میں بعض ایسے حالات آتے ہیں جن کی بدولت زبان میں تبدیلی آتی ہے۔ عوام کا یہ گروہ صحت الفاظ سے بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ خواص اس کی اصلاح اور کانٹ چھانٹ کرتے ہیں۔ جن الفاظ کی کانٹ چھانٹ نہیں کی جاتی وہ غلط الفاظ اس قدر رواج پا چکے ہوتے ہیں کہ اگر اسے صحت الفاظ کے ساتھ بولا جائے تو لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں۔ جیسے قلفی کا اصل لفظ قفلی ہے۔ زبان میں آنے والی تبدیلیاں غیر محسوس طریقے سے آتی ہیں۔ جن کا پتا بھی نہیں چلتا۔ جیسے اب اگر افسانوں اور شاعری میں علاقائی زبانوں کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان کا استعمال

بڑھتا چلا جارہا ہے۔ اب کوئی ایک جملہ انگریزی کے لفظ کو شامل کیے بغیر نہیں بولا جارہا۔ انگریزی کے اس غلبے نے اردو کی شکل تبدیل کر کے رکھ دی ہے۔ اردو کی یہ شکل استعماری رویے کی عکاسی کرتی ہے۔ اسلامی دورِ حکومت میں عربی وفارسی کے بے شمار الفاظ اردو میں شامل ہوئے۔ اسی طرح آج کل انگریزی استعمار کی زبان ہے تو انگریزی کے الفاظ اردو میں بھرتے چلے جارہے ہیں۔

اب اس دور میں ایک ناسخ کی ضرورت ہے جو معیار بندی کر سکے۔ تاکہ اردو ایک فصیح زبان کے طور پر اپنے ماضی سے بھی جڑی رہے اور نئے دور کے تقاضوں کو بھی نبھا سکے۔ جن الفاظ کے اردو لفظ موجود ہیں ان الفاظ کے انگریزی متبادلات استعمال نہیں کرنے چاہیں۔ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ ہمارے علما و ادباء بھی اردو میں انگریزی ملا کر نہ بولیں اور لکھنے میں بھی انگریزی الفاظ کا استعمال کم کریں۔ جہاں کوئی مجبوری ہو تو ٹھیک ہے ورنہ اردو متبادلات کا استعمال کریں۔ میڈیا اور سوشل میڈیا کے توسط سے عوام میں انگریزی الفاظ کے بولنے کا چلن بڑھتا جارہا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے بقول عوام کی زبان ہر دور میں غیر معیاری رہی ہے۔ مگر ہمارے علماء و ادباء و شعراء کی زبان معیاری ہوتی تھی۔ اب ان لوگوں کے ہاں یہ فرق مٹتا چلا جارہا ہے۔ اس مقالے میں ظفر اقبال کی شاعری اور سمیع آہوجا کے ہاں مستعاریت کی موجودگی اور عوامی لب و لہجے کی موجودگی کو دیکھا اور پرکھا گیا۔ دونوں کے ہاں مستعاریت کا عمل شعوری اور لاشعوری دنوں سطحوں پر دکھائی دیتا ہے۔ اس عمل سے جب مستعاریت کا عمل علاقائی سطح پر دیکھیں تو اس سے اردو کا رویہ دوسری علاقائی زبانوں کے ساتھ محبت کی ایک صورت کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ اتحاد کی علامت ہے۔ اردو کسی زمانے میں لکھنؤ، دلی اور دکن کی زبان سمجھی جاتی تھی۔ پاکستان میں اردو یہاں کی علاقائی زبان نہیں ہے بلکہ لنگوا فرانکا ہے جو رابطے کی زبان ہے۔ پورے ملک میں اردو سمجھی اور بولی جاتی ہے۔ اردو کو جو ماحول پاکستان میں میسر ہے تبدیلیاں بھی اسی ماحول کی پروردہ ہوں گی۔ اس لیے اب اردو کی شکل وصورت تبدیل ہو چکی ہے۔ اس میں یہاں کا مقامی لہجہ شامل ہو چکا ہے۔ یہاں پر نیا محاورہ تشکیل پارہا ہے جو کوڈ سوئچنگ اور کوڈ مکسنگ کی بدولت ہے۔ اسی طرح نئے الفاظ مختلف زبانوں کے اردو میں رائج ہو چکے ہیں اور اب پاکستانی اردو کی اپنی صورت ہے جو یہاں کے ماحول سے مل کر بنی ہے۔

جوں جوں تمدن میں ترقی ہوتی ہے ادھر زبان میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی طرح عوامی سطح پر بولے جانے والے الفاظ کا چلن آرام سے ہو جاتا ہے کیونکہ عوام میں لفظ ضرورت کے تحت بنائے جاتے ہیں۔ جیسے سیلفی، کرونا، گلوازم، جگاڑ وغیرہ الفاظ لغت میں شامل ہو چکے ہیں اور ان کا چلن بھی ہو چکا ہے۔ اس طرح عوام

میں بننے والے تمام الفاظ کا چلن نہیں ہوتا لیکن ضرورت کے تحت بننے والے الفاظ عوام میں رائج ہو جاتے ہیں۔

زبان میں دوسرا توسیع زبان کا عمل علمی سطح بنائے جانے والے الفاظ ہیں جو علمی و ادبی سطح پر ادباء و شعراء کے ہاں بنائے جاتے ہیں۔ ادبی سطح پر بنائے جانے والے الفاظ اس وقت بنائے جاتے ہیں جب شاعر و ادیب اپنی بات کے اظہار کے لیے لفظوں کی کمی پاتے ہیں تو نئے لفظ بناتے ہیں۔ یہ عمل بھی دانستہ اور غیر دانستہ دونوں طرح سے واقع ہوتا ہے۔ اگر تاریخ پر نظر دوڑائیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ زبان کے ارتقا کا عمل شروع ولی دکنی کی شاعری سے ہوا۔ اس وقت ہندوستان کی زبان تو ہندی تھی اور علمی سطح پر سنسکرت کا قبضہ تھا۔ مگر دربار کی زبان فارسی تھی۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی کے محاورات، ضرب المثل اور الفاظ بے شمار اردو میں شامل ہوئے۔ یہ سب لسانی تشکیلات کی بدولت ہوا۔ پھر ایہام گو شعرا کے ہاں نئے لفظ و معنی کی تلاش نے اردو شاعری میں کئی نئے الفاظ و مفہوم شامل کیے۔ سینکڑوں مقامی الفاظ اردو زبان کا حصہ بنے۔

اس دور کے بعد لسانی تشکیلات کا دوسرا دور آتا ہے جو میر و سودا کا دور کہلاتا ہے۔ اس دور میں زبان کی بہتری کے لیے بہت سے تجربات کیے گئے۔ میر تقی میر نے عربی و فارسی اسماء کے ساتھ یائے نسبتی لگا کر صفتیں بنائیں۔ میر وہ شاعر ہے جس نے زبان کو شاعری بنا دیا۔ نئے محاورے اور نئے الفاظ بنائے جو اردو کی روایت کا حصہ بننے کے ساتھ ساتھ زبان کی توسیع کا باعث بنا۔

زبان کے حوالے سے اہم کام ناسخ اور اس کے شاگردوں کا ہے۔ انہوں نے دلی کی بجائے لکھنؤ کے محاورے کو اہمیت دی۔ ناسخ نے تذکیر و تانیث کا قاعدہ مقرر کیا اور اردو زبان کی کانٹ چھانٹ کی اور زبان کی معیار بندی کی۔ زبان کی سنوارنے میں ان کا کردار کبھی بھلایا نہیں جائے گا۔ اس کے بعد غالب کا دور آیا جس میں نئی علامات وضع کی گئیں، نئی لفظیات تخلیق کی گئیں۔ جنگ آزادی کے بعد پرانی لفظیات ختم ہوئیں اور غزل کی بجائے نظم کا دور شروع ہوا۔ اس دور کو حالی و اقبال کا دور کیا جاتا ہے۔ نئے استعارات، نئی علامات اور لفظوں کو نئے مفاہیم دیے گئے۔

اس کے بعد ایک لمبے عرصے تک زبان کی روایات کو برتا گیا۔ پھر لسانی تشکیلات والوں نے پرانی زبان کو مردہ قرار دیا کہ نئے دور میں نئی زبان ہونی چاہیے۔ نئی لغت کی کمی کو محسوس کیا گیا۔ نئے سانچوں کی ضرورت پر کام کرنے کو زور دیا۔ کیونکہ کھوکھلے الفاظ اب نئی شاعری نہیں پیدا کر سکتی۔ جیلانی کامران نے پرانی شعریت شعر العجم کو قرار دیا۔ شعر العجم میں لفظ کی اہمیت پر زور دیا مگر شاعر کے تخلیقی عمل کا تذکرہ نہیں

ملتا۔ افتخار جالب اس بات پر زور دیتے کہ جب تجارتی و سماجی زندگی تبدیل ہو کر رہ گئی ہے تو شعر و ادب کی زبان کیوں پرانی ہے۔ اسے بھی وقت کے ساتھ تبدیل ہونا چاہیے۔ اس تحریک کے زیرِ اثر ظفر اقبال، جون ایلیا، شیر افضل جعفری، سعادت سعید، جلیل عالی وغیرہ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور نئے الفاظ بنائے اور نئی زبان تخلیق کی مگر یہ زبان عوام میں چل نہ سکی اور اس لیے استرداد کا شکار ہوئی۔

زبان کی توسیع کا تیسرا عمل ترجمے کا ہے۔ جب مترجم کسی دوسری زبان سے ترجمہ کرتا ہے تو اس کو بے حد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے الفاظ و تراکیب کو ٹارگٹ لینگویج میں ڈھالنا ایک آسان امر نہیں ہوتا۔ اسے بہت سے الفاظ و محاورات و تراکیب کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے وہ بہت سے الفاظ ترجمہ کرتا ہے یا پھر ان الفاظ کو جوں کا توں استعمال کرتا ہے۔ جوں کا توں استعمال کرنے کو مستعاریت کہا جاتا ہے۔ الفاظ کا یہ لین دین زبان کے لفظی ذخیرے میں اضافہ کرتا ہے۔ مجوزہ مقالے میں بہت سے ایسے الفاظ ملے جن کو جوں کا توں استعمال کیا گیا اور بہت سے ایسے الفاظ بھی شامل تھے جن کا ترجمہ کیا گیا۔ بہت سے ایسے الفاظ بھی شامل ہیں جو اردو میں ڈھال کر اردو قواعد کے مطابق برتا گیا ہے۔ توسیع زبان کا یہ عمل بے حد اہمیت کا حامل ہے۔

اشتقاق کے تحت بہت سے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ یہ تصریفی اشتقاق، لفظی اشتقاق اور مرکب سازی کے تحت بنائے جاتے ہیں۔ لفظ کی تشکیل خود بخود نہیں ہوتی بلکہ اس کی تشکیل کے پیچھے بہت سے عوامل و محرکات ہوتے ہیں جو اس کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ آج تک ہم لفظ سے واقف تھے اور کلمہ کو اس کی چھوٹی اکائی تصور کرتے ہیں۔ لیکن جب لسانیات میں مارفیم کا تصور آیا تو اس سے یہ بات سامنے آئی کہ مارفیم کلمہ سے بھی چھوٹی اکائی ہے۔ مارفیم کی اکائی جس علم کی بدولت ہمارے سامنے آئی اسے مارفالوجی کہتے ہیں۔ یہ لسانیات کی وہ قسم ہے جس میں زبان کے چھوٹے سے چھوٹے بامعنی لسانی رویوں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ مارفیم کی دو اقسام ہیں۔ پابند مارفیم اور آزاد مارفیم۔ آزاد مارفیم میں بامعنی لفظ پایا جاتا ہے جبکہ پابند مارفیم اپنا اکیلا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ آزاد مارفیم سے مل کر معنی دیتا ہے۔ لفظ کی ساخت کی بنیادی اکائی مارفیم ہے جو معنوی طور پر بھی آزاد ہوتی ہے۔ ان مارفیموں سے مل کر بننے والے الفاظ زیادہ تر تصریفی اشتقاق، لفظی اشتقاق اور مرکب لفظ ہوتے ہیں۔ یہ الفاظ پہلے سے موجود الفاظ سے مل کر بنتے ہیں۔ لفظی اشتقاق کے تحت نئے الفاظ بنتے ہیں جبکہ تصریفی اشتقاق میں پہلے سے موجود الفاظ سے نئے الفاظ جو اجزائے کلام سے بنتے ہیں، ان میں عدد، جنس اور حالت کا بیان ہوتا ہے۔ اس کا بنیادی مادہ ایک ہی رہتا ہے اور یہ لفظ کی بیرونی پرت کہلاتی

ہے۔اور یہ قواعدی زمرہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ایک بنیادی لفظ سے ایک نیا بنیادی لفظ بنتا ہے۔ جبکہ تصریفی اشتقاق میں نہ نیا لفظ بنتا ہے بلکہ لُغویہ کی صورت کو تبدیل کر دیتے تاکہ وہ مختلف سیاق و سباق میں استعمال کرنے کے قابل ہو۔

ہندیورپی زبانوں کے خاندان میں مرکب سازی کے ذریعے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ اس طریقے میں دو یا دو سے زائد آزاد مارفیم ہو ملا کرنئے الفاظ بنائے جاتے تھے۔ انہیں اصطلاح میں مرکب کہا جاتا ہے۔ یا تو وہ الفاظ دونوں مفرد ہوں یا دونوں جمع ہوں۔ بعض اوقات دونوں الفاظ مل کر ایک معنی دیتے ہیں اور بعض اوقات الگ معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ زبان کی توسیع میں یہ تینوں طریقوں سے الفاظ بنائے جاتے ہیں۔ یہ ہر بار نئے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ اکثر اوقات دوسری زبانوں سے ادھار بھی لے لیا جاتا ہے۔ مرکب کو بھی صرف میں اور کبھی نحو میں شامل کیا جاتا ہے۔ اور گیان چند اسے دونوں کی سرحد پر واقع قرار دیتے ہیں لیکن انگریزی میں اسے مارفالوجی میں شامل کیا جاتا ہے۔ مجوزہ مقالہ میں مرکب کے ذریعے سے بننے والے نئے مرکب کو اس میں شامل نہیں کیا گیا۔ یہاں صرف اس عمل کی مختصر وضاحت کی گئی ہے۔

لفظی اشتقاق کا عمل دو حصوں پر مشتمل ہے۔ جس میں الحاقیت اور صفر الحاقیت اور لفظ سازی کے دوسرے ارکان بھی شامل ہیں۔ مجوزہ مقالے میں زبان کے بڑھنے کے عمل کا جائزہ لیا گیا جس سے یہ بات سامنے آئی ان طریقہ کار کی مدد سے جو لفظ بنائے گئے وہ ظفر اقبال و سمیع آہوجا کے ہاں بھی ملتے ہیں۔ الحاقیت کے عمل میں سابقے، لاحقے، وسطیے اور ابتدایئے انتہایئے شامل ہیں۔ ظفر اقبال کے ہاں یہ تمام عملی صورتیں موجود ہیں۔

لفظی اشتقاق (Derivation) کی دو صورتیں ہیں۔ ایک الحاقیت اور دوسری صفر الحاقیت ہے۔ ظفر اقبال اور سمیع آہوجا کے ہاں ان کی مختلف صورتیں ملتی ہیں اور ان کے رد و قبول کی صورتیں ملتی ہیں اور ان کے رد و قبول کی صورتیں بھی الگ ہیں۔

الحاقیت (Affixation) کے عمل میں نئے سابقے، لاحقے، وسطیے اور ابتدایئے انتہایئے شامل ہیں۔ ظفر اقبال کے ہاں چاروں صورتیں ملتی ہیں۔ جس میں لاحقوں کی تعداد باقی اقسام سے زیادہ ہے۔ اردو زبان میں قواعدی اعتبار سے سابقے اور لاحقوں کا ذکر ملتا ہے اور لسانی کتب میں وسطیے کا بھی ذکر تھوڑا بہت ملتا ہے۔ مگر ابتدایئے انتہایئے (circumfixes) کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ پہلی بار مجوزہ مقالے میں اس طریقے سے

بنائے گئے الفاظ کو جانچا اور پرکھا، اردو میں ابتدا ئیے انتہائے ملتے ہیں۔ اس مقالے میں نئے الفاظ کے حوالے سے بات کی گئی ہے۔

ظفر اقبال نے کئی نئے قاعدے ایجاد کیے جس مین اہم الف کا قاعدہ ہے۔ اگر کسی لفظ کے شروع میں الف لگا دیا جائے تو وہ بطور حرف اضافت ہو گا۔ اسی طرح اگر کسی لفظ کے ساتھ بلکہ کسی اسم کے ساتھ ''س'' لگانے سے وہ لفظ اسم سے فعل میں تبدیل ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ پنجابی قاعدوں کا استعمال بھی ہمیں ان کی شاعری میں ملتا ہے۔ مثلاً پنجابی قاعدے میں کسی لفظ کے ساتھ ''ویں'' کا اضافہ کریں تو اس صفت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً قہر سے قہرویں۔ ایک زبان ہر دو مختلف زبانوں کے قاعدے لگا کر بھی نئے الفاظ بنائے جا سکتے ہیں۔ اردو میں ان کی کئی مثالیں ملتی ہیں جن پر ہندی، فارسی اور عربی کے قواعد لگا کر استعمال کیا جاتا ہے۔ نئے افعال ظفر اقبال نے اپنی شاعری میں بنائے۔ کچھ افعال تو اسم سے اور کچھ صفت سے بنائے گئے۔ زیادہ تر نئے قافیے اختراع کیے گئے۔ اس سے ایک طرف تو شعری ضرورت پوری ہوئی تو دوسری طرف اردو زبان میں بہت سے نئے افعال شامل کیے۔ ظفر اقبال نے لسانی تشکیلات کے حوالے سے جو نئے الفاظ بنائے اس میں بہت سی صفات بھی بنائیں جو اردو قاعدے کے تحت بنائی گئی۔ جیسے صبور سے صبوری۔ یہ اردو زبان کا قاعدہ ہے جس میں اسم کے ساتھ آکر میں ''ی'' کا اضافہ کیا جائے تو اسم صفت میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر بار ''ی'' کا اضافہ کرنے سے صفت ہی بنے۔ اس قاعدے سے مؤنث بھی بنتے ہیں اور تصغیر بھی۔ ظفر اقبال کے ہاں مؤنث بننے کے عمل کے ساتھ ساتھ تصغیر کے عمل سے نئے الفاظ بھی بنائے گئے ہیں جیسے قتلمہ سے قتلمی۔

ظفر اقبال کے ہاں نہ صرف لفظی اشتقاق کا عمل ملتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ تصریفی اشتقاق (Derivational inflection) کا عمل بھی ملتا ہے۔ اس عمل کے تحت عدد، جنس اور حالت کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ ظفر اقبال کے ہاں تصریف کا عمل بھی ملتا ہے۔ جس میں لفظوں کی جمع اور مؤنث بنانے کا عمل ہے۔ ظفر اقبال کی شاعری میں تصریفی اشتقاق اور لفظی اشتقاق کی تمام صورتیں ملتی ہیں۔ ظفر اقبال کی شاعری میں انگریزی الفاظ کے ساتھ اردو کے لاحقے لگا کر بھی نئے الفاظ بنائے گئے۔ جیسے لفظ سٹاپ سے سٹاپا بنایا گیا۔

لفظی اشتقاق دوسرا عمل صفر الحاقیت ہے۔ جس میں لفظ میں تبدیلی لائے بغیر اسے دوسرے معنوں میں استعمال کرنا ہے۔ جو اس سے پہلے استعمال نہ کیا گیا ہو۔ اسے تحویل (conversion) کا عمل کہتے

ہیں۔ ظفر اقبال کے ہاں یہ عمل بھی پایا جاتا ہے۔ جیسے انہوں نے لفظ داستانی، جو کہ صفت ہے داستان سے متعلق یا منسوب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے، کو داستان گو کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ زبان میں توسیع کا عمل لفظوں کے بننے کے عمل سے ہوتا ہے اور لفظ سازی کے مختلف طریقے ہیں۔ جس میں آمیختہ (blending)، مستعاریت (borrowing)، ترکیبِ اختصار (clipping)، مخففات، مختصرات، منہائی اور نولفظیت شامل ہے۔ ظفر اقبال کی شاعری میں پائے جانے والے نئے الفاظ میں ہمیں آمیختہ اور ترکیبِ اختصار کی عملی صورتیں ملتی ہیں۔

مستعاریت کا عمل ظفر اقبال کی شاعری میں جابجا ملتا ہے۔ ان کے ہاں علاقائی زبانوں کے بہت سے الفاظ ملتے ہیں۔ جن میں پنجابی، کشمیری، گجراتی، بلوچی، سندھی، سرائیکی کے بہت سے الفاظ شامل ہیں۔ مختلف زبانوں کے الفاظ کو اپنی شاعری میں برتنا گویا ہم وطنوں سے اپنے رابطے کو مؤثر اور مستحکم بنانا ہے اور چاروں صوبوں کی ثقافت کو قریب لانے کے لیے ایک احسن قدم ہے۔

ظفر اقبال نے پرانے الفاظ کا اپنی شاعری میں استعمال کر کے ان کو نئی زندگی بخشی ہے۔ ظفر اقبال کے ہاں اشتقاق کی عملی صورتیں ملتی ہیں لیکن ان کے بنائے گئے بہت سے الفاظ کا عوام میں چلن نہ ہو سکا۔ اس کی ایک بڑی وجہ ان کا خود اپنی تخلیقات میں تبدیلی کرنا تھا۔ ظفر اقبال نے مستعار لیے گئے جن الفاظ کو اردو شاعری میں استعمال کیا وہ ایسے الفاظ تھے جن کے متبادل پہلے سے اردو زبان میں موجود تھے۔ اس لیے ان کی یہ کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ ایسے الفاظ کو نمائشی الفاظ کہا جاتا ہے جو علمیت ظاہر کرنے کے لیے بنائے جاتے ہیں۔ اس لیے ان کے مستعار لیے گئے الفاظ رد کر دیے گئے اور ان کا چلن نہ ہو سکا۔ ظفر اقبال کے بنائے گئے نئے الفاظ کو ادبی سطح پر قبولیت حاصل ہوئی۔ بہت سے ادباء و شعراء نے اس عمل کی تعریف کی مگر ان الفاظ کو عوامی سطح پر مقبولیت حاصل نہ ہو سکی۔ اس کی عدم قبولیت کی وجہ ان الفاظ کا میڈیا پر چرچا نہ ہونا اور اس کا لغت میں شامل نہ ہونا ہے۔ ایسے بہت سے الفاظ بنائے جا رہے ہیں مگر اس کا چلن کب ہو گا۔ ہو گا یا نہیں؟ یہ وقت ثابت کرے گا۔

مستعاریت کے عمل میں اردو زبان میں جو لفظ شامل ہوئے وہ اسماء و صفات زبان کو نقصان پہنچائے بغیر اردو زبان کے خزانے کو بھرتی گئیں۔ انگریزی کے بہت سے الفاظ کے ساتھ ساتھ اصطلاحات، مخففات اور ان الفاظ کو اردو قواعد میں ڈھال کر اردو زبان میں شامل کیا گیا ہے جو کہ ظفر اقبال کی زبان پر گرفت کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ انگریزی کے الفاظ کو مقامی لہجے کے ساتھ برتا ہے جیسے لفظ پولیس کو پُلس کہا

ہے۔ اس شعر میں مقامی لب و لہجہ سمو دیا ہے۔ گرائمر (قواعد) کی تبدیلی سے نئے الفاظ کی تشکیل کی گئی ہے۔ سمیع آہوجا کے ہاں اشتقاقی الحاقیے میں "ی" کے اضافے سے بہت سے الفاظ کی صفتیں بنائی گئیں۔ یہ عمل ان کے افسانوں میں وافر مقدار میں ملتا ہے۔

اشتقاقی لاحقوں کے ساتھ تصریفی لاحقے بھی ملتے ہیں جو پنجابی قاعدے کے تحت بنائے گئے ہیں۔ "اں" کے لاحقے کے استعمال سے جمع بنائی گئی۔ "اں" کا قاعدہ صرف پنجابی میں ہی نہیں فارسی، ہریانوی اور کھڑی بولی اور اردو میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اردو میں یہ قاعدہ اب استعمال نہیں ہوتا۔ اس قاعدے کے بارے میں ہمیں "سب رس" میں بھی ذکر ملتا ہے۔ یہ ایک خوش آئند عمل ہے کہ پرانے قاعدوں کو دوبارہ استعمال کر کے انہیں نئی زندگی بخشی۔ سمیع آہوجا کے افسانوں میں ہمیں اردو لاحقوں کے ساتھ انگریزی کے لاحقوں کے ذریعے بھی نئے الفاظ ملتے ہیں۔ اردو میں انگریزی لاحقے "ز" اور "س" کے ذریعے تصریفی الحاقیے بنائے گئے جیسے میسز (messes) اور پیسز (pieces) وغیرہ۔

سمیع آہوجا کے ہاں لاحقوں کے ذریعے جمع اور صفات بنائی گئی ہیں۔ ان کے ہاں نئے وسطیے، سابقے اور ابتدایئے انتہایئے نہیں ملتے۔ بنائے گئے نئے الفاظ کو بار بار مختلف افسانوں میں استعمال کیا ہے اور وہ الفاظ ایسے ہیں جو افسانوی ضرورت کے تحت بنائے گئے اور زبان کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ ان میں غیریت کا عنصر نہیں ملتا۔ دانستہ طور پر بنائے ہوئے الفاظ تو ہیں لیکن ان کے بنائے نئے الفاظ سے ان کے افسانوں کی فضا بوجھل نہیں کرتے۔

لفظوں کو ان کے نئے مفہوم میں برتنا ایک آسان عمل نہیں۔ سمیع آہوجا نے لفظوں کے نئے مفہوم میں خوبصورتی سے برتا ہے۔ لفظوں کو نئے مفہوم میں برتنا صفر الحاقیت کے زمرے میں آتا ہے۔ جس میں لفظ کی قواعدی حیثیت بدل جاتی ہے۔ اردو میں پرانے ایسے بہت سے الفاظ ملتے ہیں جو کہ کئی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں مگر ہمیں نئے الفاظ بہت کم ملتے ہیں جو کسی نئے مفہوم میں استعمال ہوا ہو۔ یہ سمیع آہوجا کی زبان پر دسترس کا ثبوت ہے۔

زبان کی توسیع کا ایک اہم عمل مستعاریت ہے۔ سمیع آہوجا کے ہاں نہ صرف علاقائی زبانوں بلکہ بین الاقوامی زبانوں پر بھی دسترس ہے۔ ان کی نثر میں ہمیں پاکستانی زبانوں کے علاوہ فارسی، ہندی، انگریزی و قدیم زبان اوستائی اور ژند کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ ان کے ہاں ان زبانوں کے الفاظ کی وہ صورتیں مختلف طرح سے ملتی ہیں۔ انہوں نے زبان کو مستعار لیتے وقت مختلف طریقے اپنائے۔

الفاظ کو جوں کا توں اردو رسم الخط میں ڈھال کر استعمال کیا۔

بہت سے الفاظ کا ترجمہ کر کے اپنے افسانوں میں استعمال کیا۔

بہت سے الفاظ کو اردو قواعد میں ڈھال کر اردوالیا گیا۔

نئے الفاظ کی صورت میں مستعاریت کی مد میں جو الفاظ سمیع آہو جا نے اپنے افسانوں میں استعمال کیے وہ زیادہ تر اسما و صفات ہیں۔ اسما و صفات کے شامل ہونے سے زبان پھلتی پھولتی ہے۔ اسے اردو زبان ساخت و بناوٹ کے مطابق ڈھال لیتی ہے۔ سمیع آہو جا کے ہاں مقامی لب و لہجہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے جو لفظ جیسا بولا جاتا ہے۔ وہ اسے اسی طرح لکھتے ہیں۔ "پشاور" پیشاور لکھتے ہیں۔

لفظی اشتقاق کی ایک عملی صورت صفر الحاقیت ہے۔ سمیع آہو جا کے افسانوں میں اس کی عملی صورت ہمیں ملتی ہے۔ اسی طرح سمیع آہو جا کے ہاں لفظ سازی کی دیگر صورتیں بھی ملتی ہیں جن میں آمیختہ (blending) کی ایک صورت ہے۔ اڑنا پھنسنا کو وہ اڑ پھنس کہتے ہیں۔

اصطلاحات لفظ سازی میں اہم عمل ہے لیکن یہ کام ہر گز آسان نہیں ہے۔ آج کل اصطلاحات کا ترجمہ بھی نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ دیگر زبانوں کی اصطلاحات کو جوں کا توں استعمال ملتا ہے۔ اس لیے ان کے ہاں نئی اصطلاحات نہیں ملتیں۔ سمیع آہو جا کے ہاں ایسے الفاظ ملتے ہیں جو اردو میں آج کل کم مستعمل ہے۔ وہ الفاظ جو ہمارے آبا و اجداد استعمال کرتے ہین مگر نئی آنے والی نسل استعمال نہیں ہو رہے اور ان کے کم چلن ہونے سے ان الفاظ کے متروک ہونے کے چانسز بڑھتے جا رہے ہیں۔ مثلاً بالک، لوگائی وغیرہ۔

سمیع آہو جا کے بنائے ہوئے نئے الفاظ کا ہمیں چلن نہیں ملتا۔ اس کی وجہ اس کا استعمال ہے۔ چاہے وہ ادبی سطح پر ہو یا عوامی سطح پر۔ ان کے بنائے ہوئے خوبصورت الفاظ کو عوام میں پھیلایا جائے تاکہ عوام ان سے واقف ہو سکیں یا ان الفاظ کو لغت میں شامل کیا جائے۔ تاکہ ان کی محنت اور اردو سے محبت کو سامنے لایا جا سکے۔

اردو زبان پر کام کرنے والے افراد بے حد کم ہیں اور جنہوں نے اس کام کو کیا ہے ان کو سراہنے کی اشد ضرورت ہے۔ لسانی تشکیلات والوں نے زبان میں تبدیلی کی ضرورت پر زور دیا اور اس عمل کی عملی صورت ہمیں سمیع آہو جا کے ہاں ملتی ہے۔ ظفر اقبال اور سمیع آہو جا کے ہاں نئے لفظوں کی رد ہونے کی بڑی وجہ ان کا کثرت سے استعمال نہ ہونا او ادبی سطح پر ان کا استعمال نہ ہونا ہے۔ اگر سوشل میڈیا کے ذریعے ان الفاظ کو پھیلایا جاتا تو آج وہ روایت کا حصہ بن کر لغت میں شامل ہو چکے ہوتے۔ مگر نئے آنے والے شعراء نے

ان الفاظ کے بننے کے عمل کو آگے بڑھایا ہے جو کہ ایک خوش آئند بات ہے۔ توسیع زبان کے تین طریقوں میں سے ایک حصہ عملی سطح پر بننے والے نئے الفاظ کا جائزہ مجوزہ مقالہ میں پیش کیا گیا ہے۔ مجوزہ مقالے میں تحقیق کے حوالے سے اٹھائے گئے سوالات کے نتائج درج ذیل ہیں:

- الحاقیت کے تناظر میں جب ظفر اقبال کی شاعری اور سمیع آہوجا کے افسانوں کا جائزہ لیا گیا تو اس بات کا اندازہ ہوا کہ ظفر اقبال کے ہاں الحاقیت کی عملی صورتیں ان کے بنائے ہوئے نئے الفاظ میں ملتی ہیں جبکہ اس کے برعکس سمیع آہوجا کے الحاقیت کی صرف ایک صورت اشتقاقی لاحقے کی ملتی ہے۔ جبکہ ظفر اقبال کے ہاں اشتقاقی اور تصریفی دونوں صورتیں پائی جاتی ہیں۔
- صفر الحاقیت کے تناظر میں جب ظفر اقبال کی شاعری اور سمیع آہوجا کے افسانوں کا جائزہ لیں تو دونو ں کے ہاں لفظی اشتقاق کی عملی صورتیں نظر آتی ہیں۔
- ظفر اقبال کے ہاں نئے افعال بنائے گئے۔ بہت سی نئی صفتیں ان کی شاعری میں ملتی ہیں مگر جو خوبصورت صفتیں سمیع آہوجا کے ہاں ملتی ہیں ان کا کوئی ثانی نہیں۔
- سمیع آہوجا کے ہاں کسی نئے قاعدے کی ایجاد نہیں ملتی بلکہ پرانے قاعدوں کی مدد سے نئے الفاظ بنائے گئے جبکہ ظفر اقبال کے ہاں ہمیں پرانے قاعدوں کے ساتھ ساتھ نئے قواعد کی اختراع بھی ملتی ہے۔
- مستعاریت کا عمل ظفر اقبال اور سمیع آہوجا دونوں کے ہاں ملتا ہے۔ ظفر اقبال کے ہاں علاقائی زبانوں کے الفاظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں مگر وہ چاروں صوبوں کی ثقافت اور اتحاد و یک جہتی کی علامت ہے۔ اس کے برعکس سمیع آہوجا کے ہاں علاقائی زبانوں کے ساتھ غیر ملکی اور قدیم زبانوں خصوصاً اوستائی اور ژند زبان کے بہت سے الفاظ ملتے ہیں۔ جو ان کی زبان پر دسترس کو ظاہر کرتے ہیں۔ جبکہ ظفر اقبال کے مستعار الفاظ میں مصنوعی پن نظر آتا ہے۔
- ظفر اقبال اور سمیع آہوجا دونوں کے ہاں نئے الفاظ کے بننے میں زیادہ تر پنجابی، ہندی، فارسی، عربی، سنسکرت اور انگریزی کے قواعد استعمال کیے ہیں۔
- لسانی تشکیلات کی تحریک کے تحت نیاڈکشن اور نئی لفظیات اردو زبان میں داخل ہوئیں مگر یہ لوگ اپنے مینی فسٹو کے مطابق تو کام نہیں کر سکے البتہ انہوں نے پرانے الفاظ کو توڑ پھوڑ کر نئے لفظ بنانے اور پرانے لفظوں کو نئے مفاہیم پہنائے اور اس کے بعد آنے والے ادباء و شعراء میں سعادت سعید، شیر افضل جعفری، افتخار بیگ،

جون ایلیاء، جلیل عالی، ادریس بابر اور عزیز فیصل نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ جلیل عالی کے ہاں ظفر اقبال کی طرح نئے افعال اور نئے مصادر ملتے ہیں۔

سفارشات

- سمیع آہوجا کے افسانوں میں نہ صرف ملکی حالات بلکہ بین الاقوامی سطح پر ہونے والے تاریخی واقعات ملتے ہیں جن کا نو تاریخیت(new historicism) کے تناظر میں جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔
- توسیع زبان کی دیگر صورتوں میں ترجمہ اور عوامی بول چال کے حوالے سے زبان میں آنے والے تبدیلیوں کو زیرِ تحقیق لانا چاہیے۔
- آمیختہ /ترکیب ملاوٹ(blending) لفظ سازی کی اہم صورت ہے۔ اس کی اقسام اور بناوٹ و ساخت کو زیرِ تحقیق لانے کی ضرورت ہے۔

کتابیات

بنیادی مآخذ (WORKING BIBLIOGRAPHY)

- سمیع آہوجا، متن گمشدہ، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء
- سمیع آہوجا، ننانوے کے پھیر میں، سانجھ پبلی کیشن، لاہور، 2014ء
- ظفر اقبال، اب تک (کلیات)، جلد چہارم، ملٹی میڈیا افیئرز، لاہور، 2012ء
- ظفر اقبال، اب تک (کلیات)، جلد دوم، ملٹی میڈیا افیئرز، لاہور، 2005ء
- ظفر اقبال، اب تک (کلیات)، جلد سوم، ملٹی میڈیا افیئرز، لاہور، 2006ء
- ظفر اقبال، اب تک (کلیات)، جلد پنجم، رنگ ادب، کراچی، 2016ء
- ظفر اقبال، اب تک (کلیات)، جلد اول، ملٹی میڈیا افیئرز، لاہور، 2004ء
- ظفر اقبال، گلافتاب، جلد اول، سویرا آرٹ پریس، لاہور، 1966ء
- ظفر اقبال، رطب و یابس، جلد اول، شب خون کتاب گھر، الہ آباد، 1970ء

- **ثانوی مآخذ**

- ابو للیث صدیقی، ڈاکٹر، جامع القواعد (حصہ صرف)، طبع سوم، اردو سائنس بورڈ، لاہور، 2012ء
- احمد دین، سرگزشت الفاظ، عالمگیر پریس، لاہور، 1932ء
- ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، مڈھلی پنجابی گرامر، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، لاہور، 2021
- افتخار بیگ، ڈاکٹر، لسان اور لسانیاتی مسائل و مباحث، مثال پبلشرز، فیصل آباد، 2021
- افتخار جالب، مآخذ، مکتبہ ادب جدید، لاہور، طبع اول، 1963
- اقتدار حسین خان، ڈاکٹر، لسانیات کے بنیادی اصول، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، 1985ء
- انشااللہ انشا، دریائے لطافت، آفتاب اکیڈمی، کراچی، 1898
- ایوب صابر، اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں کا ربط باہم، مرتبہ پروفیسر فتح محمد ملک، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2010
- جابر علی سید، جدید شعری تنقید، بیکن بکس ملتان، 2002ء
- جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، مجلس ترقی ادب، لاہور، 2006

- جیلانی کامران، استانزے، مکتبہ ادب جدید، لاہور، 1959
- حمیرا جلیلی، سب رس کی تنقیدی تدوین، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، طبع اول، 1983
- خلیل صدیقی زبان کیا ہے، بیکن بکس، ملتان، 2019
- خلیل صدیقی، اردو کے لسانیاتی مباحث، مرتبہ ڈاکٹر نعمت الحق، بکس اینڈ ریڈرز، ملتان، 2024
- خلیل صدیقی، لسانی مباحث، زمرد پبلی کیشیز، کوئٹہ، 1991
- ڈاکٹر تبسم کاشمیری "رونمائی میں ضم ہونے کا مجرم" (دیباچہ)، سانجھ پبلی کیشنز، لاہور، 2009
- ڈیوڈ کرسٹل، لسانیات کیا ہے، مترجم ڈاکٹر نصیر احمد خان، ترقی اردو بیورو دہلی، 2000
- رشید حسن خان، زبان و قواعد، زبیر بکس، لاہور، س ن
- روف پاریکھ، لسانیات کے بنیادی مباحث، سٹی بک پوائنٹ کراچی، 2021
- سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، سنگ میل پبلی کیشن، لاہور، 2013
- سہیل بخاری، اردو کا روپ، کنول آرٹ پریس، لاہور، 1971
- سہیل بخاری، ڈاکٹر، تشریحی لسانیات، فضلی سنز، کراچی، 1998
- سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو کی زبان، فضلی سنز لمیٹڈ، کراچی، 1997
- سہیل بخاری، ڈاکٹر، لسانی مقالات (حصہ سوم)، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد
- سہیل بخاری، ڈاکٹر، اردو میں دخیل اور دخیل نما الفاظ، جامعہ کراچی دار التحقیق برائے علم و دانش، کراچی، س ن،
- سہیل عباس بلوچ، ڈاکٹر، بنیادی اردو قواعد، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد 2010
- سید روح الامین، اردو ہے جس کا نام، عزت کادمی، گجرات، 2004
- شان الحق حقی، لسانی مسائل و لطائف، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 1996
- شہزاد احمد، رنگ غزل، علی پرنٹرز، لاہور، 2008
- شیر افضل جعفری، سانولے من بھانولے، مکتبہ ادب جدید، لاہور 1963
- صفدر قریشی، وحدت اللسان، فیض الاسلام پرنٹنگ سنٹر، راولپنڈی، 2008
- عابد سیال، اردو غزل (چند زاویے)، عکس پبلیکشنز، لاہور، 2018
- عامر سہیل، ڈاکٹر، ظفر اقبال ایک عہد ایک روایت طبع اول، پاکستان رائٹرز کوآپریٹو سوسائٹی، لاہور، 2018ء
- عبد الستار صدیقی، املانامہ، مرتبہ گوپی چند نارنگ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی 1974
- عبد السلام ندوی، مولانا، شعر الہند، مطبع معارف اعظم گڑھ، طبع چہارم، 1954ء

- عبدالسّلام،ڈاکٹر، عمومی لسانیات،رائل بک کمپنی، کراچی، 1993
- عبدل دہلوی، ابراہیم نامہ۔ مرتبہ مسعود حسین خان، کرناٹک اردو اکیڈمی، بنگلور، طبع ثانی، 1999
- علی رفاد فتیحی، لفظ سازی، ورلڈ ویو پبلشرز، لاہور، 2021۔
- علی رفاد فتیحی، اردو لسانیات: نظریاتی مباحث، بھٹو پرٹنگ پریس، لاہور، 2022
- عصمت جاوید، ڈاکٹر، اردو پر فارسی کے لسانی اثرات، اسباق پبلیکیشنز، مہاراشٹر، 1987
- فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر، شعور زبان، موتی باغ، نئی دہلی، 1990
- گیان چند جین، پروفیسر، عام لسانیات، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، 1985،
- محمد باقر حسین، اردو زبان کی توسیع، مشمولہ لسانی مذاکرات، مرتبہ شیما مجید، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، 2006
- محمد بن عمر، اردو میں یورپی الفاظ کا لسانیاتی مطالعہ، کتب خانہ عابد روڈ، حیدر آباد دکن، 1955
- محی الدین قادری زور، ہندوستانی لسانیات، بھٹو پرنٹنگ پریس، لاہور، 2019
- مرزا حامد بیگ، اردو ترجمے کی روایت، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، 2013
- منیبہ زہرا، ظفر اقبال کی شاعری میں لسانی تجربات کا تحقیقی مطالعہ، مثال پبلیشرز، فیصل آباد، 2017
- مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، قواعد اردو، سیونتھ سکائی پبلی کیشنز، لاہور، 2012
- نذیر احمد ملک، ڈاکٹر، کشمیری الفاظ کے سرچشمے، انڈین پرنٹنگ پریس، سری نگر، اکتوبر 1993،
- نصیر احمد خان، اردو ساخت کے بنیادی عناصر، ایچ ایس پرنٹنگ پریس، نئی دہلی، 2000،

لغات

- اردو لغت (تاریخی اصول پر)، جلد دوم، ترقی اردو بورڈ، کراچی، محیط اردو پریس، 1979
- اردو لغت (تاریخی اصولوں پر)، اردو ڈکشنری بورڈ، کراچی، ۱۹۸۳ء
- پنجابی اردو لغت، مرتبہ و مولفہ تنویر بخاری، اردو، سائنس بورڈ، لاہور، 1989
- سردار محمد خان، پنجابی اردو ڈکشنری، جلد اول، سجل سٹوڈیوز، پاکستان پنجابی بورڈ، لاہور، 2009
- شمس الرحمٰن فاروقی، لغات روزمرہ، طبع چہارم، مدینہ سٹی مال، کراچی، 2012ء
- فیروز اللغات، فارسی اردو، مرتبہ مقبول بیگ بدخشانی، فیروز سنز لمیٹڈ، لاہور، طبع دوم، 2018

رسائل واخبارات

- جریدہ شمار نمبر25والیم10،شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ،جامعہ کراچی، 2004
- روزنامہ ایکسپریس،اسلام آباد پانچ نومبر 2023،جلد23،شمارہ157
- روزنامہ جنگ،روالپنڈی،چھ نومبر 2023،جلد65،شمارہ3030
- روزنامہ دنیا،اسلام آباد،پانچ نومبر,2023جلد29،شمارہ242
- شمیم حنفی، ظفر اقبال، مضمون مشمولہ "انگارے"، ظفر اقبال نمبر، گل گشت کالونی، ملتان، طبع چہارم،2006
- ظفر اقبال،جدید اردو غزل اور نئی شعریات کی ضرورت،شب خون،الہ آباد،شمارہ نمبر192،مارچ، 1994

English Books

- Aronoff & Fudeman, what is morphology,2nd edition, Blackwell publishing, Uk, 2011
- Geert Booij, the Grammar of words, Second Edition, Oxford university press, New York, 2007,
- Haspelmath &sims , Understanding Morphology, Hodder Education, Uk, 2nd Edition 2010
- Quirk, A Comprehensive Grammer of he English language, longman Group Limited, USA, 1985
- Ralph Fasold and Jeff connor-Linton, An introduction to language and linguistics, , sixth edition, Cambridge University Press, Uk, 2013
- Rochelle Lieber, Introducing Morphology, Cambridge University Press, UK , 2009,

ویب گاہیں

- https://dictionary.cambridge.org
- https://en.wikitionary.org/wiki
- https://g.co/kgs
- www.collinsidictionary.com

- www.facebook.com
- www.humsub.com
- www.oxfordlearnerdictionaries.com
- www.rekhtadictionary.com
- www.urdulinks..com

ضمیمہ:

اردو	انگریزی	اردو	انگریزی
بل	Stress	سر لفظ	Head word
محدود کرنے والا لفظ	Modifier	مصنوعی مرکب	Synthetic Compound
پیچیدہ مرکب	Complex Compound	مرکب	Compound
نحو	Syntax	نحوی	Syntactic
مستعار	Borrow	مادہ	Root
فعل	Verb	لغویہ	Lexeme
لغوی	Lexical	صفت	Adjective
تصریف	Inflection	قواعدی زمرہ	Grammatical Category
اجزائے کلام	Parts of Speech	تصریفی زبان	Inflected Language
حالت	Case	فاعلی حالت	Direct Case
غیر فاعلی حالت	Oblique Case	ندائی حالت	Vocative Case
جنس	Gender	ضمائر	Pronouns
یک رکنی صوت	Monosyllable	دو رکنی صوت	Bisyllable
طور	Voice	صورت	Mood
لفظی اشتقاق	Derivation	اشتقاقی	Derivational
ساق	Stem	اساس	Base
الحاقیت	Affixation	الحاقیہ	Affix
مارفیم	Morpheme	آزاد مارفیم	Free Morpheme

Morphology	مارفیمیات	Bound Morpheme	پابندمارفیم
Suffix	لاحقہ	Prefix	سابقہ
Circumfix	ابتدائیہ انتہائیہ	Infix	وسطیہ
Clipping	ترکیب اختصار	Zero Affixation	صفرالحاقیت
Abbreviation	مخففات	Blending	ترکیب ملاوٹ / آمیختہ
Conversion	تحویل	Acronyms	مختصرات
Coinage	نولفظیت	Back Formation	منہائی
Derivational Affixation	اشتقاقی الحاقیت	Borrowing	مستعاریت
Endocentric compound	اینڈوسینٹرک مرکبات	Derivational Zero Affixation	اشتقاقی صفرالحاقیت
Copulative compound	کوپولیٹیو مرکبات	Exocentric compound	ایکسوسینٹرک مرکبات
Taboo Words	ممنوع الفاظ	Appositional compound	اپوزیشنل مرکبات